فقہ احمدیہ

عبادات

پیشکش

تدوینِ فقہ کمیٹی سلسلہ عالیہ احمدیہ

نام کتاب	:	فقہ احمدیہ (حصہ عبادات)
پیشکش	:	تدوین فقہ کمیٹی سلسلہ عالیہ احمدیہ
طبع اوّل، دوم وسوم	:	نظارت نشرواشاعت، ربوہ
حالیہ اشاعت	:	مئی 2004ء
زیراہتمام		نظارت نشرواشاعت، قادیان
تعداد	:	3000
مطبع	:	پرنٹویل پریس، امرتسر

FIQAH AHMADIYYA
(Hissa Ibadaat)

Presented by:
Tadween Fiqah Committee Silsila Aaliya Ahmadiyya

First, Second & Third Edition Published by:
Nazarat Ishaat, Rabwah.

Present Edition in India 2004
Copies : 3000

Published by:
Nazarat Nashro Ishaat, Qadian

Printed at
Printwell, 146 Industrial Focal Point
Amrtisar

ISBN : 81-7912-059-7

فہرست مضامین

جزو سوم

نماز پڑھنے کا طریق

جزو چہارم

متفرقات

عرضِ حال

"فقہ احمدیہ" کے اس حصّہ کو محترم مرزا عبدالحق صاحب ایڈووکیٹ صدر تدوین فقہ کمیٹی اور محترم شیخ محمد احمد صاحب مظہر ایڈووکیٹ صدر مجلس افتاء۔ محترم سیّد میر داؤد احمد صاحب مرحوم نے پوری توجہ سے بالاستیعاب دیکھا اور ضروری اصلاحات تجویز فرمادیں اور مفید مشورے دیئے۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

ان مشوروں کو کتاب کی تسوید میں پوری طرح ملحوظ رکھا گیا۔

علاوہ ازیں حوالجات کی تلاش تصحیح چھان بین میں محترم سیّد شمس الحق صاحب معاون مفتی دارالافتاء۔ محترم محمد یوسف صاحب سلیم۔ محترم عبد الماجد صاحب طاہر اور محترم منیر احمد صاحب جاوید، اساتذہ جامعہ احمدیہ نے قابلِ شکریہ تعاون فرمایا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء ::

خاکسار

ملک سیف الرحمٰن

ناظم دارالافتاء ربوہ

جزو اوّل

اسلامی نماز

اسلامی شریعت اور عبادت

قرآن کریم کوئی انوکھی تعلیم پیش نہیں کرتا بلکہ وہ اس اندرونی شریعت کو یاد دلاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر مختلف طاقتوں کی صورت میں ودیعت کر رکھی ہے۔ اس شریعت کے ذریعہ انسان کے اندرونی قویٰ خصوصاً اس کی قوت شہوانیہ اور قوت غضبیہ کی تہذیب و تعدیل ہوتی ہے جس کے نتیجہ میں مختلف اخلاق پیدا ہوتے ہیں مثلاً حلم ہے ایثار ہے صبر ہے قناعت ہے سخاوت ہے شجاعت ہے اطاعت ہے اخلاص ہے صدق ہے دیانت ہے محنت ہے اور عمل صالح کی استعداد ہے۔ غرض جو فطرت قدرت نے باطن میں رکھی تھی۔ قرآن نے اُسے یاد دلایا ہے جیسے فرمایا:-

"فی کتاب مکنون"[1]

یعنی صحیفہ فطرت میں جو چھپی ہوئی کتاب تھی اور جس کو ہر ایک شخص نہ دیکھ سکتا تھا اس کو اس وحی نے سب کے سامنے کھول کر رکھ دیا اور اس کی پوری پوری وضاحت کر دی۔ یہ ہے اسلامی شریعت اور قرآن کریم کی عملی تعلیم کا تصور جس کی تشریح و تفصیل زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور اسی کا ایک اہم حصہ عبادت سے متعلق ہے جو اس وقت ہمارے زیر بحث ہے۔

عبادت اور اُس کے معنے

لُغت کے لحاظ سے عبادت کے معنے تابع بن کر اعلیٰ ہستی کے ساتھ ساتھ چلنے، اس سے تعلق کے اظہار میں سرگرمی دکھانے، اس کا نمونہ بن جانے، اُس کی اطاعت میں اپنے وجود کو لگا دینے اُس کی مہربانیوں کے گُن گانے اور اس کے احسانوں کا شکریہ ادا کرنے کے ہیں ظاہر ہے کہ عجز و نیاز خضوع و خشوع، تذلل و انکسار، فروتنی و عاجزی، فدائیت و ممنونیت ان معنوں کا لازمی نتیجہ ہے۔ فدائیت کے اس مفہوم کو ایک شاعر نے یوں ادا کیا ہے:-

"تمہارے حسنِ ازلی، تمہاری جود و سخا اور تمہارے انعام و اکرام نے میری تین چیزیں جیت لی ہیں یعنی میرا دل، میری زبان اور میرا جسم۔ دل تمہاری عظمت کا اعتراف کرتا ہے

---

[1] : الواقعہ : ۷۹

زبان تمہاری حمد کے گیت گاتی ہے اور جسم تمہارے احترام میں جھک گیا ہے۔"[1]

پس عبادت کے ان معنوں سے ظاہر ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے کیونکہ وہی ہر لحاظ سے کامل ہے تمام خوبیوں کا جامع اور تمام نقائص سے پاک ہے وہ رب العالمین ہے۔ رحمان اور رحیم ہے۔ مالک یوم الدین ہے اس کا ساتھ تمام کامیابیوں کا منبع ہے اور اس کا تعلق سب تعلقات پر فائق ہے وہی ایک ہستی ہے جس کی اطاعت پر انسانیت مجبور ہے وہ محسن ازلی ہے۔ سزاوار حمد و شکر ہے۔ اسی کی مہربانیوں کے انسان گن گاتا ہے اور اس کے احسانوں پر فدا ہے اس کا حسن ازلی عشق انگیز ہے اس کے رنگ میں رنگین ہونا انسانیت کے لئے باعث فخر و زینت ہے اسی کے حضور انسانیت جھک سکتی ہے کیونکہ اس کے سامنے جھکنا انسانیت کا معراج ہے[2] اور اس کے سوا کسی اور کے سامنے جھکنا اور اس کے حضور تذلل و انکسار اختیار کرنا نہ صرف یہ کہ انسانیت کے شایان شان نہیں بلکہ یہ اس کی توہین ہے۔

عبادت کی ضرورت

کچھ لوگ کہتے ہیں کہ عبادت ایک لغو فعل ہے نہ صرف یہ کہ اس کی ہمیں کچھ ضرورت نہیں بلکہ یہ ایک مضر کام ہے اس سے خوشامد اور چاپلوسی کی عادت پڑتی ہے یا حرص و لالچ بڑھتا ہے لیکن یہ سب اعتراض بجائے خود لغو ہیں۔ ایسے اعتراض کرنے والے دراصل فطرت انسانی سے بے خبر ہیں اور حقیقت سے بہت دور جا پڑے ہیں کیونکہ اگر ہم عبادت کے مذکورہ بالا معنوں پر غور کریں تو ان اعتراضات کی لغویت خود بخود ظاہر ہو جائے گی اور ان کی کچھ حقیقت باقی نہیں رہے گی پھر جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی حسین چیز یا خوشنما منظر سامنے آئے تو بے اختیار اس کی تعریف کرنے اس کے قرب میں جانے بلکہ بعض اوقات اس پر فدا ہونے کو دل چاہتا ہے چاہے ہمیں اس سے کچھ فائدہ حاصل ہو یا نہ ہو۔ پس جب بے تعلقی کی صورت میں حسن کے متعلق انسانی فطرت کا یہ حال ہے تو جہاں حسن کامل اور احسان تام اور خالق و مخلوق ہونے کا رشتہ تینوں جمع ہوں وہاں حمد و ثناء اور شکر و امتنان کے لئے کیوں دل بے اختیار نہ ہوگا اور کیوں اس پر فدا ہونے کو جی نہیں چاہے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ عبادت یعنی محسن کی حمد و ثناء اور اس پر فدا ہو جانے کی خواہش انسان کی فطرت کا ایک حصہ اور اس کی ضمیر کی ایک آواز ہے وہ اس کے ارتقاء کی سیڑھی ہے اسی راستہ سے وہ اپنے مقصد پیدائش تک پہنچتا ہے۔

---

[1]: افادتکم النعماء منی ثلثۃ یدی ولسانی والضمیر المحجبا۔ [2] الصلاۃ معراج المومن (تفسیر کبیر جلد اوّل ص ۲۶۶)

عبادت کی بنیادی غرض وصال الٰہی ہے۔ اسی سے اُسے خُدا شناسی کا ذریعہ ملتا ہے اور خُدا سے اُس کے تعلق کا اظہار ہوتا ہے اس کی روحانیت ترقی کرتی ہے۔ اطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے یہاں تک کہ انسان حقیقی معنوں میں عبد یعنی خُدا نما وجود بن جاتا ہے جو روحانیت کا ایک اعلیٰ مقام ہے۔

پس عبادت کوئی چٹی نہیں نہ اس میں خوشامد اور چاپلوسی والی کوئی بات ہے اور نہ لالچ و حرص کا کوئی تحریکی انداز۔ عبادت سے اللہ ذوالجلال کا کوئی ذاتی فائدہ وابستہ نہیں اور نہ ہی اسے اس کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی اس کی عبادت نہ کرے تب بھی اس کی خدائی میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ جس طرح انسان کے پیدا کرنے میں اس کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں۔ اسی طرح عبادت کے تقاضا کو اس کی فطرت میں رکھ دینے اور اُس کے لئے اس کی راہنمائی کرنے میں بھی اس کا کوئی ذاتی فائدہ نہیں یہ محض اس کا فضل وکرم اور اس کی ربوبیت کا فیضان ہے کہ اُس نے اپنے بندوں کو پیدا کیا اور پھر ان کی راہنمائی فرمائی اور عبادت کے ذریعہ اپنے آپ کو مکمل کرنے کی راہیں اُن کیلئے کھول دیں۔

غرض عبادت میں بندہ کا اپنا فائدہ اور اُس کی اپنی بھلائی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

"وَمَنْ تَزَكّٰى فَاِنَّمَا يَتَزَكّٰى لِنَفْسِهٖ"[1]

یعنی جو شخص گناہوں میں ملوث ہونے سے بچتا ہے اور پاکیزگی اختیار کرتا ہے وہ اپنا ہی فائدہ کرتا ہے۔

عبادت کا عمومی فلسفہ

جیسا کہ اُوپر اشارہ آچکا ہے کہ انسان کو اس لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ خالق دوجہاں کے وجود کا ظہور اور اس کی صفات کا نمود ہو۔ اسرار فطرت اور رازہائے قدرت فاش ہو جائیں کھل کر سامنے آجائیں یعنی انسان خُدا نما وجود بنے اور اس طرح اس کا مظہر بن کر تخلیق کائنات کی غرض و غایت کو پُورا کرے اسی لئے انسان کو عبد کہا گیا ہے کیونکہ عبادت کے ایک معنے کسی کے نقش کو قبول کرنے کے ہیں اور انسان کو ایسے ملکوتی قویٰ اور اعلیٰ اقدار ودیعت ہوئے ہیں جن کی مدد سے وہ صفاتِ الٰہیہ کا پُورا نقشہ پیش کر سکتا ہے اور ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی پوری پوری اہلیت رکھتا ہے۔[2]

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:-

"وما خلقت الجن والانس إلا ليعبدون"[3]

---

[1]: فاطر: ۱۹ [2]: کرامات الصادقین صفحہ ۱۲۶، ملفوظات جلد ششم صفحہ ۲۰، تفسیر کبیر جلد اوّل جزو اوّل صفحہ ۲۵، لغات القرآن صفحہ ۳۵۔ [3]: ذاریات ۵۷

یعنی مَیں نے جنّ و انس کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا ہے یعنی اس لئے کہ تا وہ میرے ظہور کا موجب اور میری صفات کا مظہر بنیں۔

اس آیہ کریمہ کی تفسیر وہ حدیث قدسی کرتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

کُنْتُ کَنْزاً مَخْفِیًّا فَارَدْتُّ اَنْ اُعْرَفَ۔ [1]

یعنی مَیں ایک مخفی خزانہ تھا پھر مَیں نے ارادہ کیا کہ مَیں پہچانا جاؤں اور دُنیا میں جانا جاؤں اس لئے مَیں نے آدم کو پیدا کیا۔ اس کی مزید وضاحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد میں ہے:۔

"اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ" [2]

یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ ان ارشادات کا یہی مطلب ہے کہ انسان کی پیدائش کا مقصد ذات باری کا ظہورِ اتم ہے کیونکہ وہ صفات الٰہیہ کا مظہر بن سکتا ہے۔ اور اس کی قدرت کے اسرار پر سے پردہ اٹھانے کی ذہنی استعداد لے کر پیدا ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ استنباط، ایجادات اور نئے نئے انکشافات کی جو قابلیتیں انسان کو ودیعت کی گئی ہیں وہ کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں ہوئیں۔ اسی مفہوم کی عمومیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ کی ذات میں اپنی عظمت، اپنی خدائی، اپنی کبریائی، اپنا جلال، اپنی بادشاہی ظاہر کرنے کا ایک تقاضا پایا جاتا ہے اور سزا و جزا اور مطالبہ اطاعت و عبودیت و پرستش اسی تقاضا کی فرع ہے اسی اظہار ربوبیّت و خُدائی کی غرض سے یہ انواع و اقسام کا عالم اس نے پیدا کر رکھا ہے ورنہ اگر اس کی ذات میں یہ جوش اظہار نہ پایا جاتا تو پھر وہ کیوں پیدا کرنے کی طرف ناحق متوجہ ہوتا اور کس نے اس کے سر پر بوجھ ڈالا تھا کہ ضرور یہ عالم پیدا کرے اور ارواح کو اجسام کے ساتھ تعلق دے کر اس مسافر خانہ کو جو دنیا کے نام سے موسوم ہے اپنی عجائب قدرتوں کی جگہ بنا وے۔ آخر اس میں کوئی قوت اقتضاء تھی جو اس بنا ڈالنے کی محرک ہوئی اسی کی طرف اس کے پاک کلام میں جو قرآن شریف ہے اشارات پائے جاتے ہیں۔ جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے کل عالم کو اس غرض سے پیدا کیا کہ تا وہ اپنی خالقیت کی صفت سے شناخت کیا جائے اور پھر پیدا کرنے کے بعد اپنی مخلوقات پر رحم و کرم کی بارشیں کیں تا وہ رحیمی و کریمی کی صفت سے شناخت کیا جائے ایسا ہی اُس نے سزا و جزا دی تا اس کا منتقم اور منعم

---

[1] ۔ مزیل الخفاء والالباس جلد ۲ صفحہ ۱۳۲ مصنفہ اسمٰعیل بن محمد العجلانی۔ [2] بخاری کتاب الاستیذان باب بدء السلام صفحہ ۹۱۹/۲ مسند احمد صفحہ ۳۲۳/۲

ہونا شناخت کیا جائے ..... غرض وہ اپنے عجیب کاموں سے یہی مدعا رکھتا ہے کہ تا وہ پہچانا جائے اور شناخت کیا جائے سو جبکہ دُنیا کے پیدا کرنے اور جزا و سزا وغیرہ سے اصلی غرض معرفت الٰہی ہے جو لب لباب پرستش و عبادت ہے تو اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ خود تقاضا فرماتا ہے کہ تا اس کی معرفت جس کی حقیقت کاملہ پرستش و عبادت کے ذریعہ سے کھلتی ہے۔ اس کے بندوں سے حاصل ہو جائے جیسا کہ ایک خوبصورت اپنے کمال خوبصورتی کی وجہ سے اپنے حسن کو ظاہر کرنا چاہتا ہے سو خدا تعالیٰ جس پر حسن حقیقی کے کمالات ختم ہیں وہ بھی اپنے ذاتی جوش سے چاہتا ہے کہ وہ کمالات لوگوں پر کھل جائیں"۔[1]

عبادت کے ایک اور معنے کسی کا بن جانے اس کے سامنے بچھ جانے اس میں فنا ہو جانے اس کے حضور تذلل اختیار کرنے اور اس کا کہنا ماننے کے ہیں اور انسان بھی اپنے وجود کو ایک بالا ہستی کے سامنے مٹا دینے اس کی محبت میں فنا ہو جانے اور اس کا ہی بن جانے کی پوری پوری صلاحیت رکھتا ہے اس لئے اُسے عبد کہا گیا ہے۔

پس ان معنوں کے لحاظ سے عبادت صرف ایسی کامل ہستی ہی کی ہو سکتی ہے جو اپنے کمالات میں منفرد ہو اور اس کا کوئی شریک نہ ہو اور جس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا انسان ہر حال میں پابند ہو ایسی ذات صرف اللہ تعالیٰ کی ہے کیونکہ اس کے سوا کوئی نہیں جس کی حقیقی معنوں میں فرمانبرداری کی جا سکے اور جس کی ذات کو چُن کر انسان اُسی کا ہو جائے اور اُسی کی پناہ کے نیچے اپنے آپ کو لے آوے۔

حقیقی معنوں میں اللہ تعالیٰ کا عبد کہلانے کی ایک راہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے جذبات شکر کا اظہار کرے اور اُس کے احسانوں کا اپنی زبان سے اقرار کرے کیونکہ انسان فطرتاً اپنے محسن کا شکریہ ادا کرنے پر مجبور ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

"جُبِلَتِ الْقُلُوْبُ عَلٰی حُبِّ مَنْ اَحْسَنَ اِلَیْهَا"[2]

یعنی انسان کی بناوٹ ہی ایسی ہے کہ وہ اپنے محسن سے محبت کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حقیقی عبد بننے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان گناہوں اور بدیوں سے نجات پا جائے اور اپنے دل کو پاک کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک لوگ ہی اس کی بارگاہ میں بار پا سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ تمام مقررہ عبادات میں اس بات کو مدِ نظر رکھا گیا ہے کہ ان کے ذریعہ نفس انسانی

---

[1] : سرمہ چشم آریہ صفحہ ۲۱۸-۲۱۹؛ [2] : جامع الصغیر جلد اوّل صفحہ ۱۳۰ بحوالہ بیہقی فی شعب الایمان ؛

بدیوں سے پاک ہو جائے اور اُسے ایسی طاقت مل جائے کہ وہ مختلف قسم کے ہوا وہوس کو چھوڑنے کے قابل ہو جائے ۔ ایک طرف اللہ تعالیٰ سے اس کے تعلقات درست ہو جائیں اور دوسری طرف مخلوقِ الٰہی سے اس کے معاملات بالکل درست اور صاف رہیں[1]

عبادت کے دو حصے ہیں ایک خدا کا خوف اور دوسرے خُدا سے محبت ۔ یہ دونوں باتیں انسان کو پاکیزگی کے چشمہ کی طرف لے جاتی ہیں اور اس کی رُوح گُداز ہو کر الوہیت کی طرف بہتی ہے اور عبودیت کا حقیقی رنگ اُس میں پیدا ہو جاتا ہے اور دنیا کی ساری محبتوں کو فانی اور آنی سمجھ کر وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کو دُنیا میں حقیقی محبُوب یقین کرنے لگ جاتا ہے ۔

خوف اور محبت دو ایسی چیزیں ہیں کہ بظاہر ان کا جمع ہونا محال نظر آتا ہے کہ ایک شخص جس سے خوف کرے اس سے محبت کیونکر کر سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کا خوف اور محبت ایک الگ رنگ رکھتی ہے جس قدر انسان خُدا کے خوف میں ترقی کرے گا اسی قدر خدا تعالیٰ کا خوف غالب ہو کر بدیوں اور اور برائیوں سے نفرت دلا کر پاکیزگی کی طرف لے جائے گا ۔ اور جوں جوں وہ محبت الٰہی میں ترقی کرتا جائے گا عبادت میں اُسے ایک لذت وسرور حاصل ہو گا ہاں ایسی لذت اور ایسا سرور جو دُنیا کی تمام لذتوں اور تمام حظوظِ نفس سے بالاتر اور بلند ہے ۔

اسلام عبادت کو چار اصولی اغراض میں تقسیم کرتا ہے :۔

(۱) وہ عبادت جس کی غرض اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور اس کے ساتھ تعلق بڑھانا ہے ۔

(۲) وہ عبادت جو انسان کے جسم کی اصلاح اور اُسے قربانیاں دینے پر آمادہ کرنے کیلئے ہوتی ہے اور جس سے رُوح ایک خاص جلائ حاصل کرتی ہے ۔

(۳) وہ عبادت جو انسانوں کے اندر مرکزیت کی روح اور اتحاد و یگانگت کا احساس پیدا کرنے کے لئے مقرر کی جاتی ہے ۔

(۴) وہ عبادت جو بنی نوع انسان کی اقتصادی حالتوں میں یکسوئی اور یک رنگی پیدا کرنے کے لئے مقرر کی جاتی ہے ۔

اسلام عبادت کی یہ چار اصولی اغراض مقرر کرتا ہے اور ان اغراض کے مطابق اس نے مختلف عبادتیں مقرر کی ہیں اور اس اصول کو تجویز کر کے اسلام نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ عبادت صرف اسی بات کا نام نہیں کہ انسان خدا تعالیٰ کی طرف دھیان لگائے بلکہ بنی نوع انسان کی طرف توجہ کرنے سے بھی خدا تعالیٰ کی عبادت کا فرض ادا ہوتا ہے ۔ اسی طرح اسلام نے یہ نکتہ بھی پیش کیا ہے کہ

---

[1] :۔ تفسیر کبیر ملخصاً ص ۳۳۳

عبادت صرف انفرادی نہیں بلکہ وہ اجتماعی بھی ہوتی ہے۔ انسان کا صرف یہی فرض نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے سامنے پیش ہو جائے بلکہ انسان کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو بھی خدا کے سامنے پیش ہونے کے لئے تیار کرے۔ اس لئے قرآن کے جتنے احکام عبادات کے متعلق ہیں وہ انفرادی بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔ [1]

اسلامی عبادت کی اقسام

اصولی طور پر عبادت دو قسموں میں منقسم ہے۔ عام عبادت اور خاص عبادت۔

عام عبادت کا تعلق بالعموم حقوق العباد سے ہے۔ اس لحاظ سے انسان جو کام بھی خواہ وہ ذاتی ہو یا اجتماعی۔ خداوند تعالیٰ کی خاطر اور اُس کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرے اور وہ خدمتِ انسانیت سے متعلق ہو اسلامی نظریہ کے مطابق وہ عبادت ہے اور اس پر ثواب اور نیک جزا کا وعدہ دیا گیا ہے مگر اسی نقطہ مرکزی کو ہمیشہ اپنے سامنے رکھتے، اسے اپنی عادت بنا لینے اور عبادت کے بنیادی مقاصد کو صحیح معنوں میں حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خاص عبادت کا بھی حکم دیا ہے۔ یہ خاص عبادت پانچ حصوں میں منقسم ہے جنہیں ارکانِ اسلام کہتے ہیں یعنی اسلام کے ایسے ستون جن پر اسلام کی عمارت استوار ہے۔

ارکانِ اسلام

ارکانِ اسلام میں سے پہلا رُکن کلمۂ شہادت ہے۔ یعنی یہ اعتراف کرنا اور گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبُود و محبُوب نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں وہی اللہ تعالیٰ کا پیغام لائے ہیں اور اسلام کے سارے احکام انہوں نے ہی آ کر بتائے ہیں۔

ان ارکان میں سے دوسرا رکن نماز پڑھنا۔ تیسرا زکوٰۃ دینا۔ چوتھا رمضان کے روزے رکھنا اور پانچواں خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے مکّہ جانا یعنی حج کرنا ہے۔ اسلام کے ان پانچوں ارکان کی تفصیل سیّدنا حضرت عمرؓ کی ایک روایت سے معلوم ہوتی ہے جس میں آپ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرامؓ کے درمیان تشریف فرما تھے

---

[1] :- دیباچہ تفسیر القرآن صـ ۲۵۲ ؎

کہ ایک شخص آیا۔ اس کی زلفیں کالی تھیں صاف ستھرے اُجلے کپڑے پہنے ہُوئے تھا بالکل معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ کہیں باہر سے سفر کرکے آیا ہے نہ اس کے کپڑے میلے تھے اور نہ ہی اس کے ہاتھ پاؤں پر گرد و غبار کا کوئی نشان تھا لیکن ہم میں سے کوئی بھی اُسے نہ جانتا تھا۔ اس لئے ہم حیران تھے کہ یہ شخص کون ہے۔ وہ باادب دو زانو ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے بیٹھ گیا سب سے پہلے اس نے یہ سوال کیا کہ اسلام کیا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اُس کے رسول ہیں۔ دوسرے تو نماز پڑھے۔ تیسرے زکوٰۃ دے۔ چوتھے رمضان کے روزے رکھے۔ پانچویں اگر تجھے استطاعت ہے تو بیت اللہ کا عمر بھر میں ایک بار حج کرے۔ اس پر اُس شخص نے کہا حضور سچ فرماتے ہیں۔

ہم پہلے ہی حیران تھے اب اور بھی اچنبھا ہوا کہ عجیب انسان ہے خود ہی پوچھتا ہے اور خود ہی صاد بھی کرتا جاتا ہے۔ پھر اُس نے پوچھا۔ ایمان کیا ہے؟ حضور نے فرمایا۔ ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر اُس کے فرشتوں پر۔ اس کی کتابوں پر اور اُس کے رسولوں پر ایمان لائے اور آخری دن پر یقین رکھے اور خیر و شر کے اندازے اور اُس کے برمحل ہونے پر تیرا ایمان ہو۔

پھر اُس نے پوچھا۔ احسان کیا ہے؟ حضور نے فرمایا۔ احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی اس طرح عبادت کرے کہ گویا تو اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور اگر تجھے یہ مقام حاصل نہ ہو سکے تو پھر کم از کم تجھ میں یہ احساس ضرور ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ تجھے ہر وقت دیکھتا ہے اسی طرح کے چند اور سوالات اُس نے کئے اور حضور نے ان کے جوابات دیئے۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔ حضرت عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ اُس کے چلے جانے کے بعد حضور نے میری طرف دیکھ کر فرمایا۔ عمر! تم جانتے ہو یہ کون تھے؟ یہ جبریل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے[1]

اس تفصیلی روایت سے ظاہر ہے کہ اسلام کا دوسرا اہم رکن نماز ہے اور اس کے تفصیلی احکام کو بیان کرنا اس وقت ہمارے پیش نظر ہے۔

نماز کی اہمیّت

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں نماز پڑھنے کی بار بار تاکید کرتا ہے اور باقاعدگی سے نماز پڑھنے والوں کی تعریف اور نہ پڑھنے والوں یا اس میں سستی برتنے والوں کی مذمت کرتا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتا ہے۔ رحمان خُدا کے سچے بندے وہ ہیں جو اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں[2] اور اس پر

---

[1] : ترمذی کتاب الایمان باب فی وصف جبریل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۹۵ مشکوٰۃ کتاب الایمان ص۱۱ ؛ [2] : المومنون ۱۰ ؛

مداومت اختیار کرتے ہیں[1] اسی طرح ایک اور جگہ فرمایا ہے۔ نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً اس نماز کی جو کام کاج کے درمیان میں آئے[2] پھر فرمایا۔ جو نماز نہیں پڑھتے وہ دوزخ میں جائیں گے[3] نماز میں کسل مندی اور سستی اختیار کرنے والوں کی حالت قابل افسوس ہے[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں بھی نماز کی بڑی تاکید اور فضیلت آئی ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ نماز دین کا ستون ہے جس نے نماز باقاعدگی سے پڑھی اُس نے دین کو قائم کیا اور جس نے اُسے ترک کیا اُس نے دین کو گرایا اور اس کی عمارت منہدم کردی۔ اسلام اور کفر کے درمیان فرق کرنے والی نماز ہے۔ ایک بار فرمایا قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب لیا جائے گا۔ ایک اور موقع پر صحابہؓ کے سامنے نماز کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا جس شخص کے دروازے کے پاس سے صاف شفاف پانی کی نہر بہتی ہو اور وہ اس میں دن میں پانچ بار نہائے جس طرح اس کے بدن پر مَیل نہیں رہ سکتی اسی طرح اس شخص کا باطن بھی ناصاف نہیں رہ سکتا اور نہ اُس میں کوئی کدورت یا گناہ کی مَیل رہ سکتی ہے۔ جو دن میں پانچ وقت نماز پڑھتا ہے[5]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرمایا کرتے تھے کہ سب سے اہم فریضہ میرے نزدیک نماز ہے جس نے اُسے ضائع کیا اُس نے سب کچھ ضائع کر دیا یعنی ایسی حالت میں اس شخص کا کوئی بھی کارنامہ قابل ستائش نہیں سمجھا جا سکتا۔

سیّدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں :۔

"نماز ہر ایک مسلمان پر فرض ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قوم اسلام لائی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہمیں نماز معاف فرما دی جائے کیونکہ ہم کاروباری آدمی ہیں مویشی وغیرہ کے سبب سے کپڑوں کا کوئی اعتماد نہیں ہوتا اور نہ ہمیں فرصت ہوتی ہے تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ دیکھو جب نماز نہیں تو ہے ہی کیا؟ وہ دین ہی نہیں جس میں نماز نہیں۔ نماز کیا ہے؟ یہی کہ اپنے عجز و نیاز اور کمزوریوں کو خدا کے سامنے پیش کرنا اور اس سے اپنی حاجت روائی چاہنا کبھی اس کی عظمت اور اس کے احکام کی بجا آوری کے واسطے دست بستہ کھڑا ہونا اور کبھی کمال مذلت اور فروتنی سے اس کے آگے سجدہ میں گر جانا اس سے اپنی حاجات کا مانگنا ہی نماز ہے۔ ایک سائل کی طرح کبھی اس

---

[1]:۔ المعارج: ۲۴ [2]:۔ البقرۃ: ۲۳۹ [3]:۔ المدثر: ۴۳، ۴۴ [4]:۔ الماعون: ۵، ۶ [5]:۔ بخاری مواقیت الصلوٰۃ۔

مسئول کی تعریف کرنا کہ تو ایسا ہے تو ایسا ہے اس کی عظمت وجلال کا اظہار کرکے اسکی رحمت کو جنبش دلانا پھر اُس سے مانگنا۔ پس جس دین میں یہ نہیں وہ دین ہی کیا ہے انسان ہر وقت محتاج ہے اس سے اس کی رضا کی راہیں مانگتا رہے اور اس کے فضل کا اسی سے خواستگار ہو۔...... خدا تعالیٰ کی محبت اسی کا خوف اسی کی یاد میں دل لگا رہنے کا نام نماز ہے اور یہی دین ہے۔" [۱]

"خدا تعالیٰ تک پہنچنا منزل بمنزل ہوتا ہے جس میں انسانی محنت، کوشش جدوجہد کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح منزلِ مُراد تک پہنچنے کے لئے یعنی قربِ الٰہی حاصل کرنے کے لئے نماز ایک گاڑی ہے جس پر سوار ہو کر وہ جلد خدا تعالیٰ کو پا سکتا ہے اور جس نے نماز ترک کی وہ کس طرح خُدا کو پا سکتا ہے"۔ [۲]

اسی طرح ایک اور جگہ حضور فرماتے ہیں:۔

"نماز سے بڑھ کر اور کوئی وظیفہ نہیں کیونکہ اس میں حمدِ الٰہی ہے۔ استغفار ہے اور درود شریف۔ تمام وظائف اور اوراد کا مجموعہ یہی نماز ہے اور اس سے ہر قسم کے غم وہم دُور ہوتے ہیں اور مشکلات حل ہوتی ہیں۔.......... نماز کو سنوار سنوار کر اور سمجھ سمجھ کر پڑھو اور مسنون دعاؤں کے بعد اپنے لئے اپنی زبان میں بھی دعائیں کرو اس سے تمہیں اطمینانِ قلب حاصل ہوگا اور سب مشکلات خدا تعالیٰ چاہے گا تو اس سے حل ہو جائیں گی نماز یادِ الٰہی کا ذریعہ ہے اسی لئے فرمایا۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ"۔ [۳]

نماز کا فلسفہ

اصل عبادت دل کی کیفیت اور اس کے ماتحت انسانی اعمال کے صدور کا نام ہے اور چونکہ انسانی بناوٹ اس قسم کی ہے کہ جسم کا اثر روح پر اور روح کا اثر جسم پر پڑتا ہے۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ جو شخص غمگین صورت بنا لیتا ہے یا غمگین لوگوں میں بیٹھتا ہے تھوڑی دیر کے بعد اس کا دل بھی غم سے بھر آتا ہے ایسے ہی اگر وہ یونہی ہنسنے کی کوشش کرتا ہے یا خوش کیف لوگوں میں بیٹھتا ہے تو کچھ دیر کے بعد اس کے دل میں بھی مسرت کے جذبات اُبھرنے لگتے ہیں۔ اس کے برعکس اگر انسان کا دل صدمہ اور غم سے دوچار ہو تو جسم مرجھا جاتا ہے۔ آنکھوں میں آنسو

---

[۱] ملفوظات جلد ۵ صفحہ ۲۵۳-۲۵۴ [۲] ملفوظات مفہوماً جلد ۵ صفحہ ۲۵۵؛ [۳] طٰہٰ: ۱۵، ملفوظات جلد ۵ صفحہ ۴۳۲-۴۳۳؛

آجاتے ہیں۔ بال جلد سفید ہو جاتے ہیں مگر اس کے برخلاف خوشی سے چہرہ نکھر آتا ہے اس پر بشاشت کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جسم میں ایک تازگی اور چستی محسوس ہونے لگتی ہے سو انسان کی اس فطرتی کیفیت اور اس کے اس طبعی قانون کے مطابق اسلام نے نماز میں چند افعال و اقوال شامل کئے ہیں تاکہ وہ ظاہری ہیئتیں جن سے ادب کا اظہار ہوتا ہے اس کے باطن میں بھی یہی جذبات پیدا کر دیں اور اس کے بالمقابل روح کا تذلل اور انکساران حرکاتِ ادب کے پیدا کرنے کا موجب بنے۔

پس نماز کے ظاہری اعمال و اقوال، خاص اوقات کی تعیین، قبلہ رو ہونا، ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا۔ رکوع و سجود کرنا صرف قلبی کیفیت کو بدلنے کے لئے مقرر ہیں۔ اور یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان قلبی کیفیات ہی کے یہ نتائج ہیں [1]

یاد رکھیئے نماز کوئی چٹی نہیں بلکہ نماز اس لئے مقرر کی گئی ہے کہ یہ انسانوں کو ہر قسم کے نقصان سے بچاتی اور بدیوں سے روکتی ہے گویا اسلام یہ نظریہ پیش کرتا ہے کہ اے انسان تو نماز پڑھ اس لئے نہیں کہ تیرا خدا چاہتا ہے کہ دس پندرہ منٹ کے لئے تو اوٹھک بیٹھک کرے بلکہ اس لئے کہ یہ تمہاری اصلاح کا موجب ہے اور یہ بدیوں کو مٹانے والی چیز ہے۔

بعض لوگ باوجود نماز پڑھنے کے پھر بدیاں کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ وہ نماز یں پڑھتے ہیں مگر نہ روح اور راستی کے ساتھ وہ صرف رسم اور عادت کے طور پر ٹکریں مارتے ہیں۔ ان کی روح مردہ ہے وہ نماز بدیوں کو دُور کرتی ہے جو اپنے اندر ایک سچائی کی روح رکھتی ہے اور فیض کی تاثیر اس میں موجود ہے۔ نماز صرف ظاہری نشست و برخاست کا نام نہیں بلکہ ارکان نماز دراصل روحانی نشست و برخاست ہیں انسان کو خدا تعالیٰ کے روبرو کھڑا ہونا پڑتا ہے اور قیام بھی آداب خدمتگاران میں سے ہے۔ رکوع جو دوسرا حصہ ہے بتلاتا ہے کہ گویا تیاری ہے کہ وہ تعمیل حکم میں کس قدر گردن جھکاتا ہے اور سجدہ کمال آداب اور کمال تذلل اور نیستی کو جو عبادت کا مقصود ہے ظاہر کرتا ہے یہ آداب اور طرق ہیں جو خدا تعالیٰ نے بطور یادداشت کے مقرر کر دیئے ہیں اور جسم کو باطنی طریق سے حصہ دینے کی خاطر ان کو مقرر کیا ہے۔ علاوہ ازیں باطنی طریق کے اثبات کی خاطر ایک ظاہری طریق بھی رکھدیا ہے اب اگر ظاہری طریق میں صرف نقال کی طرح نقلیں اتاری جائیں اور اسے بار گراں سمجھ کر اتار پھینکنے کی کوشش کی جاوے تو تم ہی بتاؤ اس میں کیا لذت اور حظ آسکتا ہے اور جب تک لذت اور سرور نہ آئے اس کی حقیقت کیونکر متحقق ہو گی

---

[1] تفسیر کبیر ص ۳۰

اور یہ اسی وقت ہوگا جبکہ روح بھی ہمہ نیستی اور تذلّل تام ہوکر آستانہ الوہیت پر گرے اور جو زبان بولتی ہے روح بھی بولے اس وقت ایک سرور اور نور اور تسکین حاصل ہوجاتی ہے۔

الغرض نماز انسان کی اندرونی غلاظتوں کو پانی کی طرح دھوکر صاف کرتی ہے رُوح پگھل کر پانی کی طرح آستانہ الوہیت پر بہنے لگتی ہے۔ نماز میں رکوع یہ ہے کہ انسان تمام قسم کی محبتوں اور تعلقات کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف جُھک جائے اور صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہوجائے اور روح کا سجدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے آستانہ پر گر کر اپنے تئیں بکلی کھو دے اور اپنے نفس وجود کو مٹا دے۔

نماز میں لذّت اور سرور بھی عبودیت اور ربوبیت کے ایک تعلق سے پیدا ہوتا ہے جب تک اپنے آپ کو عدم محض یا مشابہ بالعدم قرار دے کر جو ربوبیت کا ذاتی تقاضا ہے نہ ڈال دے اس کا فیضان اور پرتو اس پر نہیں پڑتا اور اگر ایسا ہو تو پھر اعلیٰ درجہ کی لذّت حاصل ہوتی ہے جس سے بڑھ کر کوئی حَظ نہیں ہے۔ اس مقام پر انسان کی رُوح جب ہمہ نیستی ہوجاتی ہے تو وہ خدا تعالیٰ کی طرف ایک چشمہ کی طرح بہتی ہے اور ماسوی اللہ سے اُسے انقطاعِ تام ہوجاتا ہے اس وقت خدا تعالیٰ کی محبّت اس پر گرتی ہے۔ اس اتصال کے وقت ان دو جوشوں سے جو اُوپر کی طرف سے ربوبیت کا جوش اور نیچے کی طرف سے عبودیت کا جوش ہوتا ہے ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا نام صلاۃ ہے۔

پس یہی وہ صلاۃ ہے جو سیّئات کو بھسم کر جاتی ہے اور اپنی جگہ ایک نُور اور چمک چھوڑ دیتی ہے جو سالک کو راستہ کے خطرات اور مشکلات کے وقت ایک منور شمع کا کام دیتی ہے اور ہر قسم کے خس و خاشاک اور ٹھوکر کے پتھروں اور خار و خس سے جو اس کی راہ میں ہوتی ہیں آگاہ کر کے بچاتی ہے اور یہی وہ حالت ہے جب کہ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ[1] کا اطلاق اس پر ہوتا ہے کیونکہ اس کے ہاتھ میں نہیں اس کے دل میں ایک روشن چراغ رکھا ہوا ہوتا ہے اور یہ درجہ کامل تذلّل۔ کامل نیستی اور فروتنی اور پوری اطاعت سے حاصل ہوتا ہے پھر گناہ کا خیال اُسے کیونکر آسکتا ہے۔ انکار اس میں پیدا ہی نہیں ہوسکتا۔ فحشاء کی طرف اس کی نظر اُٹھ ہی نہیں سکتی[2]

پس نماز روحانی ترقیات کا منبع ہے۔ اس میں ہمیں یہ سبق دیا گیا ہے کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا آقا یقین کریں۔ صرف اسی کو اپنا رازق سمجھیں اور ہر کام میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں

---

[1]:- العنکبوت : ۴۶

[2]:- ملفوظات ج ۱ صفحہ ۱۶۴ تا ۱۶۶

اور جو کچھ بھی کریں خدا کی رضا کے مطابق کریں اور دنیا کے دھندوں میں پھنس کر اُسے فراموش نہ کریں۔ صبح اٹھتے ہی نماز ہمیں یہی بات یاد دلاتی ہے اس کے بعد ہم کام کاج میں مشغول ہو جاتے ہیں لیکن وقفے وقفے کے بعد اس یاد کو تازہ کیا جاتا ہے یہاں تک کہ جب ہم رات کو سونے لگتے ہیں تو آخری بار پھر اسی کا اعادہ ہوتا ہے۔ کلامِ الٰہی "اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ" یعنی میری یاد کو تازہ رکھنے کے لئے نماز قائم کر، میں اسی یاد کی طرف اشارہ ہے۔

فرض کو مستعدی سے بجا لانے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کو اس کام کی عادت ہو۔ فوجوں کو روزانہ بار بار قواعد کرانے میں یہی حکمت ہے ورنہ مستعدی باقی نہیں رہے گی اس حکمت کے پیشِ نظر بھی دن میں متعدد نمازیں فرض کی گئیں تاکہ مسلمانوں کا بار بار امتحان لیا جاتا رہے کہ وہ اپنے دعویٰ کے مطابق واقع میں بھی مستعد مسلمان ہیں یا کہ نہیں۔

نماز خداوند تعالیٰ کے خوف اور اس کے حاضر و ناظر اور علیم و خبیر ہونے کا یقین آدمی کے دل میں بٹھاتی ہے اور اس یقین کو تازہ کرتی رہتی ہے تاکہ ہم اپنے کام کاج میں اللہ تعالیٰ کی رضا سے غافل نہ ہوں۔ کیونکہ جو شخص بار بار خدا کے حضور میں جا کر یہ اقرار کرے گا کہ اے خدا تو تمام خوبیوں کا مالک ہے سب کا پروردگار ہے بے انتہا کرم کرنے والا اور سچی محنتوں کا اجر دینے والا ہے۔ جزا و سزا تیرے ہی اختیار میں ہے۔ میں تیرا بندہ ہوں۔ تجھے اپنا مالک اپنا رازق سمجھتا ہوں۔ تیری فرمانبرداری کا دم بھرتا ہوں تو ایسا شخص لازماً گناہوں سے تائب ہو جائے گا کیونکہ یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک شخص خدا کو رب العالمین۔ رحمٰن و رحیم۔ مالک یوم الدین اور علیم و خبیر یا حکیم و قدیر بھی یقین کرے اور پھر برائیاں بھی کرتا پھرے اور بار بار اس کے دربار میں جانے سے بھی نہ شرمائے۔

نماز میں اللہ تعالیٰ کے احکام سے واقفیت حاصل کرنے کا بھی موقع ملتا ہے کیونکہ نماز میں قرآن پاک کا کچھ نہ کچھ حصہ پڑھا جاتا ہے اس طرح روزانہ اللہ تعالیٰ کے کتنے ہی احکام کے متعلق ہمارا علم تازہ ہو جاتا ہے اور اس پر عمل کرنے کی مزید تحریک پیدا ہوتی ہے۔ نماز ہمیں یہ سبق بھی دیتی ہے کہ جو کام ہمارے سپرد ہے وہ کسی ایک فرد واحد کے بس کی بات نہیں اس کے لئے اجتماعی قوت درکار ہے۔ جب تک سب مل کر پوری یک جہتی اور کامل اتحاد کے ساتھ اسلام کے غلبہ کی کوشش نہ کریں گے اسلام غالب نہیں ہو گا۔

ہر قوم میں کوئی نہ کوئی طریق خدا تعالیٰ کی عبادت کا مقرر ہے مگر ضروری نہیں کہ اس طریق میں کوئی معقولیت اور حکمت بھی ہو لیکن اسلامی طریق عبادت یعنی نماز کے تمام افعال و حرکات باغرض

بافائدہ اور باوقار ہیں اور اس میں پڑھے جانے والے تمام اقوال بامعنے اور پُر از معارف ہیں۔ اسی طرح نماز میں تمام وہ طریق تعظیم اختیار کئے گئے ہیں جو مختلف اقوام میں اظہار ادب کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

ایرانی اقوام میں ہاتھ چھوڑ کر سیدھا کھڑا ہو جانا اظہار ادب کی علامت تھا۔ ترکی نسل کی اقوام میں ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جانا اظہار ادب کی علامت تھا۔ یہودیوں اور بعض دوسری اقوام میں جُھکنا اظہار عقیدت کی علامت تھا۔ برصغیر پاک و بھارت اور افریقہ میں سجدے کے طور پر گر جانا اظہار ادب کا طریق۔ یورپین اقوام میں گھٹنے کے بل بیٹھ جانے کو اظہار ادب کا طریق سمجھا گیا۔ غرض ہر قوم میں اظہار عقیدت کی کوئی نہ کوئی علامت محسوس و مشہود ہے۔ نماز میں ان تمام آداب کو جمع کر دیا گیا ہے۔

اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ جب کسی مذہب کا کوئی شخص مسلمان ہوگا اور نماز میں اپنے قومی شعار کو دیکھے گا اور اس میں اظہار ادب کے اپنے مخصوص و مانوس طریق کو اختیار کرے گا فوراً اُسے کمال لذت محسوس ہوگی۔ عیسائی گھٹنے کے بل جُھک جانے یعنی تشہد کی طرز کو پسند کرتا ہے کیونکہ عیسائیوں میں اظہار ادب کے لئے تشہد کے انداز میں بیٹھنے کا رواج ہے۔ ہندوستانی سجدے کی حالت کو انتہائی تذلل و انکساری سمجھتا ہے۔ ایرانی کو ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہونے میں تذلل محسوس ہوتا ہے۔ یہودی کو رکوع میں تذلل نظر آتا ہے۔ غرض جو قوم بھی اسلام میں داخل ہوتی ہے وہ نماز میں اپنے ہاں کے مانوس طریق ادب و تعظیم کو دیکھکر اپنی رُوح کی تسکین اس میں بدرجہ اُولیٰ پاتی ہے۔ دیکھو یہ کتنی بڑی خوبی ہے جو اسلام میں پائی جاتی ہے۔ باقی قوموں کی عبادتوں میں یہ چیز اتنے لطیف طریق پر نظر نہیں آتی اور یہ اس وجہ سے ہے کہ اسلام ایک عالمگیر دین ہے اور ساری دنیا نے اس میں شامل ہونا ہے۔

پھر اسلامی نماز میں ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ فرض نماز سے پہلے وضو کے علاوہ کچھ سنتیں اور نوافل رکھدیئے اور بعد میں بھی سنتیں۔ نوافل اور ذکر الٰہی کی تلقین فرمائی تاکہ خیالات کو مجتمع کرنے اور دوسری چیزوں سے توجہ ہٹا کر خالصتہً اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جانے کا موقع انسان کو میسّر آتا ہے۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ ہر کام وقت سے کچھ پہلے شروع کر دیا جاتا ہے مثلاً ہم نے دس بجے کی گاڑی پر جانا ہے تو آٹھ بجے سے ہی اس کا خیال آنا شروع ہو جائے گا۔ ہم روزہ رکھے ہُوئے ہیں تو سورج غروب ہونے سے پندرہ بیس منٹ پہلے ہی روزہ کھولنے کی تیاری شروع کر دیں گے۔ یہی حال دوسرے کاموں کا ہے یعنی پہلے کام کا اثر کچھ دیر تک چلا جاتا ہے اور اگلا کام کچھ دیر پہلے شروع ہو جاتا ہے اس لحاظ سے اگر نماز سے پہلے وضو اور بعد میں نوافل وغیرہ نہ رکھے جاتے تو آدھی نماز تو پہلے خیالات میں ضائع ہو جاتی اور آدھی دوسرے خیالات میں۔ اس نقص کے ازالہ کے لئے خدا تعالیٰ نے پہلے وضو رکھا اور فرائض سے پہلے سنتیں اور

نوافل رکھ دیئے اسی طرح فرائض کے بعد کچھ سنتیں اور نوافل رکھدیئے اس طرح نماز کو اُس نے دو۲ دیواروں کے درمیان محفوظ کرلیا اور انسان کے لئے اس بات کا موقع بہم پہنچادیا کہ وہ دنیوی خیالات سے علیحدہ ہوکر نماز ادا کرسکے اور شیطانی حملوں سے ہرممکن طریق سے محفوظ رہ سکے۔

پھر اسلام نے نماز کے لئے ایک قبلہ مقرر کیا ہے جس کی طرف ہر نماز پڑھنے والا منہ کرتا ہے مثلاً افریقہ والے مشرق کی طرف منہ کرتے ہیں یورپ والے جنوب کی طرف منہ کرتے ہیں۔ ایران والے جنوب مغرب کی طرف منہ کرتے ہیں۔ برصغیر پاک وبھارت والے مغرب کی طرف منہ کرتے ہیں اور اس طرح ساری دنیا کے مسلمانوں میں خواہ وہ شمال میں رہتے ہوں یا جنوب میں، مشرق میں ہوں یا مغرب میں۔ یہ احساس مستحکم ہوجاتا ہے کہ وہ ایک سمت کی طرف منہ کرکے کھڑے ہیں یہ ایک بہت بڑا اتحاد کا ذریعہ ہے بشرطیکہ مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں مگر اس کے ساتھ ہی اسلام نے یہ بھی کہدیا ہے کہ قبلہ اپنی ذات میں کوئی خوبی نہیں رکھتا اور یہ اس لئے کہ تا شرک پیدا نہ ہو جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۚ [۱]

اللہ تعالیٰ کے لئے مشرق اور مغرب سب برابر ہیں۔ جدھر منہ کرو اُدھر ہی تم اللہ تعالیٰ کو پاؤ گے۔ غرض عبادت کو اس کمال تک اور کسی مذہب نے نہیں پہنچایا اور یہ اسلام کی فضیلت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے۔

پھر اسلامی عبادت میں جماعت کا اصول قائم کیا گیا ہے جو مذہب کی اصل غرض ہے ظاہر ہے کہ انسانی زندگی دو۲ پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ انفرادی اور اجتماعی۔ مذہب، سیاست، قومیت، اخلاق۔ تمدن تمام امور میں ان دونوں پہلوؤں کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے ورنہ انسانی سوسائٹی خراب ہوجاتی ہے۔ جن اقوام نے سیاست میں اجتماعی زندگی اور اس کی ذمہ واریوں کا خیال نہیں رکھا وہ کمزور ہوگئی ہیں۔ اسی طرح جن اقوام نے انسان کو محض مشینِ سیاست کا ایک پُرزہ تجویز کردیا ہے انہوں نے بھی انسانی ترقی کے راستوں کو مسدود کردیا ہے۔ اصل اور کامیاب طریقہ یہی ہے کہ انفرادیت اور اجتماعیت دونوں کو ایک وقت میں اور توازن کے ساتھ قائم رکھا جائے۔ مذہب میں بھی یہی طریقہ کامیاب اور مفید ہوسکتا ہے۔ اسلام نے اس حکمت کو خاص طور پر مدّنظر رکھا ہے اور مذہب میں اجتماعی روح کو ایک مقرر اور معزز مقام عطا کیا ہے مثلاً نماز ہے اس میں انفرادیت بھی ہے اور اجتماعیت بھی۔ لیکن اس میں جو جماعتی رنگ پایا جاتا ہے اُسے ایک خاص امتیاز حاصل ہے کیونکہ اسلام میں نماز باجماعت کو واجب قرار دیدیا گیا ہے اور سوائے معذوروں کے اسمیں سب کا آنا ضروری سمجھا گیا ہے۔

---

[۱]:- بقرہ: ۱۱۶

پھر اس کے ساتھ اسلام نے یہ ہدایت بھی دی ہے کہ اگر اپنے محلہ میں ہو تو اپنے محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنے کی کوشش کی جائے اس سے دوسرے ہمسایوں سے تعلق اور یکسانیت اور اجتماعیت کی روح کو فروغ حاصل ہوتا ہے۔ غرض اس طرح سے اسلام نے جماعت میں جو فوائد ہو سکتے ہیں ان کو مکمل کرنے کی کوشش کی ہے۔

روایات میں آتا ہے کہ ایک صحابی سے کسی نے کہا کہ چلو فلاں محلہ میں جا کر نماز پڑھیں اس صحابی نے کہا میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ اپنے محلہ کی مسجد میں نماز ادا کرنی چاہیئے اس لئے میں تو اپنے ہی محلہ کی مسجد میں نماز ادا کروں گا۔

پھر اسلامی نماز اتنے اوقات میں مقرر ہے کہ دوسرے مذاہب میں اس کی کوئی مثال نہیں مل سکتی مثلاً (۱) طلوع شمس سے پہلے نماز ہے (۲) زوال شمس کے بعد نماز ہے (۳) غروب شمس کے قریب نماز ہے (۴) غروب آفتاب کے بعد نماز ہے (۵) رات کو سونے سے پہلے نماز ہے اور یہ پانچ نمازیں فرض ہیں۔ یہ نہیں کہ ان کی ادائیگی کسی کی مرضی پر منحصر ہو۔ اسقدر عبادت اور پھر باجماعت عبادت اوروں میں کہاں پائی جاتی ہے؟

خلاصہ یہ کہ اسلام نے نماز کے لئے مختلف اوقات کا جو اصل قائم کیا ہے اور جس کے ذریعہ اسلام نے بکثرت قومی اجتماع کی صورت پیدا کی ہے اس کی دنیا میں اور کہیں مثال نہیں ملتی۔

پس اس لحاظ سے نماز ایک ایسی عبادت ہے جو دوسرے تمام مذاہب کی عبادتوں سے مختلف ہے اس میں اجتماعیت اور انفرادیت دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ نماز پڑھنے کے وقت مسلمان اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کی ثناء کرتے ہیں اور اس کے حضور میں دعائیں کرتے ہیں اور اپنی اصلاح اور روحانی ترقی اور اپنے دوستوں اور عزیزوں اور باقی سب دنیا کی جسمانی اور روحانی ترقی کے لئے اس کے سامنے درخواستیں پیش کرتے ہیں ان کی اس سادہ نماز کی شان یہ ہوتی ہے کہ نماز کے وقت میں کوئی مومن ادھر اُدھر نہیں دیکھ سکتا نہ نماز میں کسی اور سے بات کر سکتا ہے۔ مسجد میں نماز ادا کرتے وقت کسی قومی یا نسلی امتیاز کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور سب برابر ہیں۔ غریب اور امیر ایک صف میں کھڑے ہوتے ہیں۔ بادشاہ کے ساتھ اس کا خادم کھڑے ہونے کا حق رکھتا ہے اس کا کناس بھی اس کے ساتھ کھڑے ہونے کا حق رکھتا ہے۔ نماز کے وقت میں ایک جج اور ایک مجرم۔ ایک جرنیل اور ایک سپاہی پہلو بہ پہلو کھڑے ہوتے ہیں کوئی کسی کی طرف انگلی نہیں اُٹھا سکتا کوئی کسی کو اس کی جگہ سے پیچھے نہیں ہٹا سکتا مسجد میں ہر ایک برابر کا حقدار ہے اور مساوی درجہ رکھتا ہے۔ پس تمام کے تمام ایک ہی درجہ میں خاموشی سے خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو جاتے ہیں اور امام کے اشارے پر رکوع اور سجود اور قیام کے احکام بجالاتے ہیں۔ بعض اوقات امام قرآن شریف کی آیتیں بلند آواز سے پڑھتا ہے تاکہ ساری جماعت ایک خاص نصیحت لو

اپنے سامنے لے آئے۔ نماز کے بعض حصوں میں ہر شخص اپنے اپنے طور پر مقررہ دعائیں اور وہ دعائیں بھی جن کو وہ چاہتا ہے پڑھتا ہے[1]

پھر اسلام نے ایک اور حدبندی بھی توڑدی ہے۔ عیسائی نے اگر نماز پڑھنی ہو تو وہ گرجے میں جائیگا ہندو نے اگر نماز پڑھنی ہو تو وہ مندر میں جائیگا۔ سکھ نے اگر نماز پڑھنی ہو تو وہ گوردوارہ میں جائیگا لیکن رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

جُعِلَتْ لِیَ الارضُ مسجداً[2]

میرے لئے ساری زمین مسجد بنادی گئی ہے عیسائیوں میں صرف گرجوں میں عبادت ہوتی ہے ہندوؤں میں صرف مندروں میں عبادت ہوتی ہے مگر ساری زمین کے چپہ چپہ پر صرف مسلمانوں نے سجدہ کیا ہے۔ ہم جب پہاڑوں پر جاتے ہیں تو جان بوجھ کر مختلف جگہوں پر نماز پڑھتے ہیں تاکہ کوئی جگہ ایسی نہ رہ جائے جہاں خدا تعالیٰ کی عبادت نہ کی گئی ہو۔ دیکھو کتنی وسعت ہے جو اسلام میں پائی جاتی ہے۔ جہاں خدا تعالیٰ نے امامت میں ہر ایک کو حقدار بناکر انسانوں میں مساوات قائم کردی ہے وہاں جُعِلَتْ لِیَ الارضُ مسجداً" کہکر زمین کے چپہ چپہ میں مساوات قائم کردی۔ پھر ایک طرف جہاں جُعِلَتْ لِیَ الارضَ مَسْجداً" کہکر اُسنے ساری زمین کو مسجد میں تبدیل کردیا وہاں فرائض کے ساتھ نوافل ملاکر اُسنے ہر گھر کو مسجد بنا دیا کیونکہ نوافل کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند فرمایا ہے کہ وہ گھر میں پڑھے جائیں جیسے فرمایا لَاتَجْعَلُوا بُیُوتَکُمْ مَقَابِرَ[3] اپنے گھروں کو مقبرے نہ بناؤ یعنی جیسے مقابر پر نماز پڑھنی جائز نہیں اسی طرح تم گھروں کو بھی مت سمجھو بلکہ کچھ نمازیں گھر میں ادا کیا کرو۔ اس طرح خدا تعالیٰ نے زمین کے چپہ چپہ پر عبادت کے لئے راستہ کھول دیا۔

اسلامی نماز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے لقاء کا ایک ذریعہ بنایا ہے اللہ اکبر کہہ دینے کے بعد نماز پڑھنے والے گویا خدا تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو جاتے ہیں بلکہ وہ کلی طور پر عبادت میں محو ہو جاتے ہیں وہ کسی سے بات نہیں کرسکتے دوسرے کے سلام کا جواب بھی نہیں دے سکتے حتیٰ کہ باہر والے کا بھی حق نہیں ہوتا کہ وہ نمازی کی غلطی پر اس کو توجہ دلائے مثلاً کوئی نمازی ایک سجدہ زیادہ کردے یا کم کردے تو ایک ایسا آدمی جو نماز میں شامل نہیں اُسے اس غلطی پر آگاہ نہیں کرسکتا۔ گویا ایک مسلمان جب نماز پڑھتا ہے تو وہ خدا تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو جاتا ہے اور کسی باہر والے کا یہ حق نہیں رہتا کہ وہ اسکے کام میں دخل دے۔ ہاں وہ شخص غلطی نکال سکتا ہے جو اسکے ساتھ جماعت میں شامل ہو۔ اسی طرح وہ ادھر اُدھر جھانک بھی نہیں سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو نمازی ادھر اُدھر دیکھے گا خدا تعالیٰ اس کا سر گدھے کا سر بنادیگا۔ اس میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے انسان کی حماقت کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس میں کیا شبہ ہے کہ ایسا شخص اوّل درجہ کا احمق ہوتا ہے وہ نماز میں ادھر اُدھر کیوں دیکھتا ہے اسی لئے کہ اُسے کوئی

---

[1]:۔ دیباچہ تفسیر القرآن ؛ [2]:۔ بخاری کتاب التیمم ؛ [3]:۔ ترمذی باب ثواب القرآن ؛

عجیب چیز نظر آتی ہے مگر سوال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جیسی عجیب چیز اور کونسی ہے اور اگر وہ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر اور چیزوں کو دیکھتا ہے تو وہ یقیناً گدھا ہے اس کے سامنے خدا تعالیٰ جیسا حسین چہرہ ہے اور وہ دیکھ رہا ہے بلی یا چوہے کو۔ تو اس کے گدھا ہونے میں کیا شک ہے۔

غرض نماز میں کلی طور پر انقطاع الی اللہ ہوتا ہے اور نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہنے میں یہی حکمت ہے گویا تکبیر کہنے والا یہ اعلان کرتا ہے۔ اے میرے بھائیو اور اے میرے عزیزو اور رشتہ دارو! تم بھی مجھے عزیز ہو مگر تم سے زیادہ مجھے خدا تعالیٰ عزیز ہے وہ سب سے بڑا ہے میں اس کے سامنے جاتا ہوں اور تم سے قطع تعلق کرتا ہوں۔ جب نماز ختم ہوتی ہے تو وہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں اب واپس آگیا ہوں جیسے کوئی باہر سے آنے سے السلام علیکم کہتا ہے اسی طرح وہ بھی کہتا ہے میں باہر گیا ہوا تھا اب واپس آگیا ہوں۔ یہ کتنی خالص اور مکمل نماز ہے۔

اقامت الصلوٰۃ

اقامت کے معنے

نماز پڑھنے کے لئے قرآن کریم نے اقامت الصلوٰۃ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اقامت کے ایک معنے کسی بات پر قائم اور جمے رہنے کے ہیں اس لحاظ سے اقامت الصلوٰۃ کے معنے یہ ہوں گے کہ بلاناغہ باقاعدگی سے نماز ادا کی جائے اس میں غفلت اور لاپرواہی سے کام نہ لیا جائے کیونکہ نماز وہی ہے جو باقاعدگی سے پڑھی جائے۔

اقامت کے دوسرے معنے اعتدال اور درستی کے ہیں یعنی نماز ٹھیک ٹھیک پوری شرائط کو ملحوظ رکھکر بروقت ادا کی جائے کسی شرط یا رکن کو چھوڑنا نماز کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

اقامت کے تیسرے معنے کسی چیز کو رواج دینے اور اسے عام کرنے کے ہیں۔ اس لحاظ سے اقامۃ الصلوٰۃ کے یہ معنے ہوں گے کہ نماز نہ صرف خود پڑھی جائے بلکہ دوسروں میں بھی اس کو رواج دیا جائے اور ترغیب دلائی جائے کہ لوگ باقاعدگی سے نماز پڑھیں۔

گویا اللہ تعالیٰ مومنوں سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ لوگوں میں نماز قائم کریں۔ انہیں نماز پڑھنے کی تحریک کریں۔ اگر انہیں نماز پڑھنی نہیں آتی تو انہیں نماز پڑھنا سکھائیں اگر کوئی شخص نماز کا ترجمہ نہیں جانتا تو اسے نماز کا ترجمہ پڑھائیں۔ غرض ہر شخص نماز کی ترویج اور اس کو دنیا میں قائم کرنے میں مشغول ہو جائے۔ کوئی شخص نماز کی خوبیاں بیان کر رہا ہو۔ کوئی نماز کا ترجمہ پڑھا رہا ہو۔ کوئی شخص نمازیں ادا کرنے کیلئے لوگوں کو تحریک کر رہا ہو۔ کوئی شخص نماز پڑھنے والوں میں نماز کی مزید رغبت پیدا کر رہا ہو۔ اس طرح کوئی مومن

ایسا نہ ہو جو یقیمون الصلوٰۃ کے حکم پر عمل نہ کر رہا ہو۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارا صرف یہی کام نہیں کہ خود نمازیں پڑھو بلکہ تمہارا یہ بھی کام ہے کہ تم لوگوں کو نماز کی تحریک کرکے، اَن پڑھوں کو نماز کا ترجمہ سکھا کے اور نماز پڑھنے والوں کو نماز کی مزید رغبت دلا کے دنیا میں پوری مضبوطی کیساتھ نمازوں کا رواج قائم کر دو۔[1]

اقامت الصلوٰۃ کے چوتھے معنے یہ ہیں کہ نماز باجماعت ادا کی جائے۔ نماز باجماعت شروع ہونے سے پہلے جو اقامت کہی جاتی ہے اس میں انہی معنوں کی طرف اشارہ ہے گویا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تمہارا صرف یہی فرض نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو بلکہ یہ بھی فرض ہے کہ تم جماعت کے ساتھ نماز پڑھو مطلب یہ کہ ہم تمہیں صرف عبادت کا حکم نہیں دیتے بلکہ باجماعت عبادت کا حکم دیتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام فردی مذہب نہیں بلکہ قومی مذہب ہے۔ باقی سارے مذاہب میں اگر افراد الگ الگ عبادت کرتے ہیں تو وہ بڑے زاہد، بڑے عابد، بڑے پرہیزگار اور بڑے عارف سمجھے جاتے ہیں کہ یہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کا وصال حاصل ہے مگر اسلام کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص باجماعت نماز ادا نہیں کرتا تو خواہ وہ علیحدگی میں کتنی عبادتیں کرتا ہو وہ ہرگز نیک اور پارسا نہیں سمجھا جاسکتا اور اسے ہرگز قوم میں عزت کا مقام نہیں دیا جاسکتا۔ یہ ایک بہت بڑا فرق ہے جو اسلام اور غیر مذاہب میں پایا جاتا ہے۔

پس وہ لوگ جن کو دوسری قومیں محض علیحدگی میں عبادت کرنے کی وجہ سے بزرگ قرار دیتی ہیں۔ اسلام ان کو مرتد و مردُود قرار دیتا ہے۔ دنیا ان کو خدا رسیدہ سمجھتی ہے اور اسلام ان کو اللہ تعالیٰ کے قرب سے راندہ ہوا سمجھتا ہے کیونکہ اسلام کہتا ہے اقیموا الصلوٰۃ۔ ہم نے تمہیں صرف اتنا حکم نہیں دیا کہ تم نمازیں پڑھو بلکہ ہمارا حکم یہ ہے کہ تم لوگوں کے ساتھ مل کر نمازیں پڑھو اور اپنی ہی حالت کو درست نہ کرو بلکہ ساری قوم کو سہارا دیکر اس کی روحانیت کو بلند کرو اور قوم سے دور نہ بھاگو بلکہ اس کے ساتھ رہو اور ہوشیار چوکیدار کی طرح اس کے اخلاق اور روحانیت کا پہرہ دو۔"[2]

اقامت کے پانچویں معنے کسی چیز کو جو گرا چاہتی ہے کھڑا رکھنے اور اُسے گرنے نہ دینے کے ہیں یعنی نماز کو قائم رکھنے کی کوشش میں لگا رہنا چاہیئے اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان یکساں حالت میں نہیں رہتا بعض اوقات وہ نماز میں پریشان خیالی سے بھی دوچار ہو سکتا ہے لیکن اسے اس سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے اور نہ ہی اپنی نماز کو بے کار سمجھنا چاہیئے بلکہ درست طریق پر اداکرنے کی کوشش میں لگا رہنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے اسی قدر قربانی کی اُمید کرتا ہے جتنی قربانی اُن کے بس میں ہو۔ پس ایسے نمازی جن کے خیالات پراگندہ ہو جاتے ہیں اور نماز میں اپنی توجہ قائم نہیں رکھ

---

[1]: تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم ص ۳۸۵، ۳۸۶۔ [2]: تفسیر کبیر جلد ششم جزو چہارم حصہ دوم ص ۳۸۵۔

سکتے۔ اگر وہ اپنی نماز کو سنوار کر اور توجہ سے پڑھنے کی کوشش میں لگے رہیں تو چونکہ وہ اپنی نماز کو جب بھی وہ اپنے مقام سے گرے کھڑا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اسلئے اللہ تعالیٰ ان کی نماز کو ضائع نہیں کرے گا اور اُسے بے نتیجہ نہیں رہنے دے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"متقی خدا تعالیٰ سے ڈرا کرتا ہے اور وہ نماز کو قائم کرتا ہے اس حالت میں مختلف قسم کے وساوس اور خطرات بھی ہوتے ہیں جو پیدا ہو کر اسکے حضور میں حارج ہوتے ہیں اور نماز کو گرا دیتے ہیں لیکن یہ نفس کی اس کشاکش میں بھی نماز کو کھڑا کرتا ہے۔ کبھی نماز گرتی ہے مگر یہ پھر اُسے کھڑا کرتا ہے اور یہی حالت اس کی رہتی ہے کہ وہ تکلّف اور کوشش سے بار بار اپنی نماز کو کھڑا کرتا ہے یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس کلام کے ذریعہ ہدایت عطا کرتا ہے اس کی ہدایت کیا ہوتی ہے ؟ اس وقت بجائے یقیمون الصلوٰۃ کے ان کی یہ حالت ہو جاتی ہے کہ وہ اس کشمکش اور وساوس کی زندگی سے نکل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غیب کے ذریعہ سے انہیں وہ مقام عطا کرتا ہے جس کی نسبت فرمایا ہے کہ بعض آدمی ایسے کامل ہو جاتے ہیں کہ نماز ان کے لئے بمنزلہ غذا ہو جاتی ہے اور نماز میں ان کو وہ لذت اور ذوق عطا کیا جاتا ہے جیسے سخت پیاس کے وقت ٹھنڈا پانی پینے سے حاصل ہوتا ہے کیونکہ وہ نہایت رغبت سے اُسے پیتا ہے اور خوب سیر ہو کر حظ حاصل کرتا ہے یا سخت بھوک کی حالت ہو اور اُسے نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا خوش ذائقہ کھانا مل جاوے جس کو کھا کر وہ بہت ہی خوش ہوتا ہے یہی حالت نماز میں ہو جاتی ہے اور وہ نماز اس کے لئے ایک قسم کا نشہ ہو جاتی ہے جس کے بغیر وہ سخت کرب اور اضطراب محسوس کرتا ہے لیکن نماز کے ادا کرنے سے اسکے دل میں ایک خاص سرور اور ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے جس کو ہر شخص نہیں پا سکتا اور نہ الفاظ میں یہ لذت بیان ہو سکتی ہے اور انسان ترقی کر کے ایسی حالت میں پہنچ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اُسے ذاتی محبت ہو جاتی ہے اور اس کو نماز کے کھڑا کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی اس لئے کہ وہ نماز اس کی کھڑی ہی ہوتی ہے اور ہر وقت کھڑی ہی رہتی ہے اس میں ایک طبعی حالت پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے انسان کی مرضی خدا تعالیٰ کی مرضی کے موافق ہوتی ہے انسان پر ایسی حالت آتی ہے کہ اس کی محبت اللہ تعالیٰ سے محبت ذاتی کا رنگ رکھتی ہے اس میں کوئی تکلّف اور بناوٹ نہیں ہوتی جس طرح پر حیوانات اور دوسرے انسان اپنے ماکولات اور مشروبات اور دوسری شہوات میں لذت اُٹھاتے ہیں اس سے بہت بڑھ چڑھ کر وہ مومن متقی نماز میں لذت پاتا ہے۔

نماز ساری ترقیوں کی جڑ اور زینہ ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے اس دنیا میں ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ، راستباز، ابدال، قطب گذرے ہیں انہوں نے یہ مدارج اور مراتب کیونکر حاصل کئے؟ اسی نماز کے ذریعہ سے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ[1] یعنی میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے اور فی الحقیقت جب انسان اس مقام اور درجہ پر پہنچتا ہے تو اس کے لئے اکمل اتم لذت نماز ہی ہوتی ہے اور یہی معنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے ہیں۔ پس کشاکش نفس سے انسان نجات پاکر اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتا ہے۔

غرض یاد رکھو کہ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وہ ابتدائی درجہ اور مرحلہ ہے جہاں نماز بے ذوقی اور کشاکشی سے ادا کرتا ہے لیکن اس کتاب (یعنی قرآن کریم) کی ہدایت ایسے آدمی کے لئے یہ ہے کہ اس مرحلہ سے نجات پاکر اس مقام پر جا پہنچتا ہے جہاں نماز اس کے لئے قرة العین ہو جاوے۔"[2]

صلوٰۃ کے معنے

صلوٰۃ کے معنے حرکت کرنے اور کولہے کو ہلانے کے ہیں اس لحاظ سے نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہا گیا ہے کہ نماز بھی انسان کو مستعد اور فرض شناس بناتی ہے سست اور بے کار بیٹھنے نہیں دیتی۔ نماز پڑھنے والا انسان اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرنے کے لئے ہمیشہ مستعد اور تیار رہتا ہے کسل مندی اور سستی سے اُسے نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔

صلوٰۃ صَلَیٌ سے ہے اس کے معنے جلنے اور بھوننے کے ہیں ان معنوں کے لحاظ سے نماز کو صلوٰۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ محبت الٰہی کو حرارت حاصل ہوتی ہے بلکہ صوفیاء نے تو کہا ہے کہ جس طرح کباب بھونا جاتا ہے اسی طرح نماز میں بھی سوزش محبت لازم ہے جب تک دل بریاں نہ ہو نماز میں لذت اور سرور پیدا نہیں ہوتا۔

صلوٰۃ کے ایک معنے والہانہ دعا اور پکار کے ہیں اور نماز کا مغز اور اس کی روح بھی دعا ہے یعنی نماز میں انسان اللہ تعالیٰ کی محبت کا سوالی بن کر اس کے دربار میں جاتا ہے اس لئے نماز کو صلوٰۃ یعنی دعائے مجسم کہا گیا ہے[3] چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"ایک مرتبہ میں نے خیال کیا کہ صلوٰۃ میں اور دعا میں کیا فرق ہے حدیث میں آیا ہے کہ اَلصَّلٰوةُ هِيَ الدُّعَاءُ اَلصَّلٰوةُ مُخُّ الْعِبَادَةِ یعنی نماز ہی دعا ہے۔ نماز عبادت کا مغز ہے۔ جب انسان کی دعا محض دنیوی امور کے لئے ہو تو اس کا نام صلوٰۃ نہیں لیکن جب انسان خدا کو ملنا چاہتا ہے اور اس کی رضا کو مدنظر رکھتا ہے اور ادب، انکسار، تواضع اور نہایت محویت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں کھڑا ہو کر اس کی رضا کا طالب ہوتا ہے تب وہ صلوٰۃ

---

[1] نسائی باب النساء: ۱ [2] ملفوظات جلد ہشتم صفحہ ۳۰۹-۳۱۰ [3] المفردات زیر لفظ صلا

میں ہوتا ہے۔ اصل حقیقت دُعا کی وہ ہے جس کے ذریعہ سے خُدا اور انسان کے درمیان رابطہ تعلق بڑھے۔ یہی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے اور انسان کو نامعقول باتوں سے ہٹاتی ہے اصل بات یہی ہے کہ انسان رضائے الٰہی کو حاصل کرے اسکے بعد روا ہے کہ انسان اپنی دنیوی ضروریات کے واسطے بھی دُعا کرے یہ اس واسطے روا رکھا گیا ہے کہ دنیوی مشکلات بعض دفعہ دینی معاملات میں حارج ہو جاتے ہیں خاص کر خامی اور کچ پنے کے زمانہ میں یہ امور ٹھوکر کا موجب بن جاتے ہیں۔ صلوٰۃ کا لفظ پُرسوز معنے پر دلالت کرتا ہے جیسے آگ سے سوزش پیدا ہوتی ہے ویسی ہی گدازش دعا میں پیدا ہونی چاہیئے۔ جب ایسی حالت کو پہنچ جائے جیسے موت کی حالت ہے تب اُس کا نام صلوٰۃ ہے۔" ؎۱

نماز اور دُعا نماز کے ذریعہ اسلام نے دُعا کا راستہ کھولا ہے۔ دعا نماز کا اہم حصہ ہے کیونکہ دعا ہی کے ذریعہ دُنیا کی کل حکمتیں ظاہر ہوتی ہیں ہر ایک بیت العلم کی کنجی دُعا ہے اور کوئی علم و معرفت کا دقیقہ نہیں جو بغیر اسکے ظہور میں آیا ہو۔ دُعا کیا ہے؟ جب ہم فکر و غور کے وقت ایک مخفی امر کی تلاش میں نہایت عمیق دریا میں اُتر کر ہاتھ پاؤں مارتے ہیں تو ہم اس حالت میں بزبان حال اس اعلیٰ طاقت سے فیض طلب کرتے ہیں جس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اس طلبِ فیضان کا دوسرا نام دُعا ہے۔

جب ہماری روح ایک چیز کی طلب میں بڑی سرگرمی اور سوز و گداز کے ساتھ مبداء فیض کی طرف ہاتھ پھیلاتی ہے اور اپنے تئیں عاجز پاکر فکر کے ذریعہ کسی اور جگہ روشنی ڈھونڈتی ہے تو درحقیقت وہ دُعا سے ہی کام لے رہی ہوتی ہے۔ دُعا کرنے سے کیا مطلب ہوتا ہے؟ یہی کہ عالم الغیب جس کو دقیق در دقیق تدبیریں معلوم ہیں کوئی احسن تدبیر دل میں ڈال دے یا بوجہ خالقیت اور قدرت اپنی طرف سے پیدا کرے۔ پس ثابت ہوا کہ دُعا درحقیقت تلاشِ تدبیر کا نام ہے۔

دُعا اور تدابیر انسانی طبیعت کے دو طبعی تقاضے ہیں جو قدیم سے اور جب سے کہ انسان پیدا ہوا ہے دو حقیقی بھائیوں کی طرح انسانی فطرت کے خادم چلے آتے ہیں۔ انسانی طبائع کسی مصیبت کے وقت جس طرح تدابیر اور علاج کی طرف مشغول ہوتی ہیں ایسا ہی طبعی جوش سے دُعا صدقہ اور خیرات کی طرف جھک جاتی ہیں۔ اگر دُنیا کی تمام قوموں پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اب تک کسی قوم کا کانشنس اس متفق علیہ مسئلہ کے برخلاف ظاہر نہیں ہوا پس یہ ایک روحانی

؎۱ :۔ ملفوظات جلد ہفتم صفحہ ۳۶۸ ؎

دلیل اس بات پر ہے کہ انسان کی شریعت باطنی نے قدیم سے تمام قوموں کو یہی فتویٰ دیا ہے کہ وہ دُعا کو اسباب اور تدابیر سے الگ نہ کریں کیونکہ دُعا تدبیر کے لئے بطور محرک اور جاذب کے ہے اور تدبیر دُعا کے لئے بطور ایک نتیجہ ضروریہ کے ہے پس دُعا سے اصل مطلب تدبیر کا پانا۔ اطمینان، تسلی اور حقیقی خوشحالی کا حاصل کرنا ہے اور جو شخص رُوح کی سچائی سے دُعا کرتا ہے ممکن نہیں کہ حقیقی طور پر وہ نامراد رہ سکے۔ البتہ یہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ایک دعا کرنے والے شخص کی حقیقی خوشحالی کس امر میں ہے۔ یہ چیز خُدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس پیرایہ میں چاہے وہ عنایت فرمائے۔ اگر ہم اس خطا کار بچہ کی طرح جو اپنی ماں سے سانپ یا آگ کا ٹکڑا مانگتا ہے اپنی دعا اور طلب میں غلطی پر ہوں تو خدا تعالیٰ وہ چیز جو ہمارے لئے بہتر ہو عطا کرتا ہے اور اگر ہم اپنے مقصد کی طلب میں غلطی پر نہ ہوں تو وہی مقصد بر آتا ہے اور بایں ہمہ دونوں صورتوں میں ہمارے ایمان کو بھی وہ ترقی دیتا ہے کیونکہ دعا اور استجابت میں ایک رشتہ ہے کہ ابتداء سے اور جب سے انسان پیدا ہوا ہے برابر چلا آتا ہے۔ جب خدا تعالیٰ کا ارادہ کسی بات کے کرنے کا ہوتا ہے تو سنت اللہ یہ ہے کہ اس کا کوئی مخلص بندہ اضطراب اور کرب اور قلق کے ساتھ دُعا کرنے میں مشغول ہو جاتا ہے اور اپنی تمام توجہ اس امر کے ہو جانے کے لئے کرتا ہے تب اس مردِ فانی کی دعائیں فیض الٰہی کو آسمان سے کھینچتی ہیں اور خدا تعالیٰ ایسے نئے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن سے کام بن جاتا ہے۔ ایسی دعا کرنے والوں کے لئے آسمان زمین کے نزدیک آجاتا ہے اور دُعا قبول ہو کر مشکل کشائی کے لئے نئے اسباب پیدا کئے جاتے ہیں اور ان کا علم پیش از وقت دیا جاتا ہے اور کم از کم یہ کہ میخ آہنی کی طرح قبولیت دُعا کا یقین غیب سے دل میں بیٹھ جاتا ہے۔ سچ یہی ہے کہ اگر دُعا نہ ہوتی تو کوئی انسان خدا شناسی کے بارہ میں حق الیقین تک نہ پہنچ سکتا۔ حقیقت یہی ہے کہ کوئی انسان بغیر ان قدرتی نشانوں کے ظاہر ہونے کے جو دُعا کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اس سچے ذوالجلال خدا کو پا ہی نہیں سکتا۔ ہر ایک یقین کا بھوکا اور پیاسا یاد رکھے کہ اس زندگی میں روحانی روشنی کے طالب کے لئے صرف دُعا ہی ایک ذریعہ ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی پر یقین بخشتا ہے اور تمام شکوک و شبہات دُور کر دیتا ہے۔ ہر ایک دُعا اگرچہ وہ ہماری دنیوی مشکل کشائی کے لئے ہو مگر وہ ہماری ایمانی حالت اور عرفانی تربیت پر گذر کر آتی ہے۔ یعنی اوّل ہمیں ایمان اور عرفان میں ترقی بخشتی ہے اور ایک پاک سکینت اور انشراح صدر اور اطمینان عطا کرتی ہے پھر ہماری دنیوی مکروہات پر اپنا اثر ڈالتی ہے اور جس پہلو سے مناسب ہے اس پہلو سے ہمارے غم کو دُور کر دیتی ہے۔ پس دعا اس حالت میں دُعا کہلا سکتی ہے کہ جب درحقیقت

اُس میں ایک قوتِ کشش ہو اور واقعی طور پر دُعا کرنے کے بعد آسمان سے ایک نُور اترے جو ہماری گھبراہٹ کو دُور کرے اور ہمیں انشراح بخشے اور سکینت اور اطمینان عطا کرے۔ سچی دُعا کے بعد خُدائے حکیم دو طور پر نصرت اور امداد کو نازل کرتا ہے۔ ایک یہ کہ اس بلا کو دُور کر دیتا ہے جس کے نیچے دب کر ہم مرنے کو تیار ہیں۔ دوسرے یہ کہ بُلا کی برداشت کیلئے ہمیں نہ صرف فوق العادت قوت عنایت کرتا ہے بلکہ اس میں نصرت اور انشراح بخشتا ہے[1]۔"

نماز میں بے ذوقی کا علاج بھی دُعا ہے اسی سے آخر کار ذوق پیدا ہو جائیگا دعائیں دو قسم کی ہوتی ہیں مقررہ اور مخصوصہ مقررہ دعاؤں سے مراد اعلیٰ درجہ کی اہم دعائیں ہیں جن کو ممکن تھا ہم دُعا کرتے وقت چھوڑ دیتے۔ یا وہ ہمارے ذہن میں نہ آتیں سو وہ اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول نے قرآن و حدیث میں خود مقرر کر دیں مثلاً الحمد للہ سے ضالین تک جو دُعا ہے وہ ہمارے ذہن میں نہ آسکتی تھی یا سمع اللہ لمن حمد۔ ربنا ولک الحمد وغیرہ کلمات ہیں یہ سب ہمارے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے تھے سو ان کو خُدا اور اس کے رسُول نے خود مقرر کر دیا۔

مخصوصہ وہ دعائیں ہیں جو ہم اپنی ضرورتوں کے لئے اپنی زبان میں کر سکتے ہیں مثلاً اگر ہمارا مالی نقصان ہو جائے ملازمت میں خرابی واقع ہو جائے تجارت میں ترقی نہ ہو یا کوئی اور ضرورت درپیش ہو تو اس کے لئے اپنی زبان میں اور اپنی ضروریات کے مطابق دعائیں مانگنے کی اجازت ہے۔

نماز میں ذکر و دُعا کی ہدایت فرما کر اللہ تعالیٰ نے صفات الٰہیہ پر غور کرنیکا راستہ کھول دیا ہے مسلمان اپنی نماز میں روزانہ قرآن کریم پڑھتا ہے دعائیں کرتا ہے رکوع و سجود میں دعائیں کرتا ہے سورۃ فاتحہ کے کلماتِ طیبات ربّ العالمین۔ الرحمٰن الرحیم۔ مالک یوم الدین۔ ایاکَ نعبدُ و ایاکَ نستعین اس کے سامنے آتے رہتے ہیں اور وہ اُن پر غور کرتا ہے۔

غرض اسلام نے ہر مسلمان کو یہ حکم دیا کہ وہ یہ دُعا خود پڑھے اور غور و فکر سے پڑھے۔ پس اس طرح سے اُس نے ہر ایک کے لئے صفات الٰہیہ پر غور و فکر کا راستہ کھول دیا ہے۔

قبولیتِ دُعا کی عظمت پر ایک فعلی شہادت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"وہ جو عرب کے بیابان ملک میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پُشتوں کے بگڑے ہوئے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا۔ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بے کس سے

[1]:۔ برکات الدعا ملخصاً۔

محالات کی طرح نظر آتی تھیں۔ اللھم صل وسلم وبارک علیہ وآلہ بعدد ھمہ وغمہ وحزنہ لھٰذہ الامۃ وانزل علیہ انوار رحمتک الی الابد۔ [1]

نماز اور ذکر الٰہی نماز ذکر الٰہی کا مجموعہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر ایسی چیز ہے جو قلوب کو اطمینان عطا کرتا ہے جیسا کہ فرمایا اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ [2]۔ پس جہاں تک ممکن ہو نماز میں ذکر الٰہی کیا جائے اسی سے اطمینان حاصل ہوگا ہاں اس کے واسطے صبر اور محنت درکار ہے۔ اگر انسان گھبرا جاتا ہے اور تھک جاتا ہے تو پھر یہ اطمینان نصیب نہیں ہوسکتا۔ دیکھو ایک کسان کس طرح پر محنت کرتا ہے اور پھر کس صبر اور حوصلہ کے ساتھ باہر اتنا غلہ بکھیر آتا ہے بظاہر دیکھنے والے یہی کہتے ہیں کہ اس نے دانے ضائع کر دیئے لیکن ایک وقت آجاتا ہے کہ وہ ان بکھرے دانوں سے ایک خرمن جمع کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ پر حسن ظن رکھتا ہے اور صبر کرتا ہے۔ اسی طرح مومن جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک تعلق پیدا کر کے اس کی یاد میں استقامت اور صبر کا نمونہ دکھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس پر مہربانی کرتا ہے اور اُسے وہ ذوق و شوق اور علم و معرفت عطا کرتا ہے جس کا وہ طالب ہوتا ہے یہ بڑی غلطی ہے کہ جو لوگ کوشش اور سعی تو کرتے نہیں اور پھر چاہتے ہیں کہ ہمیں ذوق و شوق اور علم و معرفت اور سکینت و اطمینان قلب حاصل ہو جبکہ دنیوی اور سفلی امور کے لئے محنت اور صبر کی ضرورت ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کو پھونک مار کر وہ کیسے پا سکتے ہیں۔ پس خدایابی اور خداشناسی کے لئے ضروری امر یہی ہے کہ انسان دعاؤں میں لگا رہے۔ زنانہ حالت اور بزدلی سے کچھ نہیں ہوگا۔ اس راہ میں مردانہ وار قدم اٹھانا چاہیئے اور ہر قسم کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ خدا تعالیٰ کو مقدم کرے اور گھبرائے نہیں۔ پھر اُمید کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل دستگیری کرے گا اور اطمینان عطا فرمائے گا۔

ذکر کا عام تعلق غیر معین عبادت سے ہے۔ یہ عبادت غیر معین صورت میں اس لئے رکھی کہ معین صورت کی نماز تو ہر وقت ادا نہیں ہوسکتی لیکن غیر معین صورت کی نماز یعنی عبادت ہر وقت ادا کی جاسکتی ہے۔ سوتے جاگتے۔ چلتے پھرتے ہر حالت میں ذکر ہو جاتا ہے۔ کسی شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ اگر ہم عبادت ہی کرتے رہیں تو ہم کام کیسے کریں؟ انہوں نے فرمایا "دست در کار دل بایار" اپنے کاموں کو بھی کرتے جاؤ اور ذکر الٰہی بھی کرتے رہو۔ پیشے کرو، تجارتیں کرو۔ دوسرے دنیوی کاروبار غرض ہر پیشے والا تسبیح کو بھی جاری رکھ سکتا ہے اور اپنا کام بھی کر سکتا ہے لیکن نمازیں ہر وقت نہیں پڑھی جاسکتیں۔ ہم کھڑے ہوں تب بھی سبحان اللہ کہہ سکتے ہیں۔ تیر رہے ہوں تب بھی

---

[1]: برکات الدعا صفحہ ۱۱۔ روحانی خزائن جلد ۶ ❊ [2]: الرعد: ۲۹ ❊

سُبحان اللہ کہہ سکتے ہیں۔ بندوق نشانہ کر رہے ہوں تب بھی سُبحان اللہ کہہ سکتے ہیں ، موٹر چلا رہے ہوں تب بھی سُبحان اللہ کہہ سکتے ہیں ۔ مگر اس قسم کا ذکر اسلام کے علاوہ اور کسی مذہب میں نہیں ۔ ہندو کو کہو کہ وہ اپنی کتاب سے نکالے ۔ زردشتی کو کہو کہ وہ اپنی کتاب سے نکالے ۔ اس قسم کے ذکر کا دوسرے مذاہب میں کہیں نام و نشان بھی نہیں ملے گا ۔ غرض خدا تعالیٰ نے اس طرح عبادت کے راستے کھول دئے ہیں کہ اگر کوئی دیانتدار ہو تو وہ مجبور ہے کہ ذکر الٰہی کرے ۔

(۱)

سب سے بڑا ذکر تو "بسم اللہ" ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب کوئی کام کرو تو اس کے شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا کرو ۔ بسم اللہ کے بغیر وہ کام بے برکت ہو جائے گا انسان کپڑے پہنے تو بسم اللہ کہے ۔ جوتی پہنے تو بسم اللہ کہے ۔ پانی پئے تو بسم اللہ کہے ، برتن مانجے تو بسم اللہ کہے ۔ جانور ذبح کرے تو بسم اللہ کہے ۔ گوشت پکائے تو بسم اللہ کہے ۔ غرض ہر کام شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ کہے ۔ بسم اللہ میں اس طرف اشارہ ہوتا ہے کہ دنیا میں جس قدر چیزیں پائی جاتی ہیں یہ سب کی سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور میں اس کی اجازت کے ماتحت ان کو اپنے استعمال میں لا رہا ہوں ۔ مثلاً جانور ذبح کرنے وقت جب وہ بسم اللہ کہتا ہے تو اس کے معنے یہ ہوتے ہیں کہ یہ جانور میں نے کسی سے چھینا نہیں اللہ تعالیٰ اس کا مالک ہے اس نے مجھے کہا ہے کھاؤ اس لئے میں اسے ذبح کرتا ہوں پھر مرچ ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کی دی ہوئی ہے کوئلہ ہے وہ بھی خدا تعالیٰ کا دیا ہوا ہے برتن ہیں وہ بھی خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے ہیں میں تو مستعار طور پر اس کی ملکیتی چیزوں سے فائدہ اُٹھا رہا ہوں ۔

(۲)

دوسرا ذکر الحمد للہ ہے جو ہر کام کے ختم ہونے پر کیا جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔ وآخر دعوٰھم ان الحمد للہ رب العالمین[۱] ۔ مومنوں کا آخری قول یہی ہوتا ہے کہ سب تعریفیں اُس خُدا کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا ربّ ہے ۔

(۳)

تیسرا ذکر سُبحان اللہ ہے جو ہر تعجب انگیز اور بڑے کام پر کہا جاتا ہے اگر اس پر بھی غور کیا جائے تو یہ ذکر اپنے اندر بڑی حکمتیں رکھتا ہے ۔

(۴)

پھر مصیبت کے اوقات کیلئے اسلام نے یہ ذکر سکھایا ہے کہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" کہو جس کے

---

[۱] :- یونس ع ؏ ÷

معنے یہ ہیں کہ ہم اسی کے ہیں اور بالآخر ہم نے بھی اسی کی طرف جانا ہے اگر کوئی عزیز مجھے مل گیا تھا تو یہ خدا کی طرف سے ملا تھا اور اب جبکہ اُسنے واپس لے لیا ہے تو میرے لئے غم کی کونسی بات ہے پھر اگر کوئی گلاس ٹوٹ گیا تو کہدیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن ۔ یہ گلاس بھی آخر خدا تعالیٰ ہی نے دیا تھا ہم نے بھی اسی کے پاس جانا ہے وہاں اور گلاس مل جائیں گے ۔ غرض ہر نقصان کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡن کہنا انسانی فطرت کو زنگ سے صاف کردیتا ہے ۔

(۵)

پھر اگر کوئی مکروہ بات یا مکروہ نظارہ پیش آجائے تو اس موقع کو اسلام نے ذکر کے بغیر نہیں چھوڑا بلکہ ہدایت دی کہ جب کوئی مکروہ چیز دیکھو تو لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہو یعنی ہر مصیبت سے بچنے کی اور ہر بھلائی کو حاصل کرنے کی طاقت اللہ تعالیٰ کے سوا اور کہیں نہیں ملتی ۔

(۶)

پھر انسان کے اندر گناہ کی کوئی تحریک پیدا ہو تو ایسے موقعہ پر استغفر اللہ کا ذکر رکھدیا یعنی مَیں شیطانی حملوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں ۔

(۷)

پھر اعوذ باللہ کا ایک ذکر ہے جو ہر ایسے اہم کام کے شروع کرنے پر کیا جاتا ہے جس کے راستے میں شیطانی روکوں کا امکان ہو مثلاً قرآن کریم پڑھنا ایک اہم کام ہے اور چونکہ شیطان اس میں روکیں پیدا کرتا ہے اس لئے فرمایا فَاِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ[1]

(۸)

اسکے علاوہ انسان سونے لگے تب بھی ذکر موجود ہے ۔ چنانچہ ہدایت ہے کہ آیت الکرسی اور تینوں قُل پڑھو اور اپنے سینے پر پھونک لو ۔

(۹)

آنکھ کھلے تب بھی ذکر موجود ہے ۔ الحمد للہ الذی احیانا بعد ما اماتنا والیہ النشور ۔

(۱۰)

اسی طرح بیماری کے وقت بھی ذکر موجود ہے اور شفا ہونے پر بھی ذکر الٰہی موجود ہے ۔

(۱۱)

پاخانہ جانا بظاہر کتنا گندا فعل ہے ۔ مگر وہاں بھی مناسب حال ذکر موجود ہے ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ

---

[1] : نحل ع ۱۳ ؛

اعوذبک من الخُبُث والخبائث ۔

(۱۲)

پھر غسل کرنے لگو تب بھی ذکر موجود ہے ۔

(۱۳)

میاں بیوی کے مخصوص تعلقات کو لو تو اس موقعہ پر بھی ہمارے کوثر والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا ہے کہ جب تم آپس میں ملنے لگو تو خدا تعالیٰ کا پہلے ذکر کرو یعنی اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا مِنَ الشیطٰن و جنّبِ الشیطٰن مَا رَزَقْتَنَا پڑھ لیا کرو ۔

غرض انسانی زندگی کا کوئی حصہ بھی ایسا نہیں خواہ وہ جذبات کے اظہار کا ہی ہو جہاں کوئی نہ کوئی ذکر موجود نہ ہو ۔

نماز اور زبانی ذکر و دُعا کے علاوہ اسلام نے اصلاح نفس اور حصول معرفت کے بعض اور طریق بھی بتائے ہیں جن کی مختصر تشریح درج ذیل ہے :۔

۱ ۔ **تفکر** :۔ یہ خدا تعالیٰ کی ہستی تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے اس کے معنے ہیں ذہنی اور فلسفیانہ الجھنوں پر غور کرنا ۔

۲ ۔ **تشکر** :۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ان شکرتم لازیدنکم[۱] ۔ جذبہ شکر تفکر کو مدد دیتا ہے اور قرب الٰہی کی راہیں انسان پر کھلنے لگ جاتی ہیں ۔

۳ ۔ **تذکر** :۔ تذکر اور تفکر میں فرق ہے ۔ تفکر کسی ذہنی مسئلہ پر غور کرنے کو کہتے ہیں اور تذکر کسی پچھلے واقعہ کو یاد کر کے نتیجہ نکالنے کو کہتے ہیں جس کو عبرت بھی کہتے ہیں ۔ یہ بھی دل کی صفائی کا ایک بھاری ذریعہ ہے ۔

۴ ۔ **شعور** :۔ انسان کی فطرت میں جو جذبات ہیں اُن پر غور کر کے انہیں باہر نکالنا شعور کہلاتا ہے فطرت میں بہت سے احساسات اور جذبات پائے جاتے ہیں اگر ہم ان کو ابھاریں تو وہ بڑی ترقی کا موجب ہو سکتے ہیں ۔

۵ ۔ **علم** :۔ یہ جگ بیتی کا نام ہے تذکر آپ بیتی کو کہتے ہیں اور علم جگ بیتی کو ۔ کہانیوں میں بھی آتا ہے ۔ آپ بیتی کہوں یا جگ بیتی اگر یہ علم ہو جائے کہ فلاں آدمی نے یہ یہ اعمال کئے تھے جن سے خرابیاں پیدا ہوئیں تو بہت کچھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے ۔

۶ ۔ **فقہ** :۔ فقہ کا جذبہ بھی انسان کو نیکی کی طرف لے جاتا ہے ۔ قرآن کریم میں آتا ہے ولٰکن لا تفقھون[۲]

---

[۱] :۔ ابراہیم رکوع ۱ ۔ [۲] :۔ بنی اسرائیل : ۴۵

فقہ ہر اس مسئلہ علمیہ کو کہتے ہیں جو ظاہر پر دلالت کرے اور اس کے ساتھ ہم اس کے باطنی اثرات کو سوچیں۔ فکر مسئلہ فلسفہ کے لئے آتا ہے اور فقہ مسئلہ علمیہ کے لئے۔

۷۔ عقل:۔ اس سے بھی اگر صحیح کام لیا جائے تو انسان کے اندر ایک ایسا جذبہ پیدا ہوتا ہے جو اُسے بُرے اور بھلے کی تمیز کروا دیتا ہے اور برائیوں سے روک دیتا ہے جیسے موٹر کی بریک ہوتی ہے عقل بھی انسانی دماغ کی بریک ہے۔

۸۔ البصار:۔ قرآن کریم میں آتا ہے۔ افلا تبصرون[1] اس کے معنے ہیں روحانی آنکھ سے دیکھنا اس سے بھی بڑی بڑی باتیں نکلتی ہیں جن سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے۔

۹، ۱۰۔ رویت و نظر:۔ یہ دونوں قریب المعنے الفاظ ہیں لیکن ان میں فرق بھی ہے۔ جہانتک ظاہر معنوں کا سوال ہے یہ آپس میں مشترک ہیں اور دیکھنے کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ رویت اس دیکھنے کو کہتے ہیں جن کے ساتھ شعور قلبی شامل ہو اور نظر اُس دیکھنے کو کہتے ہیں جس کے ساتھ قوّتِ فکریہ شامل ہو۔

غرض تفکر۔ تشکر۔ تذکر۔ شعور۔ عقل و دانش۔ رویت اور نظر یہ اس اسلامی عبادت کے حِصّے ہیں جنہیں قرآن کریم نے الگ الگ موقعوں پر بیان کیا ہے دنیا کا اور کوئی مذہب نہیں جس میں اس عبادت کا ایک حصہ بھی بیان ہوا ہو؛

خُلاصہ

یاد رکھو حقیقی نماز وہی ہے جس کے اثرات و برکات نماز پڑھنے والا خود مشاہدہ کرے اور اپنی ذات میں ایک پاک تبدیلی محسوس کرے۔

نماز بدیوں اور ناپسندیدہ باتوں سے روکتی ہے۔ یہ برائیوں سے بچنے کا قلعہ ہے خواہشات نفسانیہ کی محافظ۔ دل کی غفلت اور شوخی نفس امارہ کا عمدہ اور کارگر علاج ہے۔ تزکیہ نفس اور اصلاح احوال کا موجب ہے۔

نماز وقت ضائع کرنے کی عادت سے بچاتی اور وقت کی قدر و قیمت کا شعور پیدا کرتی ہے۔ نماز سے باقاعدگی اور مستعدی پیدا ہوتی ہے اور انسان کی عادات و خصائل اور اس کے دنیوی کام کاج میں ایک خاص قسم کا نظم اور اعتدال پیدا ہوتا ہے۔ صبر و استقامت عزم و استقلال اور مصائب و مشکلات کے حل کی توفیق ملتی ہے۔

نماز سے انکساری و خاکساری۔ تواضع و بردباری خشوع طبیعت خضوع جوارح اور حضور نفس کی نعمت عطا ہوتی ہے۔

---

[1]:۔ قصص ع ، زخرف ع ؛

نماز سے باہمی تعاون۔ اجتماعی اور قومی ضرورتوں کا احساس ترقی کرتا ہے اس کے ذریعہ جماعتی قوت و عظمت اور قومی شان و شوکت کی معنوی استعداد نشوونما پاتی ہے۔ نماز سے مساوات پیدا ہوتی اور باہمی ہمدردی کا جذبہ بڑھتا ہے۔

نماز میں تلاوت قرآن کریم کا موقعہ میسّر آتا ہے جو حلاوت ایمانی کا باعث بنتا ہے۔ نماز کے ذریعہ یادِالٰہی اور ذکر و فکر کی عادت پیدا ہوتی ہے۔ یہ حمد و ثنا تسبیح و تحمید اور اللہ تعالیٰ کی گوناگوں نعمتوں پر اظہارِ تشکر کا ذریعہ ہے۔

نماز میں دُعائے مستجاب کے مواقع بکثرت میسّر آتے ہیں خصوصًا سجدہ قرب مقام اور دُعا کے لئے موزوں تر حالت ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجدٌ۔[1] میں اسی طرف اشارہ ہے۔

نماز سے انسانی دل کو طراوت اور عقل کو جِلا ملتی ہے۔ نورِ بصیرت بڑھتا ہے اور اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ نماز سے حرارت ایمانی بڑھتی ہے اور محبت الٰہی جوش مارتی ہے۔

نماز روحانیت کا سرچشمہ۔ ہدایت کا منبع۔ معرفت الٰہیہ کا ذریعہ اور برکات سماویہ اور انوار روحانیہ کا مہبط ہے۔

نماز کامیابی کی کلید۔ تنگی اور آشفتہ حالی کا مداوا۔ حزن و ملال کا تریاق اور یاس و حسرت میں مسرت و شادمانی کا مژدہ جانفزا ہے مضطرب و مضطر۔ محزون و مدیون۔ مجبور و معذور اور مظلوم و مہجور کے دل کو حقیقی راحت اور دردمندانہ اور متضرعانہ دعاؤں کی قبولیت کا ذریعہ ہے۔ غرض ایک مومن کے سبھی کام نماز اور دُعا سے ہی بنتے اور سنورتے ہیں۔

نماز انسان کو روحانیت کے اعلیٰ معراج تک پہنچا دیتی ہے۔ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوٰۃ معراج المؤمن[2] اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔

نماز سے انسان پر رویائے صالحہ۔ الہامات و مکاشفات اور مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کے دروازے کھلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑھتا ہے۔ یہاں تک کہ تبتّل تام ہو کر انسان خدا کا ہو جاتا ہے۔ اور خدا میں جا ملتا ہے[3]

نماز میں طریق حصول حضور

سوال:۔ کبھی نماز میں لذت آتی ہے اور کبھی لذّت جاتی رہتی ہے۔ اس کا کیا علاج ہے؟

---

[1]:۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب ما یقال فی الرکوع؛ [2]:۔ تفسیر کبیر رازی صفحہ ۲ جلد اوّل؛ [3]:۔ ملفوظات ص ۲۳۲ ج ۱؛

جواب :۔ "ہمت نہیں ہارنی چاہیئے بلکہ اس لذت کے کھوئے جانے کو محسوس کرنے اور پھر اس کو حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیئے جیسے چور مال اڑا کر لے جاوے تو اس کا افسوس ہوتا ہے اور پھر انسان کوشش کرتا ہے کہ آئندہ کو اس خطرہ سے محفوظ رہے اس لئے معمول سے زیادہ ہوشیاری اور مستعدی سے کام لیتا ہے اسی طرح پر جو خبیث نماز کے ذوق اور انس کو لے گیا ہے تو اس سے کس قدر ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے اور کیوں نہ اس پر افسوس کیا جائے۔ انسان جب یہ حالت دیکھے کہ اس کا انس و ذوق جاتا رہا تو وہ بے فکر اور بےغم نہ ہو نماز میں بے ذوقی کا ہونا ایک سارق کی چوری اور روحانی بیماری ہے۔ جیسے ایک مریض کے منہ کا ذائقہ بدل جاتا ہے تو وہ فی الفور علاج کی فکر کرتا ہے۔ اسی طرح پر جس کا روحانی مذاق بگڑ جاوے اس کو بہت جلد اصلاح کی فکر کرنی لازم ہے"۔ [۱]

سوال :۔ ایک صاحب نے عرض کیا کہ نماز میں اگر مختلف خیالات پیدا ہوں تو کیا کیا جائے؟

جواب :۔ "خیالات پیدا ہوں تو ان کا مقابلہ کرو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ تم جب نماز کے لئے کھڑے ہو تو یہ سمجھو کہ تم اپنا فرض ادا کر رہے ہو۔ اگر تمہیں خشوع و خضوع نصیب ہو جائے تو یہ خدا تعالیٰ کا ایک انعام ہوگا اور اگر خشوع و خضوع نصیب نہیں ہوتا اور تم بار بار کوشش کرتے ہو کہ تمہارے دل میں خیالات پیدا نہ ہوں تو پھر بھی تم ثواب کے مستحق ہو۔ کیونکہ تمہاری شیطان سے لڑائی ہو رہی ہے اور جو شخص لڑائی کر رہا ہو وہ گنہگار نہیں ہوتا۔

جو شخص اپنے خیالات میں لذت محسوس کرے اور کہے کہ اگر خیالات پیدا ہوتے ہیں تو بے شک پیدا ہوں وہ ضرور گنہگار ہے لیکن جو شخص ان خیالات کا مقابلہ کرتا ہے وہ خدا کا سپاہی ہے اور ثواب کا مستحق ہے"۔ [۲]

---

[۱]:۔ فتاویٰ مسیح موعود ص۳۶ ؛ [۲]:۔ الفضل ۹ رجون ۱۹۴۴ء ؛

جُز دوم

نماز کی شرائط

جس طرح ایک اہم اور عظیم الشان کام کو شروع کرنے سے پہلے مناسب تیاری کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح نماز جیسی عظیم الشان عبادت کو صحیح اور مکمل طور پر ادا کرنے کے لئے چند باتوں کا پہلے کرنا ضروری ہے جن کو شرائط نماز کہتے ہیں اور وہ پانچ ہیں :-

۱ - وقت

۲ - طہارت

۳ - ستر عورت یعنی پردہ پوشی

۴ - قبلہ

۵ - نیّت

ہر ایک کی تفصیل درج ذیل ہے :-

نماز کی پہلی شرط

وقت

پانچ اوقات میں نماز فرض ہے جن کی تفصیل یہ ہے :۔

۱ ۔ فجر :۔ رات جب ختم ہو جاتی ہے اور پو پھٹتی ہے تو مشرق میں سفیدی پھیلنے لگتی ہے ۔ اس وقت کو فجر کہتے ہیں اور صبح صادق بھی ۔ یہ وقت سورج نکلنے سے ذرا پہلے تک رہتا ہے ۔ معتدل علاقوں میں گھڑی کے لحاظ سے یہ ڈیڑھ گھنٹہ سے کچھ کم وقت بنتا ہے ۔ اس وقت میں دو رکعت نماز سنت اکیلے پڑھتے ہیں اور پھر دو رکعت نماز فرض باجماعت ادا کرتے ہیں ۔ افضل اور بہتر یہی ہے کہ کچھ منہ اندھیرے نماز شروع کی جائے ۔ قرأت لمبی ہو اور روشنی خوب پھیل جانے پر یہ ختم کی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ نماز باجماعت میں شامل ہو سکیں ۔

۲ ۔ ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور اس وقت تک رہتا ہے جبکہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل یعنی اس چیز کے برابر ہو جائے ۔ اس وقت میں چار رکعت نماز سنت پھر چار رکعت نماز فرض اس کے بعد دو رکعت نماز سنت ادا کی جاتی ہے ۔ اگر کوئی چاہے تو بعد ازاں دو رکعت نماز نفل پڑھ سکتا ہے اس سے زیادہ ثواب ملتا ہے ۔ نفل نماز کھڑے ہو کر پڑھنے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے ۔ لیکن یہ نفل بیٹھ کر بھی پڑھ سکتے ہیں البتہ فرض اور سنت نماز بلا عذر بیٹھ کر پڑھنا درست نہیں ۔ اگر کسی مصروفیت یا مجبوری کی وجہ سے پہلی مثل میں ظہر کی نماز نہ پڑھی جا سکے تو دوسری مثل یعنی ہر چیز کا سایہ دگنا ہونے تک یہ نماز ہو سکتی ہے ۔ گھڑی کے لحاظ سے ظہر کا سارا وقت معتدل علاقوں میں تین گھنٹے کے قریب بنتا ہے ۔

ظہر کی نماز گرمیوں میں کچھ دیر ٹھہر کر اور سردیوں میں جلدی پڑھنا بہتر ہے ۔ جمعہ کی نماز کا بھی وہی وقت ہے جو ظہر کی نماز کا ہے گویا جمعہ کی نماز دراصل ظہر کی نماز کے قائمقام ہے [۱]

۳ ۔ عصر ۔ دوسری مثل (یعنی ہر چیز کا سایہ دگنا ہونے) سے لے کر سورج ڈوبنے سے کچھ پہلے تک کا وقت عصر کہلاتا ہے ۔ گھڑی کے حساب سے معتدل علاقوں میں عصر کا وقت دو اڑھائی

---

[۱] ۔ دیکھیں باب نماز

گھنٹے کے قریب بنتا ہے۔ اس وقت میں چار رکعت نماز فرض ہے اگر کوئی چاہے تو فرضوں سے پہلے چار رکعت سنتیں بھی پڑھ سکتا ہے۔ لیکن عصر کے فرض پڑھنے کے بعد کوئی سنّت یا نفل نماز جائز نہیں۔ اگر جلدی ہو اور کوئی ضروری کام درپیش ہو تو دوسری مثل کے شروع ہوتے ہی عصر کی نماز پڑھی جاسکتی ہے لیکن افضل اور بہتر یہ ہے کہ دوسری مثل کے ختم ہونے اور تیسری مثل کے شروع ہونے پر عصر کی نماز پڑھی جائے۔ اسی طرح دھوپ کا رنگ پھیکا پڑنے سے پہلے ہی نماز پڑھ لینی چاہیئے کیونکہ بلا کسی مجبوری کے زیادہ دیر کرنا اور ایسے وقت میں نماز پڑھنا کہ دھوپ کا رنگ زرد پڑ جائے اور سورج غروب ہونے کے قریب ہو جائے ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔

جیسا کہ بیان ہو چکا ہے کہ کسی مصروفیت کی وجہ سے اگر دیر ہو جائے تو ظہر کی نماز دوسری مثل میں پڑھ سکتے ہیں اور اگر جلدی ہو تو عصر کی نماز بھی اس مثل میں ہو سکتی ہے اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دوسری مثل کا وقت دراصل ظہر کی نماز کا بھی ہے اور عصر کی نماز کا بھی یعنی یہ وقت دونوں میں مشترک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سفر، بیماری یا کسی اجتماعی دینی کام میں مصروفیت کی وجہ سے ظہر اور عصر کی نمازیں جمع بھی ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ ان دونوں نمازوں کا وقت کچھ تھوڑے سے فرق کے ساتھ اپنے اندر تسلسل رکھتا ہے۔[1]

۴۔ مغرب۔ سورج ڈوبنے سے لے کر مغربی افق میں نظر آنیوالی شفق یعنی سُرخی کے غائب ہونے تک کا وقت مغرب کہلاتا ہے۔ گھڑی کے حساب سے معتدل علاقوں میں یہ وقت ڈیڑھ گھنٹہ سے کچھ کم بنتا ہے۔ اس وقت میں تین رکعت فرض نماز پڑھی جاتی ہے اس کے بعد دو رکعت نماز سنت اور پھر حسب موقع و مرضی دو رکعت نماز نفل بھی پڑھ سکتے ہیں۔

سُرخی کے بعد مغربی اُفق پر جو سفیدی نمودار ہوتی ہے اُسے بھی شفق کہتے ہیں اس سفیدی کے غائب ہونے کا جو وقت ہے وہ مغرب اور عشاء کے درمیان مشترک ہے یعنی اگر کسی مجبوری کی وجہ سے دیر ہو گئی ہو تو اس وقت میں مغرب کی نماز بھی ہو سکتی ہے اور اگر ضروری کام کی وجہ سے جلدی ہو تو اسی وقت میں عشاء کی نماز بھی پڑھ سکتے ہیں ایسے ہی جائز مجبوری کے پیش نظر مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع بھی ہو سکتی ہیں۔

۵۔ عشاء۔ عشاء کا وقت شفق یعنی سفیدی غائب ہونے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور فجر کے طلوع سے کچھ پہلے تک رہتا ہے لیکن بہتر اور افضل وقت نصف شب تک ہے۔ عشاء کے وقت میں چار رکعت نماز فرض اور پھر دو رکعت سنت ہے۔ دو رکعت نفل نماز کا

---

[1]:۔ دیکھیں باب جمع نماز کتاب ہذا۔

ذکر بھی بعض روایات میں آتا ہے ۔

وتر نماز کی تین رکعتیں ہوتی ہیں ۔ اس نماز کا وقت عشاء کی فرض نماز پڑھنے کے بعد سے شروع ہوتا ہے اور طلوع فجر تک رہتا ہے جس شخص کو رات کے پچھلے حصہ میں اُٹھ سکنے کا اطمینان نہ ہو اُس کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ عشاء کی نماز کے ساتھ ہی وتر پڑھ لے تاہم عشاء کی نماز کے بعد سو جانا اور پھر رات کے پچھلے حصہ میں اُٹھ کر تہجد کی آٹھ رکعت نماز پڑھنا بہت سی برکات کا موجب ہے اس نماز کو تہجد کی نماز کہتے ہیں ۔ تہجد کے بعد اور فجر کے طلوع ہونے سے پہلے وتر پڑھنا عشاء کی نماز کے ساتھ وتر پڑھنے سے زیادہ افضل ہے اسکے زیادہ ثواب ملتا ہے ۔

بھول جانے یا سوئے رہنے کی وجہ سے اگر وقت پر نماز نہ پڑھی جا سکے تو جس وقت انسان کو یاد آئے یا وہ بیدار ہو اُسی وقت تیاری کر کے وہ نماز پڑھ لے کیونکہ اُس کی اس فوت شدہ نماز کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں یہی[1] وقت مقدر تھا ۔

غیر معمولی علاقے جہاں دن رات چوبیس گھنٹے سے زیادہ کے ہیں یا دن رات اگرچہ چوبیس گھنٹے کے ہیں لیکن ان میں باہمی فرق اتنا زیادہ ہے کہ قرآن وسنت کی رُو سے نمازوں کے پانچ معروف اوقات کی تفریق بہت مشکل ہے مثلاً قطب شمالی کے ایسے علاقے جہاں شفق شام[2] اور شفقِ صبح کے درمیان امتیاز نہیں ہو سکتا یعنی درمیان میں غسق حائل نہیں ہوتا وہاں نمازوں کے اوقات گھڑی کے حساب سے اندازہ سے مقرر کئے جائیں گے اور اوقات کے تعیین کے لئے سورج کے طلوع وغروب کے اعتبار سے معروف علامات کی پابندی ضروری نہ ہوگی ۔ نیز ایسے علاقوں میں نمازوں کے اوقات چوبیس گھنٹوں کے اندر اس طرح پھیلا کر مقرر کئے جائیں گے کہ ان کا درمیانی وقفہ معتدل علاقوں کے اوقات نماز کے درمیانی وقفہ سے حتی الوسع ملتا جُلتا ہو ۔ مجموعی آبادی کی معاشرتی عادت کے لحاظ سے ان علاقوں میں کام کاج کا وقت خواہ سورج موجود نہ ہو دن اور آرام اور سونے کا وقت خواہ سورج آسمان پر چمک رہا ہو رات شمار ہوگا ۔

---

[1] ۔ دیکھئے فوت شدہ نمازوں کی قضاء کتاب ہذا ؛

[2] ۔ شفق سے مراد وہ سُرخی اور سفیدی ہے جو سورج غروب اور طلوع ہوتے کے وقت افق پر نمودار ہوتی ہے ۔ غسق سے مراد وہ اندھیرا ہے جو سورج غروب ہو جانے اور سُرخی اور سفیدی غائب ہو جانے کے بعد فضا پر چھا جاتا ہے ؛

نماز اوّل وقت میں پڑھنا افضل ہے تاہم امام الزمان اور خلیفہ وقت کی مصروفیت کے پیش نظر یا لوگوں کی سہولت کی غرض سے سویرے یا دیر سے نماز پڑھنے کا جو وقت مقرر کیا جائے وہ افضل ترین ہے کیونکہ اہم جماعتی ذمہ داریوں کے لحاظ سے خلیفۂ وقت بہتر جانتا ہے کہ کس کام کو مقدم اور کس کو مؤخر رکھنا موجب خیر و برکت ہے۔ اسی طرح نماز با جماعت کے لئے وقت مقرر کرنے میں اس بات کو مدّنظر رکھنا بھی منشاء شریعت کے عین مطابق ہے کہ لوگ نماز کے لئے بسہولت اور زیادہ تعداد میں کس وقت جمع ہو سکتے ہیں تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ جماعت میں شامل ہوکر زیادہ سے زیادہ ثواب حاصل کریں۔

اوقات نماز کی حکمت:۔ نماز کی اصل غرض یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد خدائے حیّ و قیوم کا نام لیا جائے کیونکہ جس طرح گرمی کے موسم میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد انسان ایک ایک دو دو گھونٹ پانی پیتا رہتا ہے تاکہ گلا تر رہے اور اس کے جسم کو طراوت پہنچتی رہے اسی طرح کفر اور بے ایمانی کی گرم بازاری میں انسانی رُوح کو حلاوت اور تروتازگی پہنچانے کیلئے اللہ تعالیٰ نے تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد نماز مقرر کی ہے تاکہ گناہ کی گرمی اس کی رُوح کو جھلس نہ دے اور مسموم ماحول اس کی روحانی طاقتوں کو مضمحل نہ کردے۔ خوشی ہو یا غمی ہر حالت میں انسان کو نماز کے ذریعہ خدا تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملتا ہے جب دنیا کا نظر فریب حُسن اسے اپنی طرف کھینچتا ہے تو نماز کی مدد سے وہ خُدا کی طرف جھکتا ہے۔ نماز کے لئے وقت مقرر کرنے سے اجتماعیت کی روح کو زندہ رکھنے کا موقع ملتا ہے اس طرح لوگ بآسانی جمع ہو سکتے ہیں۔ نیز وقت کی تعیین کو خود انسان کی اپنی مرضی پر نہ چھوڑنے میں یہ حکمت ہے کہ تا انسان کو بروقت نماز ادا کرنے کی فکر رہے اور اس کا ذمہ داری کا احساس بیدار رہے اگر وقت کی تعیین خود انسان پر چھوڑ دی جاتی تو وقت کی پابندی کی اہمیت جاتی رہتی اور اس میں سستی ظاہر ہونے لگتی۔

۲۔ چونکہ قلبی کیفیات بدلتی رہتی ہیں اس لئے ایک ہی وقت میں دیر تک عبادت میں مشغول رکھنے کی بجائے مختلف اوقات میں عبادت کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ لمبے وقت میں دیر تک توجہ قائم رکھنا مشکل ہو جاتا ہے اس سے طبیعت اُکتا جاتی ہے لیکن اس کے برعکس اگر وقت مختصر ہو اور وقفہ وقفہ کے بعد کئی بار عبادت بجالانے کا موقع ملے تو بشاشت قائم رہتی ہے عبادت سہل ہو جاتی ہے اور عبودیت کے اظہار کا بھی بار بار موقع ملتا ہے اس کی یاد دل میں تازہ رہتی ہے اس کا سارا وقت عبادت الٰہی میں ہی صرف ہوتا

ہے اور اس طرح سے انسان دنیا کے کاموں میں مصروف رہنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا اور دنیا میں رہ کر بھی وہ اس سے علیحدہ رہتا ہے اور "دست در کار دل بایار" کی مثل اس پر صادق آنے لگتی ہے۔

۳۔ سچی محبت ہمیشہ اپنے ساتھ بعض ظاہری علامات بھی رکھتی ہے اور محبت کی ایک بڑی علامت یہ ہے کہ انسان اٹھتے بیٹھتے اپنے محبوب کا ذکر کرتا ہے اور اس کی یاد اپنے دل میں تازہ رکھتا ہے جب کوئی شخص اپنے کسی عزیز کو یاد کر لیتا ہے تو اس کی محبت دل میں تازہ ہو جاتی ہے اور اس کی صورت آنکھوں کے سامنے آجاتی ہے۔ نماز بھی اللہ تعالیٰ کی یاد اور اس کی ملاقات کا ایک ذریعہ ہے اس لئے اسلام نے یہ ضروری قرار دیا ہے کہ انسان تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد خدا تعالیٰ کا نام لے اور نماز کے لئے کھڑا ہو جائے۔

۴۔ نماز کے لئے متعدد اوقات مقرر کرنے میں ایک حکمت یہ ہے کہ انسان پر جتنی بڑی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اتنی ہی شدت سے اس ذمہ داری کو ادا کرنے کی اُسے بار بار مشق کرائی جاتی ہے تاکہ یہ اطمینان رہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے اس کا حکم ماننے کے لئے پوری طرح سے مستعد اور تیار ہیں۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں مشاغل اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ اتنا وقت نمازوں کے لئے نکالنا مشکل ہے۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ اگر نماز کی غرض محبت الٰہی کی آگ بھڑکا کر اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کے لئے سہولت بہم پہنچانا اور اس کے لئے مشق کرنا ہے تو جس زمانہ میں مشاغل بڑھ جائیں اُس زمانہ میں نماز بار بار پڑھنے کی اہمیت بڑھ جانی چاہیئے کیونکہ ظاہر ہے کہ جس وقت مقصد کو بھلا دینے کے سامان زیادہ ہوں گے اس وقت مقصد کی طرف بار بار توجہ دلانے کی بھی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ پس اس زمانہ میں اگر دنیوی مشاغل بڑھ گئے ہیں تو نماز کی ضرورت بھی بڑھ گئی ہے پھر اگر نماز صرف اظہار عقیدہ کا ایک ذریعہ ہوتی تب تو یہ اعتراض کچھ وزن بھی رکھتا مگر جیسا کہ سب جانتے ہیں کہ نماز کی غرض صرف اقرار عبودیت نہیں بلکہ اس کی غرض انسانی نفس میں وہ استعداد پیدا کرنا ہے جس کی مدد سے وہ مادی دنیا سے اُڑ کر روحانی عالم میں پہنچ سکے اور اس کا دماغ جسمانی خواہشات میں ہی اُلجھ کر نہ رہ جائے بلکہ اعلیٰ اخلاق کو حاصل کرے کیونکہ قرآن کریم کی تصریح کے مطابق نماز کی مدد سے انسان بدیوں اور بدکرداریوں سے بچتا اور اعلیٰ اخلاق حاصل کرتا ہے اور اس طرح اس کا وجود

بنی نوع انسان کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بن جاتا ہے اور ملک و ملت کا وہ ایک زیادہ فائدہ بخش جزو بن جاتا ہے اور جو عمل اپنے اندر یہ خوبیاں رکھتا ہو مادی اشغال کی کثرت کے زمانہ میں اس کی ضرورت کم نہیں ہوتی بلکہ اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

۵۔ نماز کے پانچ اوقات مقرر کرنے میں یہ حکمت بھی ہے کہ:۔

(i) سورج نکلنے کے بعد انسان دنیا کے کاروبار میں مصروف ہو جاتا ہے اور دوپہر کے وقت وہ کچھ سستانے اور کھانے پینے کی ضرورت محسوس کرتا ہے اس وقفہ میں یادالٰہی کیلئے بھی تھوڑا سا وقت رکھدیا تاکہ انسان کاروبار کی توفیق پر اپنے خدا کا شکر بجالائے اور آئندہ کے لئے مزید برکات حاصل کرنے کی دعا کر سکے۔ یہ زوال کا وقت انسان کو اس طرف بھی توجہ دلاتا ہے کہ جس طرح سورج کی چمک میں فرق آنے لگا ہے اسی طرح انسان کی جوانی بھی زوال کی زد میں ہے اور اس کا قلب بھی غفلت کے زنگ سے اپنی آب کھو سکتا ہے۔ اس لئے انسان کو اس تغیر سے سبق سیکھنا چاہیئے اور روشنی اور خوشحالی کے اس منبع کی طرف اُسے توجہ کرنی چاہیئے جس پر کبھی زوال نہیں آتا تاکہ اس کی روح زوال کے اثرات سے محفوظ رہے اور اس کی جسمانی صحت بھی قائم رہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ ظہر کے وقت رُوحانی آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور صبح سے دوپہر تک کے اعمال اوپر کو اٹھائے جاتے ہیں۔ ایسے وقت میں نماز روحانی صعود کا موجب ہے اور اپنے لئے ایک اچھی شہادت مہیا کرتا ہے۔

(ii) عصر کے وقت کاروبار سمیٹنے کی فکر ہوتی ہے۔ اس لئے مصروفیت اپنی انتہا پر ہوتی ہے۔ مختلف امور انسانی توجہ کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اس وقت میں نماز مقرر کرنے سے یہ ثابت کرنا ہے کہ جو خدا کا ہے وہ ایسی حالت میں بھی اپنے رب کو نہیں بھولتا اور سب باتوں سے اپنی توجہ ہٹا کر اُسی کی طرف اپنی توجہ پھیر لیتا ہے اور مختلف روکوں کے باوجود اپنے خُدا کے حضور جا حاضر ہوتا ہے۔ پھر یہ وقت تفریح اور کھیل کود کا ہے۔ اس وقت میں نماز کا حکم دے کر ادھر متوجہ کیا کہ انسان کو بے اعتدالی اور بے راہروی سے ہر حال میں بچنا چاہیئے اور کھیل میں اپنے اصل فرائض سے غافل نہیں ہو جانا چاہیئے۔ نیز اس طرف بھی توجہ دلائی گئی ہے کہ آسمانی سورج کی طرح انسانی زندگی کا آفتاب بھی رفتہ رفتہ ڈھل رہا ہے اور غروب کے قریب پہنچنے والا ہے اس لئے اس فرصت کو غنیمت سمجھنا چاہیئے اور اسے ضائع نہیں ہونے دینا چاہیئے۔

(iii) مغرب کے وقت سورج ڈوب چکا ہوتا ہے تاریکی کے ساتھ بڑھنے لگتے ہیں خطرے کا وقت آپہنچتا ہے ظلمت کے بندے بدی کی تیاریوں میں لگ جاتے ہیں ایسے وقت میں عبادت رکھکر اس طرف توجہ دلائی کہ ان حالات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں اور تاریکی کی ظلمتوں سے نجات پانے کے لیے وہی ایک آفتاب عالمتاب ہے جس کی روشنی دائمی ہے۔

(iv) عشاء کی نماز کے ذریعہ سونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے اس کے فضلوں کا شکر بجا لانے مصیبتوں سے نجات پانے کے لیے دعا کرنے کا موقع بہم پہنچایا گیا ہے نیز یہ وقت فراغت کا ہے اس وقت طبیعت عیش و آرام اور کھیل تماشہ کی طرف راغب ہوتی ہے اگر عبادت کا رجحان نہ ہو تو ان فضولیات اور برے مشاغل میں وقت صرف ہوگا اور ان میں انہماک کی وجہ سے وہ دیر سے سوئے گا اس طرح صبح دیر سے بیدار ہوگا۔ صبح کی نماز بھی وقت پر نہ پڑھ سکے گا اور دوسرے اہم کام بھی وقت پر شروع نہ کر سکے گا علاوہ ازیں اس وقت میں نماز مقرر کرکے اس طرف بھی توجہ دلائی ہے کہ انسان سونے سے پہلے اپنا معاملہ صاف کرلے تا اگر سوئے ہوئے موت آجائے تو وہ محاسبہ اور حسرت کی آگ سے بچ جائے پھر انسان جن خیالات میں سوئے گا وہی رات بھر اس کے دماغ میں چکر لگاتے رہیں گے اس نماز اور ذکر الٰہی کے معاً بعد وہ سوئے گا تو پاکیزہ خیالات اس کے دماغ میں سما جائینگے اس طرح اس کی نیند بھی عبادت کا حصہ بن جائے گی۔

(v) فجر کی نماز کے لیے اٹھنا باعث برکت ہے کیونکہ یہ برکات الٰہی کے نزول کا وقت ہے ان برکات سے حصہ لینے کی تمنا سچے ایمان کا عین اقتضاء ہے جس طرح سورج کی آمد آمد تاریک ماحول کو روشن کر دیتی ہے اسی طرح صلوٰۃ اور دعا کی روشنی سے مایوسی کی تاریکیاں ہوا ہو جاتی ہیں مسرتوں کی عطر بیز مہک چاروں طرف پھیل جاتی ہے۔

نماز کے یہ پانچ اوقات مقرر کرنے میں ایک اور حکمت یہ ہے کہ یہ نمازیں ہمارے پانچ مختلف باطنی تغیرات کا فوٹو اور فطرتِ انسانی کا مقتضیٰ ہیں کیونکہ ہماری زندگی کے لازم حال پانچ اندرونی تغیر ہیں۔

سب سے پہلے جب انسان کو اطلاع ملتی ہے کہ اس پر ایک مصیبت آنے والی ہے مثلاً جیسے اُس کے نام عدالت کی طرف سے وارنٹ گرفتاری آئے تو اس سے اس کے اطمینان میں خلل واقع ہوگا اور اس کی خوشحالی متاثر ہوگی۔ انسان کی یہ حالت زوال کے وقت کے مشابہ ہے کیونکہ اس حالت سے اس کے اطمینان اور اس کی خوشحالی میں زوال آنا شروع ہوا پس اس پریشان کن صورت حال کے بد نتائج سے بچنے

کے لیے نماز ظہر مقرر کی گئی۔ جس کا وقت زوالِ آفتاب سے شروع ہوتا ہے گویا مصیبت کی اطلاع کے ساتھ ہی اس سے چھٹکارا پانے کی جدوجہد کا اُس نے آغاز کر دیا۔

دوسرا تغیر اس وقت انسان پر آتا ہے جبکہ مصیبت سر پر آ کھڑی ہوتی ہے جیسے مثلاً بذریعہ وارنٹ گرفتار ہو کر انسان حاکم کے سامنے پیش ہو یہ وہ وقت ہے جبکہ خوف سے انسان کا خون خشک اور تسلی کا نور اس سے رخصت ہونے کو ہوتا ہے اور اُمید و بیم، ڈر اور خوف کی عجیب کیفیت سے انسان دوچار ہوتا ہے سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب کا نور کم ہو جاتا ہے اور صریح نظر آتا ہے کہ اب غروب نزدیک ہے اس صورتِ حال کے مقابل اندرونی بے اطمینانی کو دور کرنے کے لیے عصر کی نماز مقرر ہوئی اور نجات کے لیے جدوجہد میں تیزی آ گئی۔

تیسرا تغیر انسان پر اس وقت آتا ہے جبکہ اس مصیبت سے نجات پانے کی اُمید منقطع ہو جاتی ہے اور مایوسی اُسے آ گھیرتی ہے مثلاً جیسے فردِ جرم لگ جاتی ہے اور مخالفانہ گواہ اس کی ہلاکت کیلئے گذر جاتے ہیں یہ وہ وقت ہے جبکہ انسان کے حواس جواب دینے لگتے ہیں اور وہ اپنے تئیں ایک قیدی سمجھنے لگتا ہے سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ آفتاب غروب ہو جاتا ہے اور روشنی کی کوئی کرن باقی نہیں رہتی اس حالت کے مقابل روحانی مایوسی کی ہلاکت سے بچنے کے لیے نماز مغرب مقرر ہوئی گویا نجات کے لیے جدوجہد اور تیز ہو گئی۔

چوتھا تغیر انسان پر اس وقت آتا ہے جبکہ مصیبت میں انسان بالکل پھنس جاتا ہے اور تاریکی انسان کا احاطہ کر لیتی ہے مثلاً جب کہ شہادتوں کے بعد سزا کا حکم سنایا جاتا ہے اور پولیس مجرم کو جیل کی طرف لے جانے لگتی ہے۔ سو یہ حالت اس وقت سے مشابہ ہے جبکہ رات آ جاتی ہے اور ہر طرف اندھیرا چھا جاتا ہے اضطراب کی اس ناقابلِ برداشت حالت کے مقابل روحانی سکون کو باقی رکھنے کے لیے گویا بطور آخری چارہ کار نماز عشاء مقرر ہوئی جس میں گویا یہ سبق ہے کہ خدا ہی کی ذات ہے جسے سب طاقتیں ہیں اُس کے در کے سوا انسان کدھر جائے اور اپنی فریاد کسے سنائے پس وہ اسی کے دروازے پر گرتا ہے اور اس کے حضور اپنی فریاد کو انتہا تک پہنچا دیتا ہے۔

پانچواں تغیر انسان پر اُس وقت آتا ہے جبکہ اس کی جدوجہد اور آہ و زاری آخر رنگ لاتی ہے، خدا کا رحم جوش مارتا ہے۔ مصائب کے بادل چھٹ جاتے ہیں اور تاریکی کے بعد آخر کار صبحِ اُمید نمودار ہوتی ہے اور پھر دن کی روشنی بجلی کی سی چمک دمک کے ساتھ ظاہر ہو جاتی ہے۔ سو اس حالتِ امید و مسرت کے مشابہ روحانی خوشی کا سجدہ شکر نماز فجر کی صورت میں متعین ہوا۔

غرض نمازوں کے اوقات انسان کے رُوحانی تغیرات کا ظِلّ اور نمازیں آنے والی مصیبتوں کا علاج ہیں انسان نہیں جانتا کہ چڑھنے والا نیا دن کس قضاء و قدر کو لائے گا۔ پس قبل اس کے جو دن چڑھے انسان اپنے مولائے حقیقی کی جناب میں تضرع کرے تا وہ اس کے لیے خیر و برکت کا دن چڑھائے۔

اوقاتِ مکروہہ

مندرجہ ذیل وقتوں میں نماز پڑھنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

۱۔ جب سورج طلوع ہو رہا ہو اس وقت سے لے کر نیزہ بھر سورج بلند ہونے تک کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے نہ فرض اور نہ نفل۔ البتہ اگر دیر سے جاگ آئی یا کوئی اور حقیقی روک پیدا ہوگئی اور تیاری وغیرہ کرکے فجر کی فرض نماز شروع کی، ابھی ایک رکعت پڑھی تھی کہ سورج نکلنے لگا تو ایسی صورت میں دوسری رکعت سورج نکلنے کے دوران میں بھی انسان پڑھ سکتا ہے۔

۲۔ عین دوپہر کے وقت جب سورج بالکل سر پر ہو اس وقت بھی فرضوں یا نفلوں میں سے کوئی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ تاہم جمعہ کے دن اس وقت میں مسجد میں دو رکعت نفل پڑھنے کی اجازت ہے۔

۳۔ جب سورج غروب ہو رہا ہو تو اس وقت میں بھی کوئی فرض یا نفل نماز جائز نہیں البتہ اگر کسی معقول عذر کی وجہ سے، عصر کی نماز وقت پر نہ پڑھی جا سکی ہو اور ابھی ایک رکعت پڑھی تھی کہ سورج ڈوبنے لگا ایسی صورت میں بقیہ تین رکعتیں سورج ڈوبنے کے دوران بلکہ اس کے بعد بھی پڑھی جا سکتی ہیں۔

یہ تو وہ اوقات تھے جن میں بلا عذر کوئی نماز بھی جائز نہیں نہ فرض نہ نفل، لیکن مندرجہ ذیل اوقات میں صرف نفل نماز مکروہ ہے۔ فجر کے طلوع ہونے کے بعد سورج نکلنے تک دو رکعت سنت کے علاوہ کوئی اور نفل نماز جائز نہیں۔ عصر کی نماز پڑھنے کے بعد نفل نماز جائز نہیں۔ عید کے دن سورج نکلنے کے بعد عید گاہ میں نفل جائز نہیں نہ عید کی نماز سے پہلے اور نہ عید کی نماز کے بعد۔ نماز با جماعت ہو رہی ہو تو اس وقت مسجد میں اپنے طور پر سنت یا نفل نماز جائز نہیں۔ تاہم خانہ کعبہ یعنی مسجد الحرام میں کسی وقت بھی سنت یا نفل نماز پڑھ سکتے ہیں کیونکہ وہاں ہر وقت طوافِ کعبہ کر سکتے ہیں اور ہر طواف کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا ضروری ہے جسے طواف کی نماز کہتے ہیں۔ سورج گرہن کی صورت میں نماز کسوف کسی وقت بھی پڑھی جا سکتی ہے سورج نکل رہا ہو یا ڈوب رہا ہو عین دوپہر ہو یا عصر کی نماز کے بعد ہو جس وقت بھی گرہن لگے نماز شروع کر دینی چاہیئے کیونکہ اس نماز کا سبب سورج گرہن ہے وہ جس وقت لگے اسی وقت نماز پڑھنا مسنون

ہوگا۔

دن کے کچھ حصوں میں نماز پڑھنے سے منع کرنے میں یہ حکمت ہے کہ "تا اس طرف توجہ ہو کہ اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے خدا جب کہے نماز پڑھو نماز پڑھیں گے اور جب کہے نماز نہ پڑھو تو باوجود عمدہ حالات میسّر آنے کے نماز پڑھنا کوئی نیکی نہ ہوگی کیونکہ نیکی اور عبادت وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرے۔

ان اوقات میں ممانعت نماز کی ایک اور حکمت یہ ہے کہ ان میں سے بعض اوقات میں خصوصاً طلوع و غروب آفتاب کے وقت مُشرک اور بُت پرست اپنے معبودانِ باطلہ کی پرستش کرتے ہیں گویا یہ اوقات فروغِ شرک وکفر کا نشان بن گئے تھے اس لیے توحید کے پرستاروں کو کفر و شرک کے اس شعار سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی اور اسلام کی مخصوص عبادت کے صحیح صحیح اوقات جو اپنے اندر روحانی فوائد رکھتے تھے مقرر کئے گئے اس ممانعت سے اس حکمت کی طرف بھی توجہ دلائی کہ کوئی وقت ایسا بھی ہونا چاہیے جس میں انسان کا دماغ فارغ ہو ورنہ مسلسل مصروفیت سے وہ بے کار ہو جائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا جب انسان نماز پڑھتے پڑھتے تھک جائے تو اسے چاہیئے کہ آرام کرے گویا اس مقصد کے پیشِ نظر بطور علامت یہ اوقات جبری فراغت کے رکھے گئے تاکہ کوئی وہمی چوبیس گھنٹے ہی نماز پڑھنے میں نہ لگا رہے اور اس کے لیے کچھ وقت ایسے بھی آجائیں جن میں وہ فارغ ہونے اور نماز چھوڑنے پر مجبور ہو۔

نمازیں پانچ فرض ہیں

سوال :۔ اہلِ قرآن ۔ قرآن میں تین نمازیں ثابت کرتے ہیں نیز یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نماز جو موجودہ مسلمان ادا کرتے ہیں اس میں غیر قرآنی الفاظ ہیں ۔ قرآن میں ایک سجدہ ہے مگر نماز میں دو ادا کرتے ہیں جو قرآن کے احکام کے خلاف ہے ؟

جواب :۔ اہلِ قرآن کا یہ خیال غلط ہے کہ قرآن مجید سے صرف تین نمازیں ثابت ہوتی ہیں قرآن مجید میں جس طرح ان تین نمازوں کا ذکر ہے جو اہلِ قرآن مانتے ہیں اُسی طرح باقی دو نمازوں کا بھی ذکر ہے اور ان سب کا طرزِ بیان ایک سا ہی ہے ۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہی اُمّتِ مسلمہ پورے تسلسل کے ساتھ روزانہ پانچ بار نماز پڑھتی چلی آئی ہے قرآن کریم میں بالاجمال پانچ فرض نمازوں کا ذکر ہے اور حدیث میں ان کی تفصیل موجود ہے ۔غرض ایک لمبے عرصہ کا تاریخی تسلسل اور امّتِ مسلمہ کا تواتر عملی پانچ نمازوں کو قطعی طور پر ثابت کرتا ہے ۔تاریخ میں کہیں ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ اُمّت کی اکثریت نے کبھی تین نمازیں پڑھی تھیں اور پھر غلط طور پر پانچ نمازیں ہوگئیں ۔غرض یہ ایک انتہائی مضحکہ خیز خیال ہے کہ اتنے تواتر اور تسلسل سے ہونے والی عبادت کے متعلق یہ شبہ پیدا کیا جائے کیونکہ یہ تو تاریخ کا ایک عملی واقعہ ہے کوئی نظریاتی مسئلہ نہیں کہ عقلی تخیل کی بناء پر اس میں کسی قسم کے اختلاف کی گنجائش نکالی جاسکے ۔

قرآن کریم میں آتا ہے کہ تم نماز میں دُعائیں کرو اب دعا تو انسان اسی چیز کی کرتا ہے جس کی اسے ضرورت ہو اور یہ ضروری نہیں کہ اسکی ہر ضرورت قرآنی الفاظ سے ہی ظاہر ہو اسی طرح قرآن کریم نے کہا ہے کہ اپنے رب کی تسبیح کرو اب لازماً جو اس حکم کی تعمیل کریگا وہ بصورت تکلّم اسے بیان کریگا ۔غرض یہ سوال بھی محض ایک عقلی ڈھکوسلے پر مبنی ہے کہ نماز کے سارے الفاظ قرآنی ہوں غیر قرآنی کوئی لفظ نہ ہو آخر یہ قرآن کریم کی کس آیت میں لکھا ہے کہ شروع سے لیکر آخر تک نماز میں صرف قرآن کریم کی آیات ہی پڑھتے چلے جاؤ ۔ قرآن کریم میں تو صرف اسقدر ہے کہ نماز میں قرآن بھی پڑھو ۔ سو ہر مسلمان اس حکم کو مانتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے اور قرآن کریم کے کسی حصہ کا نماز میں پڑھنا فرض جانتا ہے ۔

قرآن کریم میں یہ کہیں نہیں لکھا ہے کہ نماز میں صرف ایک سجدہ کیا جائے بلکہ حکم یہ ہے کہ نماز میں سجدہ کرو ۔

کتنے سجدے کردیئے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور قول سے بتایا دراصل جیسا کہ شروع میں بیان کیا گیا ہے نماز ایک ایسی عبادت ہے جسے مسلمان دن میں پانچ بار بجالاتے ہیں اور آغازِ اسلام سے اب تک اس عبادت کو غیر منقطع تواتر حاصل رہا ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرامؓ نے دیکھا ۔صحابہ کو تابعین نے دیکھا اسی طرح پر تسلسل چلتا چلا آیا پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ مسلمانوں نے نماز کے اہم ترین حصوں کو ترک کر دیا ہو اور یہ تبدیلی چپ چاپ ہو گئی ہو ۔نہ تاریخوں میں اس کا ذکر ہو اور نہ ہی مسلمانوں کا چودہ سو سالہ عمل ہی اُسے ظاہر کرتا ہو ۔ غرض اس زمانے کے ان نئے شارعین کو دو راستوں میں سے ایک راستہ لازماً اختیار کرنا پڑیگا ۔ یا تو وہ اس بات سے انکار کریں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ان کے لیے حجّت ہے اور قرآن نے آپ کی یہ جو شان بیان کی ہے کہ لتبین للناس مانزل الیھم اسے وہ نہیں مانتے یا پھر یہ مانیں کہ اصل نماز تو وہی ہے جو آنحضرتؐ نے پڑھی ہے لیکن یہ لوگ اپنی نئی نماز ایجاد کرینگے ۔

سوال :۔ کیا عین دوپہر کے وقت نماز پڑھ سکتے ہیں ۔ اگر یہ نہیں ہو سکتا تو جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے لوگ بکثرت سنتیں پڑھتے ہیں اس کے متعلق کیا فیصلہ ہے ؟

جواب :۔ عین دوپہر کے وقت نماز پڑھنا درست نہیں ۔ باقی خطبہ سے پہلے سنتیں پڑھنا جائز ہے کیونکہ ضروری نہیں کہ خطبہ عین دوپہر کے وقت شروع ہو بلکہ بہتر یہ ہے کہ سورج ڈھلنے پر مناسب وقفہ کے بعد خطبہ شروع کیا جائے تاکہ دوست سنتیں وقت پر پڑھ سکیں ۔

سوال :۔ اگر اشراق کی نماز پڑھتے ہوئے زوال کا وقت آجائے تو کیا نماز فاسد ہو جائے گی ؟

جواب :۔ اگر نفل نماز پڑھتے ہوئے زوال کا وقت ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہوگی بلکہ اس کی تکمیل کرنی چاہیئے ۔ علاوہ ازیں زوال کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت میں وہ شدت نہیں جو غروب آفتاب یا طلوع کے وقت میں ہے کیونکہ جمعہ کے دن نیز مسجد الحرام میں اس وقت میں نفل نماز پڑھنے کی اجازت ہے اور یہ احادیث سے ثابت ہے ۔

زوال سے مراد وہ وقت ہے جب سورج عین سمت الراس میں ہو اور زوال کے قریب ہو ۔ دراصل زوال کے لفظ کا استعمال قریبی حالت کے اعتبار سے ہے ورنہ جب دلوک شروع ہو جاتا ہے تو نماز کا وقت صحیح شروع ہو جاتا ہے اور مکروہ وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے ۔

○

نماز کی دوسری شرط

طہارت

نماز کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہونا۔ قربِ الٰہی حاصل کرنے کی کوشش کرنا پس اس کے لیے جہاں دل کا خلوص اور باطن کی پاکیزگی ضروری ہے وہاں جسم کی صفائی اور کپڑوں کی پاکیزگی بھی ایک لازمی شرط ہے۔ کیونکہ اگر ہم گندے اور ناپاک جسم۔ میلے کچیلے اور خراب کپڑوں کے ساتھ ایک معزز شخص کے پاس جانا نہیں چاہتے اور نہ ایسے ناصاف شخص سے خود ملنا پسند کرتے ہیں تو پھر ایسی خراب حالت میں اللہ تعالیٰ کے حضور ہی جانا کیونکر پسندیدہ قرار دے سکتے ہیں۔

اسی فطرتی تقاضا کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی ہے کہ نماز پڑھنے کے لیے پاک جسم اور پاک کپڑے ہونے چاہئیں نیز جس جگہ نماز پڑھی جائے اس کا پاک وصاف ہونا بھی ضروری ہے۔

طہارت کے ایک معنے یہ ہیں کہ جسم کے کسی حصہ پر کوئی گند لگا ہوا نہ ہو مثلاً انسان کا بول و براز، مادہ منویہ، کسی جانور کا گوبر، پیشاب، مرغی کی بیٹ۔ زخم کی پیپ۔ جسم سے بہہ نکلنے والا خون، حرام جانور یا مردار کا گوشت اور خون۔ کتے اور دوسرے حرام جانوروں کی رال اور اُن کا جوٹھا، گلی کوچوں کا ناپاک کیچڑ۔ یہ سب حقیقی نجاستیں ہیں۔ ان میں سے کوئی نجاست اگر کسی وجہ سے جسم کے کسی حصہ کو لگ جائے تو پانی سے دھو کر جسم کو پاک وصاف کر لینا چاہیئے۔ اچھی طرح ایک بار دھونا کافی ہے، لیکن اگر تین بار دھویا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

اس ظاہری صفائی کے علاوہ نماز پڑھنے کے لیے غسل اور وضو بھی ضروری ہے غسل اور وضو کو طہارت حکمی کہتے ہیں اور جس حالت کی وجہ سے یہ طہارت ضروری ہوتی ہے اُس حالت کا نام نجاستِ حکمی یا حدث ہے۔

موجباتِ غسل

جن باتوں کی وجہ سے نہانا ضروری ہوجاتا ہے انہیں موجباتِ غسل کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

مباشرت یعنی زن و شوہر کا مخصوص جنسی تعلق قائم کرنا۔ احتلام یا کسی اور وجہ سے شہوانی ہیجان کے ساتھ مادہ منویہ کا نکلنا۔ عورت کے ایام ماہواری یعنی خونِ حیض کا ختم ہونا۔ حیض سے مراد ایام ماہواری ہیں۔ یعنی بالغ عورت کی وہ طبعی حالت جس کی وجہ سے کم و بیش ہر ماہ تین سے لے کر دس دن تک خون آتا ہے یہ خون ختم ہونے پر نہانا ضروری ہوتا ہے جن دنوں میں یہ خون نہیں آتا وہ طہر کے دن کہلاتے ہیں۔ ولادت کے بعد خون نفاس کا ختم ہونا۔ نفاس سے مراد وہ خون ہے جو بچہ کی پیدائش کے بعد جاری ہوتا ہے اور زیادہ سے زیادہ چالیس۴۰ دن تک رہتا ہے کم سے کم کے لیے کوئی اندازہ نہیں بعض اوقات دو تین دن میں ہی ختم ہو جاتا ہے اس خون کے ختم ہونے کے بعد بھی نہانا ضروری ہوتا ہے۔ ان صورتوں میں نہائے بغیر نماز پڑھنا جائز نہ ہوگا اور اگر سخت سردی یا بیماری وغیرہ کی وجہ سے نہانے سے صحت کو نقصان پہنچنے یا زیادہ بیمار ہو جانے کا ڈر ہو تو نہانے کی بجائے تیمم کی بھی اجازت ہے۔

نماز کی حالت باطنی پاکیزگی۔ رُوحانی نشاط۔ ظاہری طہارت اور جسمانی مستعدی کی مقتضی ہے لیکن ناپاکی کی حالتیں جسم میں گرانی، نقاہت، کمزوری اور روحانی کسلمندی کا موجب بنتی ہیں اور نہانے سے یہ کیفیت دور ہو جائے گی۔ جسم میں تازگی و سبکساری آ جائے گی اور پوری بشاشت کے ساتھ انسان نماز کے لیے کھڑا ہوگا۔ اور اس طرح جذبات لطیفہ، ارواحِ طیّبہ اور واردات روحانیہ کا وہ مورد بن سکے گا جو نماز کا مقصد اصلی ہے۔

غیر مسلم قبول اسلام کے بعد جب نماز پڑھنے لگے تو پہلے نہائے وضو کرے اور پھر اس کے بعد نماز شروع کرے تاکہ قبول اسلام کے بعد جب پہلی بار وہ خدا کے حضور جائے تو باطنی طہارت کے ساتھ ظاہری طور پر بھی پاک وصاف ہو۔ اس کے علاوہ حیض و نفاس کے دنوں میں نماز پڑھنا۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنا اور روزہ رکھنا جائز نہیں۔ نماز معاف ہے اس وجہ سے رمضان کے جو روزے رہ گئے ہوں بعد میں ان کی قضاء ضروری ہے۔ پیدا ہونے والے بچہ کو بھی نہلانا ضروری ہے۔ تجہیز و تکفین سے پہلے میت کو غسل دینا بھی ضروری ہے تاکہ پاک وصاف حالت میں اس کی نماز جنازہ پڑھی جا سکے اور پھر اس کی تدفین عمل میں لائی جا سکے۔

علاوہ ازیں جمعہ اور عید کے دن، حج کا احرام باندھنے اور میدانِ عرفات میں وقوف کے وقت نہانا مسنون ہے اسی طرح بیماری سے شفایاب ہونے کے بعد غسل صحت بھی باعث برکت ہے۔ جو شخص میت کو نہلائے اُسے بعد میں خود بھی نہا لینا چاہیئے۔ موسم کو مدِّنظر رکھتے ہوئے روزانہ یا کبھی کبھار نہاتے رہنا صحت و صفائی کے اعتبار سے بہت مفید رہتا ہے۔

○

نہانے کے فرائض وآداب

نہانے کے تین فرض ہیں - (۱) کلی کرنا (۲) پانی سے ناک صاف کرنا (۳) اس کے بعد سارے بدن پر پانی ڈالنا یہاں تک کہ جسم کا کوئی حصہ خشک نہ رہے - عورت کے سر کے بال اگر گھنے اور گندھے ہوئے ہوں تو ان کا کھولنا اور سارے بالوں کو تر کرنا ضروری نہیں بلکہ سر پر تین بار پانی ڈال کر مسح کے رنگ میں سر پر ہاتھ پھیر لینا کافی ہے -

نہانے کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ نہانے والا موسم کے مطابق گرم یا سرد صاف ستھرا پانی استعمال کرے - پہلے استنجاء کرے پھر وضو کرے یعنی بسم اللہ پڑھکر ہاتھ دھوئے اس کے بعد کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھوئے سر کا مسح کرے - پھر بدن پر تین بار پانی ڈالے - پہلے دائیں طرف اور پھر بائیں طرف - نہاتے وقت جسم کو اچھی طرح ملنا بھی چاہیئے - اس طرح کوئی اچھا سا صابن یا میل دور کرنے والی کوئی مفید چیز استعمال کرنا بھی آداب غسل میں شامل ہے - جس حالت میں نہانا ضروری ہے اس حالت میں نہائے بغیر نہ انسان نماز پڑھ سکتا ہے نہ قرآن کریم کی باقاعدہ تلاوت کر سکتا ہے اور نہ ہی مسجد میں جا سکتا ہے -

بیت الخلاء اور استنجاء

قضائے حاجت کے لیے بیٹھنے یا اُٹھنے کے وقت پردہ کا لحاظ رکھنا ضروری ہے یا تو بنے ہوئے صاف ستھرے بیت الخلاء میں جائے یا پھر دور جنگل میں کسی اوٹ والی جگہ میں جانا چاہیئے آبادی کے پاس جہاں لوگوں کی آمد و رفت عام ہو - چلتے راستہ پر سایہ دار جگہ یا درخت کے نیچے جہاں کام کاج یا آرام کے لیے لوگوں کے آ بیٹھنے کا احتمال ہو قضاء حاجت نہ کرے اس طرح بیت الخلاء میں ننگے پاؤں نہ جائے بلکہ جوتی یا چپل پہن کر جائے - استنجاء اور صفائی کے لیے پانی کا انتظام ہونا چاہیئے اور اگر پانی نہ مل سکے تو پھر مٹی کے ڈھیلے یا اس قسم کی صفائی کے لیے بنا ہوا کاغذ ساتھ لے جائے اور کم از کم تین بار استعمال کرے - استنجاء یعنی صفائی بائیں ہاتھ سے کرے دایاں ہاتھ استعمال نہ کرے -

بیت الخلاء میں قدم رکھنے سے پہلے اَللّٰهُمَّ اِنِّىْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ یعنی اے میرے خدا بُرے اثرات اور خبیث قسم کی بیماریوں سے میں تیری پناہ چاہتا ہوں، کے

الفاظ میں دُعا کرے۔ پہلے بایاں پاؤں اندر رکھے۔حتی الوسع قبلہ کی طرف منہ یا پیٹھ کرکے نہ بیٹھے۔قضائے حاجت کے وقت باتیں نہ کرے فارغ ہونے کے بعد نکلتے وقت پہلے دایاں قدم باہر رکھے اور ساتھ غفرانك الحمد لله الذی اذھب عنی الاذی کہے یعنی میرے خدا تیری مغفرت چاہتا ہوں تیری حمد اور تعریف کرتا ہوں کہ تُو نے مجھے تکلیف دہ گند سے نجات دی اور عافیت بخشی۔ فارغ ہونے کے بعد صابن یا مٹی سے مل کر پانی سے ہاتھ دھونے چاہئیں۔

موجبات وضو

جن وجوہات سے وضو کرنا ضروری ہوجاتا ہے انہیں موجبات وضو یا اسباب وضو کہتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:۔

قضائے حاجت یعنی پیشاب، پاخانہ کرنے یا پیشاب کے راستہ کسی اور رطوبت کے نکلنے۔ ہوا خارج ہونے، ٹیک لگا کر یا لیٹ کر سونے اور بے ہوش ہوجانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ ایسی صورتِ حال پیش آنے کے بعد جب نماز پڑھنی ہو تو پہلے وضو کیا جائے اور پھر نماز پڑھی جائے، کیونکہ وضو کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی اگر کسی کو ریح خارج ہوتے رہنے پیشاب قطرہ قطرہ گرتے رہنے یا استحاضہ یعنی حیض و نفاس کے مقررہ دنوں کے علاوہ بھی خون جاری رہنے کی بیماری ہو اور اس وجہ سے اس کا وضو نہ ٹھہرتا ہو تو وہ معذور ہے اس کے لیے ہر نماز کے وقت ایک بار وضو کرلینا کافی ہے اس وقت میں اس وضو سے جو نماز چاہے وہ پڑھ سکتا ہے کیونکہ اس بیماری سے اُس کا وضو نہیں ٹوٹے گا۔

وضو کرنے کا طریق

جب کوئی شخص وضو کرنے لگے تو بسم اللہ پڑھے، پاک صاف پانی لے کر پہنچوں تک ہاتھ دھوئے پھر تین بار کلّی کرے منہ کو اچھی طرح صاف کرنے کے لیے مسواک یا بُرش استعمال کرنا چاہیئے اور اگر یہ میسر نہ ہو تو اُنگلی سے دانت صاف کرے، پانی چلو میں لے کر ناک میں ڈالے اور اسے اچھی طرح صاف کرے۔ پھر تین بار سارا چہرہ دھوئے، داڑھی گھنی ہو تو ہاتھ کی انگلیوں سے بالوں میں خلال کرنا اچھا ہے اس کے بعد کہنیوں سمیت تین بار ہاتھ دھوئے۔ پھر پورے سر کا اور کانوں کا مسح کرے یعنی پانی سے ہاتھ تر کرکے سارے سر پہ پھیرے پھر انگشت شہادت کانوں کے اندر کی طرف اور انگوٹھے کانوں کے باہر کی طرف پھیرے۔ پھر تین بار ٹخنوں سمیت پاؤں دُھوئے

پہلے دائیں عضو کو دھوئے اور پھر بایاں ۔ اس کے علاوہ ترتیب کو مدنظر رکھنا اور اعضاء کو لگاتار دھونا بھی ضروری ہے ۔ یہ نہ ہو کہ منہ دھولیا اور پھر اسکی خشک ہوجانے پر ہاتھ دھولئے۔ایک وضو سے انسان کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے کیونکہ جب تک وضو توڑنے والی کوئی بات ظاہر نہ ہو وضو قائم رہتا ہے۔

فرائضِ وضو

وضو کے چار[۴] فرض ہیں :-

(۱) پورا منہ دھونا (۲) کہنیوں سمیت ہاتھ دھونا (۳) سر کا مسح کرنا (۴) ٹخنوں سمیت پاؤں دھونا[لے] اگر ان میں سے کوئی فرض رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا

سُننِ وضو

وضو شروع کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا ۔ پھر پہنچوں تک ہاتھ دھونا ۔ کلی کرنا ۔ اس کے لیے مسواک استعمال کرنا ۔ ناک صاف کرنا ۔ ہر عضو کو تین بار دھونا ۔ سارے سر کا ایک بار مسح کرنا اس کے ساتھ کانوں اور گردن کا مسح کرنا ۔ گھنی داڑھی کی صورت میں خلال کرنا ۔ قرآن کریم میں مذکور ترتیب کا لحاظ رکھنا ۔ یکے بعد دیگرے ہر عضو کو دھونا ۔ پہلے دائیں عضو کو اور پھر بائیں کو ۔ پانی کا استعمال مناسب مقدار میں کرنا ۔ اس میں افراط و تفریط سے بچنا ۔ یہ سب باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے ارشادات کے عین مطابق اور آدابِ وضو میں شامل ہیں ۔

وضو کی حکمت

موجباتِ وضو سے کسلمندی اور غفلت سی پیدا ہوجاتی ہے جو وضو سے دُور ہوجاتی ہے اور جسم میں تازگی اور مستعدی آجاتی ہے عبادتِ الٰہی کے لیے توجہ اور یکسوئی حاصل ہوتی ہے اس ظاہری پاکیزگی سے باطنی طہارت کی طرف توجہ پھرتی ہے گویا ایک طرح سے تصویری زبان میں انسان یہ دُعا کرتا ہے کہ جس طرح یہ ظاہری پانی ان اعضاء کی میل کچیل کو دُور کر رہا ہے اسی طرح توبہ کا پانی اُس باطنی میل کو دور کردے جو ان اعضاء کی غلط کرداری کی وجہ سے چڑھ گئی ہے ۔

نیز وضو کی صورت میں جسم کے سات حصوں کو دھونا ان حصوں سے صادر ہونے والے

گناہوں سے تائب ہونے کی طرف اشارہ کا رنگ رکھتا ہے ۔ زبان ۔ آنکھ ۔ کان ۔ دماغ ۔ ہاتھ ۔ پاؤں اور شرمگاہ ۔ یہ سات اعضاء خدا کی نافرمانی یا فرمانبرداری کا موجب بنتے ہیں تمثیلی زبان میں ان ظاہری اعضاء کو دھو کر باطنی طور پر طاہر ہونے کی تمنا کا اظہار پایا جاتا ہے ۔

اعصابی امراض کے ماہرین کے تجربہ سے ثابت ہے کہ ہاتھ اور پاؤں کی انگلیوں کو ٹھنڈا کرنے سے جذبات اور خیالات کی رَو کو بدلا جا سکتا ہے پھر وضو کے ذریعہ پراگندہ خیالات کی رَو کو روک کر انسانی ذہن کو ذکر الٰہی کی طرف پھیرا جاتا ہے اس سے اعتدلال حاصل ہوتا ہے ۔ علاوہ ازیں وضو میں جن اعضاء کو دھویا جاتا ہے بالعموم وہی کھلے رہتے ہیں گرد وغبار اُن پر پڑتا رہتا ہے اس لیے اُن کو دھونے سے ایک تو یہ صاف ہو جاتے ہیں دوسرے ان کا دھونا آسان بھی ہے کیونکہ کپڑے وغیرہ اتارنے کی ضرورت نہیں پڑتی ۔ اخراجِ ریح سے وضو ٹوٹنے میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ تا مسجد کا تقدس قائم رہے ۔ مجالس اور اجتماعات کی فضاء جو پہلے ہی اژدھام کے تنفس کی وجہ سے ایک حد تک خراب ہو جاتی ہے بلا روک ٹوک اخراجِ ریح سے مزید مکدر نہ ہونے پائے

جرابوں پر مسح کرنا

اگر وضو کر کے جرابیں پہنی گئی ہوں تو اس کے بعد وضو کرتے وقت جرابیں اُتارنا اور پاؤں دھونا ضروری نہیں بلکہ بصورت اقامت ایک دن رات اور بصورت سفر تین دن رات اُن پر مسح ہو سکتا ہے ۔ یہ مدت جرابیں پہننے کے وقت سے نہیں بلکہ وضو ٹوٹنے کے وقت سے شروع ہوگی ۔ جب تک جرابیں استعمال کے قابل ہوں اُن پر مسح کیا جا سکتا ہے ۔ پس اگر جراب تھوڑی بہت پھٹی ہوئی ہو مثلاً شگاف میں سے کچھ ایڑی نظر آتی ہو ۔ اندازاً تین انگل کے برابر شگاف ہو لیکن استعمال کے قابل ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ایسی جرابوں پر مسح جائز ہے ۔

مسح کا مسنون طریق یہ ہے کہ ہاتھ کو پانی میں تر کر کے ان کی انگلیاں پشتِ پا یعنی جرابوں کے اوپر پھیری جائیں یا اُن پر گیلے ہاتھ رکھ دیئے جائیں ۔ چمڑے کے موزے یا بند بوٹ پر بھی مسح جائز ہے انہیں پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے اگر ایک جراب اُتر جائے تو پھر دوسری جراب بھی اتار کر اور دونوں پاؤں کو دھو کر دوبارہ جرابیں پہننی چاہئیں یہ جائز نہیں کہ ایک پاؤں کو دھو لیا جائے اور دوسرے پاؤں جس میں جراب پہنی ہوئی ہے اُس پر مسح کیا جائے اگر وضو ہو لیکن مسح کی مدت ختم ہو گئی ہو تو جرابیں اتار کر صرف پاؤں دھو لینا کافی ہے سارا وضو کرنا

ضروری نہیں۔ اگر کوئی عضو زخمی ہو اور اُسے دھونا نقصان دہ ہو خواہ اس پر پٹی بندھی ہوئی ہو یا کھلا ہو وضو کرتے وقت اس عضو کو دھونے کی بجائے اُس پر مسح کر لینا کافی ہے۔

مسح کی اجازت میں رعایت اور سہولت کے پہلو کو مدنظر رکھا گیا ہے تاکہ انسان بار بار جرابوں کو اتارنے اور پہننے کے تردد سے بچ جائے حرج اور تکلیف میں نہ پڑے۔

تیمم اور اس کے مسائل

اگر پانی کا استعمال مشکل ہو مثلاً انسان بیمار ہو یا پانی ملتا نہ ہو یا پانی نجس ہو تو نماز پڑھنے کے لیے نہانے یا وضو کرنے کی بجائے انسان تیمم کرے یعنی صاف و پاک مٹی یا کسی غبار والی چیز اور اگر ایسی کوئی چیز نہ ملے تو ویسے ہی کسی ٹھوس چیز پر صحتِ نماز کی نیت سے بسم اللہ پڑھکر دونوں ہاتھ مارے اور ان کو پہلے منہ پر پھیرے اور پھر دونوں ہاتھوں پر۔ عام حالات میں پہنچوں تک مسح کافی ہے لیکن اگر باہیں کھلی ہوں کوٹ یا سوئٹر وغیرہ نہ پہنا ہوا ہو کھلی آستینیں ہوں تو پھر کہنیوں تک مسح کرنا چاہیئے۔ اگر ہاتھوں پر زیادہ مٹی لگ گئی ہو تو مسح کرنے سے پہلے انہیں جھاڑ لینا جائز ہے۔

غسل واجب کے لیے بھی اُسی طرح تیمم کیا جاتا ہے جس طرح وضو کے لیے کیا جاتا ہے اس تیمم کے بعد انسان پاک ہو جاتا ہے اور جو نماز چاہے پڑھ سکتا ہے گھر میں بھی اور مسجد میں جاکر بھی اس کے لیے کوئی روک نہیں جب تک پانی نہ ملے یا انسان اس کے استعمال پر قادر نہ ہو تیمم سے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھنا بھی جائز ہے جن باتوں سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اُن سے تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے اس کے علاوہ پانی مل جانے یا تندرستی کے بعد پانی کے استعمال پر قادر ہو جانے سے بھی تیمم باقی نہیں رہتا اور وضو کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

تیمم سے اگرچہ ظاہری صفائی کی غرض پوری نہیں ہوتی لیکن خیالات کو مجتمع کرنے، توجہ کو ایک طرف لگانے اور ایک اہم اور بابرکت کام کرنے کے لیے مستعدی پیدا کرنے کا مقصد اس سے حاصل ہو جاتا ہے اس کے علاوہ تصویری زبان میں منکسرانہ دعا کا رنگ بھی اس میں پایا جاتا ہے گویا تیمم کرنے والا کہتا ہے اے ہمارے خدا تیرے پانی کے بغیر ہم خاک آلود ہوتے جاتے ہیں تیری یہ نعمت ہمیں نہ ملی تو ہمارے جسم گرد و غبار سے اَٹ جائیں گے۔ اس لیے تو جلد پانی عطا فرما۔

پانی اور اُس کے مسائل

طہارت حاصل کرنے کا اصل ذریعہ پانی ہے پاک وصاف پانی استعمال کرنا چاہیئے۔ بارش چشمے۔کوئیں۔تالاب۔ دریا اور سمندر کا پانی پاک ہے دوسری چیزیں اس سے دھوئی اور پاک کی جاسکتی ہیں۔صحت کے اعتبار سے جو پانی مضر ہو مثلاً اس میں پتے گل سڑ جائیں یا کیڑے وغیرہ پڑ جائیں تو اسے صاف کر لینا چاہیئے۔ پانی بہ رہا ہو یا کافی پھیلاؤ میں کھڑا ہو تو معمولی نجاست پڑنے سے وہ ناپاک نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ یا بُو یا مزہ بدل جائے اس صورت میں وہ ناقابل استعمال ہو جائے گا۔اگر پانی تھوڑا یعنی تین چار مشک سے کم ہو اور اس میں کوئی نجس چیز پڑ جائے تو وہ ناپاک ہو جائے گا۔خواہ اس گند کی وجہ سے اس کا رنگ، بُو یا مزہ نہ بدلا ہو اس سے نہ وضو جائز ہوگا اور نہ نہانا بلکہ اس کی بجائے تیمم کرنا چاہیئے اس طرح اس پانی سے کپڑے دھونا اور برتن صاف کرنا بھی جائز نہیں۔جو پانی وضو یا نہانے کے لیے استعمال ہوا ہو باوجود ضرورت اور دوسرا پانی نہ مل سکنے کے اس استعمال شدہ پانی سے دوبارہ وضو کرنا یا نہانا درست نہیں مٹی کے ملنے سے پانی جو گدلا ہو جاتا ہے اس کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں آتا کیونکہ مٹی پاک ہے اس لیے وہ پانی بھی پاک ہے اور اس سے وضو وغیرہ جائز ہے۔

پانی سے دھونے اور نجاست دور ہو جانے سے کپڑا پاک ہو جاتا ہے لیکن اگر نجاست نظر نہ آتی ہو یا اس کا نشان دور نہ ہو سکتا ہو تو پھر کپڑے کو تین بار ضرور دھونا چاہیئے ہر بار دھونے کے بعد اُسے نچوڑا جائے اس طرح سے وہ پاک ہو جائے گا۔چھوٹا دُودھ پیتا بچہ اگر کپڑے پر پیشاب کر دے تو صحتِ نماز کے لیے ان کو مل کر دھونا ضروری نہیں صرف پانی چھڑک دینا کافی ہوگا۔پٹرول وغیرہ کے ذریعہ ڈرائی کلین سے بھی کپڑا پاک ہو جاتا ہے لوہے یا کسی دوسری دھات سے بنی ہوئی چیز مثلاً چھُری وغیرہ کو اگر گند لگ جائے تو مٹی پر اچھی طرح رگڑنے یا آگ میں رکھنے سے وہ پاک ہو جائیگی۔اس طرح جوتی پر گند لگ جائے تو زمین پر رگڑنے اور چلنے پھرنے سے وہ پاک ہو جائیگی اسکو پہن کر نماز پڑھی جاسکتی ہے تاہم صفائی کے پیشِ نظر مسجد میں جوتی پہن کر نہیں جانا چاہیئے۔گند پڑنے سے اگر زمین نجس ہو گئی ہو تو دھوپ سے سوکھ جائے اور گند کا اثر زائل ہو جانے سے وہ پاک ہو جائیگی اسے پانی سے دھونے کی ضرورت نہیں۔سؤر اور کتے کے سوا باقی ہر جانور کا چمڑا دھوپ میں سکھانے یا رنگنے سے پاک ہو جاتا ہے اسکی جوتی وغیرہ بنائی جاسکتی ہے اس طرح اُسے مصلّے کے طور پر بھی استعمال کر سکتے ہیں۔

طہارت

برکاتِ وضو

وضو سے ازالہ گناہ

یہ جو لکھا ہے کہ وضو کرنے سے گناہ دور ہو جاتے ہیں اس کا یہ مطلب ہے کہ خدا تعالیٰ کے چھوٹے چھوٹے حکم بھی ضائع نہیں جاتے اور ان کے بجالانے سے بھی گناہ دُور ہو جاتے ہیں۔

(نور القرآن جلد ۲ صفحہ ۳۵)

(فتاویٰ مسیح موعودؑ صفحہ ۱۵)

مسواک

حضرت صاحب مسواک کو بہت پسند فرماتے ہیں اور علاوہ مسواک کے اور مختلف چیزوں سے دن میں کئی دفعہ دانتوں کو صاف کرتے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سنت تھی ئیں سب کو چاہیئے کہ اس طرف بھی توجہ رکھا کریں۔

(بدر ۲۸ فروری ۱۹۰۷ء)

(فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۱۵)

پگڑی پر مسح

حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا۔ پگڑی پر مسح میں اختلاف ہے۔ میری سمجھ میں جائز ہے۔

(الحکم ۲۴ نومبر ۱۹۰۵ء)

(فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۶۶)

جرابوں پر مسح کرنا

جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے۔ حکمتِ مسح کے لحاظ سے بھی اور صراحتِ حدیث کے لحاظ سے بھی اس کا جواز موجود ہے۔ حکمت تو یہ ہے کہ پاؤں میں جو موزے یا جرابیں پہنی ہوئی ہیں انہیں بار بار اتارنا نہ پڑے۔ حرج سے بچانا مقاصد شریعت کا بنیادی اصول ہے۔ نیز حدیث میں آتا ہے:۔

"عن مغیرہ بن شعبة قال توضا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومسح علی الجوربین والنعلین"

(ترمذی جلد ۱ ص۱۵ باب مسح علی الجوربین)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جرابوں اور نعلین پر مسح فرمایا۔

سوال:۔ شیعہ قرآنی آیت سے استدلال کرتے ہوئے پیروں پر مسح کرتے ہیں کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کا عمل کسی آیت کے معنی کو معین کر دیتا ہے پس جب حدیثوں اور تاریخ کی کتابوں میں تواتر کے ساتھ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ وضوء میں پاؤں دھویا کرتے تھے اور مسح صرف اُسی صورت میں کرتے جبکہ موزے یا جرابیں پہنی ہوئی ہوتی تھیں تو پاؤں پر صرف مسح کرنے کا حکم قرآن سے کس طرح ثابت ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک کام اللہ تعالیٰ کے کلام کے معنی بتانا بھی تھا اور آپ نے وارجلکم الی الکعبین کے جو معنے قولاً وعملاً بتائے وہ وہی تھے کہ پاؤں کو ٹخنوں تک دھویا جائے۔ نیز اگر پاؤں پر مسح کرنا ہی مقصد تھا تو پھر الی الکعبین کہنے کی کیا ضرورت تھی اس طرح تو یہ ایک بے معنی کلام بن جاتا ہے۔ باقی عربی کے اسلوب کے لحاظ سے پاؤں دھونے کے معنے لینے میں کوئی غلطی نہیں۔ ماہرین علوم کا ایک مانا ہوا قاعدہ ہے کہ بعض اوقات قریب ہونے کی وجہ سے پہلے کا اعراب دوسرے پر آجاتا ہے اس کو اصطلاح میں جر جوار کہتے ہیں علاوہ ازیں اس کی دوسری قرأت ارجلکم یعنی نصب کے ساتھ بھی ہے اور یہ قرأت متواتر ہے جس سے واضح ہے کہ اس کا تعلق اغسلوا سے ہے نہ کہ امسحوا سے بہرحال وضوء ایک سنت متواترہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے جب سے یہ آیت نازل ہوئی اس پر مسلمان عمل کرتے چلے آئے ہیں۔ روزانہ اس کام کو کئی بار کیا جاتا ہے ایسے متواتر عمل کے بارہ میں یہ سمجھنا کہ مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا نہیں تھا کہ وہ پاؤں دھوتے ہیں یا مسح کرتے ہیں بالکل خلاف واقع بات ہے اور یہ ثابت کرنا کہ

صحابہ کی اکثریت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پاؤں پر مسح کرتی تھی اس کا بار ثبوت شیعہ حضرات پر ہے۔

سوال:۔ جب ہوا خارج ہونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو ڈکار لینے سے کیوں نہیں ٹوٹتا جبکہ دونوں ہوائیں انتڑیوں سے خارج ہوتی ہیں اور بدبودار ہوتی ہیں۔

جواب:۔ نص شریعت اصل بنیاد ہے چونکہ نص میں صرف "ریح" کے خارج ہونے کو وضو توڑنے کا موجب قرار دیا گیا ہے اس لیے اس حد پر رکنے کا حکم ہے۔ آگے اس پر قیاس کرنے کی اجازت نہیں کیونکہ عبادات یعنی احکام تعبدی میں قیاس کو بطور ماخذ شریعت تسلیم نہیں کیا گیا۔

۲۔ پیشاب پاخانہ کی راہ سے جو چیز بھی نکلے یا اندر جائے اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ یہ امر نواقض وضو میں شامل ہے، لیکن منہ کی یہ صورت حال نہیں، منہ سے کوئی چیز نکلے یا منہ کے ذریعہ اندر جائے جیسے سانس لینا، تھوکنا، کھانا کھانا، پانی پینا اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ پس اسی طرح ڈکار سے بھی وضو نہیں ٹوٹے گا۔ باقی یہ اپنی جگہ الگ حکم ہے کہ کھانا کھانے پانی پینے سانس لینے تھوکنے، بلغم پھینکنے، چھینک مارنے یا ڈکار لینے کے آداب اور اُن کے متعلق اسلامی ہدایات کیا ہیں اور مجلس کے حقوق اُن پر کس حد تک اثر انداز ہوتے ہیں۔

۳۔ ڈکار منہ کے راستے اُس ہوا کے خارج کرنے کا نام ہے جو کھانے وغیرہ کے ساتھ دوسری نالیوں کے راستے اندر چلی جاتی ہے اور بالعموم معدہ کے اوپر کے کم متعفن حصوں میں جمع ہوتی ہے لیکن ریح مخزن نجاسات یعنی انتڑیوں اور معدہ کے نچلے حصہ سے نکلتی ہے اور اس کا مخرج یعنی نکلنے کا راستہ بھی متعفن اور نجس ہوتا ہے اس لیے ڈکار کی نسبت یہ زیادہ مکروہ کیفیت ہے اور اس کے خارج کرنے میں بے احتیاطی ایک عالمگیر ناپسندیدگی شمار ہوتی ہے۔ پس اسلام نے بھی اس ناپسندیدگی کو قائم رکھا ہے اور اُسے ناقض وضو قرار دے کر احتیاط کی ترغیب دی ہے تاکہ لازمی اجتماعات اور مجالس میں طبعی بدمزگی اور ذہنی تنفر پیدا کرنے والے اسباب کی روک تھام ہو سکے۔ اور اجتماعات میں تنفر والی اور بُو پھیلانے والی کوئی بات پیدا نہ ہو۔

سوال:۔ نماز پڑھتے ہوئے اگر وضو ٹوٹ جائے تو کیا کیا جائے؟

جواب:۔ نماز پڑھتے ہوئے اگر وضو ٹوٹ جائے تو دو صورتوں میں سے کوئی سی صورت اختیار کی جا سکتی ہے۔

ا۔ نماز چھوڑ کر جا کر وضو کرے اور پھر نئے سرے سے وہ ساری نماز پڑھے جس میں وضو ٹوٹا ہے یہ صورت بہتر ہے۔

ب۔ بغیر کسی سے بات کئے اور زیادہ دیر لگائے جا کر وضو کرے اور پھر واپس آکر وہاں سے نماز شروع کرے جہاں سے وہ چھوڑ گیا ہے۔ یہ صورت جائز ہے۔

ج۔ اگر جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہے اور وضو کر کے واپس آ کر جماعت میں شامل ہوا ہے تو جو رکعتیں امام اس دوران میں پڑھ چکا ہے وہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد اُٹھ کر پڑھ لے یہ اس کی وہی رکعتیں ہونگی جو امام کے ساتھ پڑھنے سے رہ گئی ہیں۔

د۔ اگر امام نے ابھی پوری رکعت نہیں پڑھی صرف رکوع یا سجدہ میں گیا ہے تو جلدی سے اپنے طور پر یہ رہا ہوا رکوع یا سجدہ کر کے امام کے ساتھ شامل ہو جائے۔

ابن ماجہ کی حدیث جسے حضرت عائشہؓ اور حضرت ابو سعید خدریؓ نے روایت کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں :-

من اصابہٗ قئ او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبن علی صلوٰتہ وھو فی ذالک لا یتکلم۔

(ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ)

یعنی اگر کسی کو نماز میں قے آ جائے یا نکسیر پھوٹ پڑے یا مذی کا قطرہ نکل آئے تو وہ کسی سے بولے بغیر جا کر وضو کرے اور پھر اپنی پہلی نماز پر بنا کرے یعنی جہاں سے نماز چھوڑی ہے وہیں سے شروع کرے۔

اس کی تشریح میں علماء نے لکھا ہے کہ

اجمع الخلفاء الراشدون وغیرھم کعبد اللہ بن مسعود و عبد اللہ بن عباس وعبد اللہ بن عمر و انس بن مالک و سلمان الفارسی رضی اللہ عنھم علی ذالک۔

(عمدۃ الرعایۃ لمولوی عبد الحی لکھنوی)

یعنی خلفاء راشدینؓ اور بعض دوسرے اجل صحابہ مثلاً عبد اللہ بن مسعودؓ عبد اللہ بن عباسؓ عبد اللہ بن عمرؓ انس بن مالکؓ اور سلمان فارسیؓ رضی اللہ عنہم نے بھی اسی رائے سے اتفاق کیا ہے اور بنا کو جائز قرار دیا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (نیل الاوطار ۱۸۷/۱)

یہی اصول نماز کے دوران میں قریباً تمام بھولوں کا ہے۔ مثلاً اگر کوئی بھول کر چار رکعت پڑھنے کی بجائے دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر دے اور پھر یاد آئے کہ اس نے تو صرف دو رکعتیں پڑھی ہیں تو سلام پھیرنے اور کسی سے بات کر لینے کے باوجود وہ صرف بقیہ دو رکعت ہی پڑھے گا اور آخر میں سجدہ سہو کریگا اس کے لیے نئے سرے سے چار رکعتیں پڑھنی ضروری نہیں۔ ایسا ہی اگر امام کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ کسی اور کو اپنی جگہ امام بنا کر خود وضو کرنے چلا جائے اور بقیہ نماز بطور مقتدی کے اُس دوسرے امام کے پیچھے پڑھے۔ اگر وضو ٹوٹتے ہی اس کی نماز بھی ٹوٹ جائے تو پھر تو سارے مقتدیوں کی نماز بھی ختم ہوئی کیونکہ ان کی نماز کی بنیاد امام کی نماز پر ہے۔ اسی طرح کسی حدیث یا فقہ کی کتاب میں یہ نہیں لکھا کہ یہ امام اگر وضو کر کے اور مقرر کردہ امام کا مقتدی بن کر جماعت میں شامل ہو جائے تو وہ اُن رکعتوں کو دوبارہ پڑھے جو وضو ٹوٹنے سے پہلے وہ پڑھ چکا تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث خلفاء راشدین اور آپ کے صحابہ کے عمل ائمہ فقہ کے اجتہاد اور علم اُصولِ شرعیہ کے مدّنظر یہی صحیح ہے کہ وضو کر کے آنے کے بعد انسان اپنی نماز وہیں سے شروع کر سکتا ہے جہاں سے وہ چھوڑ کر گیا تھا۔ ہاں اگر کوئی احتیاط کے پیشِ نظر نئے سرے نماز پڑھ لے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ یہ ایک محتاط طریق ہوگا۔

سوال:۔ شدید سردی کی بنا پر کیا غسل جنابت کئے بغیر تیمم سے نماز فجر ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں۔

جواب:۔ اگر کسی مرد یا عورت کے لیے بوجہ جنابت نہانا ضروری ہو لیکن شدید سردی یا کسی اور عذر کی وجہ سے نہایا نہ جا سکتا ہو تو تیمم کر کے نماز پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ عذر صحیح اور معقول ہو اور نہانے کے لیے گرم پانی کا بآسانی انتظام نہ ہو سکتا ہو یا کوئی اور معقول وجہ موجود ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں مشہور صحابی حضرت عمرو بن العاصؓ کو ایک دفعہ ایسی ہی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا تو انہوں نے تیمم کر کے نماز پڑھائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو آپ نے نہ تو اس سے منع فرمایا اور نہ ہی دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

عن عمرو بن العاص انہ لما بُعِثَ فی غزوۃ ذات السلاسل قال احتلمت فی لیلۃ باردۃ شدیدۃ البرد فاشفقت ان اغتسلتُ ان اھلك فتیممت ثم صلیت باصحابی صلاۃ الصبح فلما قدمنا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ذکروا ذالك فقال یا

عمرو صليت باصحابك وانت جنب فقلت ذكرت قول الله تعالیٰ ولا تقتلوا انفسکم ان الله کان بکم رحیما - فتیممت ثم صلیت فضحك رسول الله صلی الله علیه وسلم ولم یقل شیئاً - (سنن ابو داؤد باب الجنب یتیمم لخوف البرد)

ترجمہ:-

حضرت عمرو بن العاص بیان کرتے ہیں کہ انہیں غزوہ ذات السلاسل میں امیر لشکر بنا کر بھیجا گیا وہ کہتے ہیں کہ ایک رات انہیں احتلام ہوگیا سردی بڑی سخت تھی اور نہانے سے شدید بیمار ہونے یا جان جانے کا خطرہ تھا تو میں نے تیمم کرکے صبح کی نماز پڑھائی جب ہم واپس مدینہ آئے تو بعض سپاہیوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس واقعہ کا ذکر کیا - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا اے عمرو تو نے حالتِ جنابت میں نماز پڑھائی تو میں نے عرض کیا کہ میں نے تیمم کیا تھا - نہانے کی بجائے تیمم کا جواز اللہ تعالیٰ کے اس قول سے مستنبط کیا تھا کہ تم اپنے آپ کو قتل نہ کرو - اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرنے والا اور مہربان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب سن کر ہنس پڑے آپ نے کسی قسم کی ناراضگی کا اظہار نہ فرمایا -

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے علامہ شوکانی لکھتے ہیں:-

قد استدل بهذا الحديث الثوری ومالك وابو حنيفه و ابن المنذر علی ان من تیمم لشدة البرد وصلی لا یجب علیه الاعادة لان النبی صلی الله علیه وسلم لم یامره بالاعادة ولو کانت واجبة لامره بها ولانه اتی بما امر به وقدر علیه فاشبه سائر من یصلی بالتیمم

(نیل الاوطار ۲۵۸/۱)

یعنی اس حدیث سے حضرت امام ثوریؒ امام مالک امام ابو حنیفہ اور امام منذر وغیرہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص سخت سردی کی وجہ سے نہانے کی بجائے تیمم کر کے نماز پڑھ لیتا ہے اس کے لیے دوبارہ نماز پڑھنا ضروری نہیں

کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن العاص کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا تھا اگر دوبارہ نماز پڑھنا ضروری ہوتا تو آپ انہیں ضرور حکم دیتے بس حضرت عمرو رضؓ نے جو کیا وہ شریعت کے مطابق تھا اس لیے جس طرح دوسرے عذر کی وجہ سے تیمم کرنے والا نماز پڑھ سکتا ہے اس طرح حضرت عمرو رضؓ نے بھی تیمم کر کے نماز پڑھی۔"

سوال :- کیا غسل جنابت کے لیے عورت اپنے گوندھے ہوئے بال کھولکر دھوئے یا سر پر مسح کرے۔

جواب :- سر کے گوندھے ہوئے بال کھولنے اور دھونے ضروری نہیں صرف مسح کے رنگ میں تین چلو پانی ڈالنا اور سر پر ہاتھ پھیرنا کافی ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

عن ام سلمة قالت یا رسول الله انی امراة اشدُّ ضُفُرَ رأسی افانقضهٗ لغسل الجنابة قال لا انما یکفیك ان تحثی علی رأسك ثلاث حثیات من ماء ثم تفیضی علی سائر جسدك الماء فتطهرین۔ (ترمذی باب غسل الجنابة ۱/۱۶)

ترجمہ :- حضرت اُمّ سلمہ رضؓ کہتی ہیں کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میں مینڈھیاں مضبوطی سے باندھتی ہوں کیا غسلِ جنابت کے لیے ان کو کھولنا ضروری ہے۔ حضورؐ نے فرمایا اس کی ضرورت نہیں۔ تین چلو پانی (مسح کے رنگ میں) اوپر ڈالنا کافی ہے اس کے بعد سارے جسم پر پانی ڈال لو تو تم پاک ہو جاؤ گی۔

سوال :- اگر عورت چالیس روز سے پہلے نفاس سے پاک ہو جائے تو کیا وہ صوم وصلوٰۃ کی پابند قرار دی جاسکتی ہے یا ہر صورت مدت مقررہ یعنی چالیس روز پورے کرنے ضروری ہیں؟

جواب :- چالیس روز سے پہلے اگر عورت نفاس سے پاک ہو جائے تو نماز عبادت بجالاسکتی ہے۔ چالیس دن پورے کرنا ضروری نہیں۔ (الفضل ۱۹ راگست ۱۹۱۶ء)

نماز ہر حال میں ضروری ہے خواہ بدن پر گندہی کیوں نہ لگا ہو

سوال :- ایک مجذوم غیر احمدی نے دریافت کیا کہ میرا بدن پلید رہتا ہے بار بار پاک نہیں کر سکتا تو کیا بے وضو نماز پڑھ لوں؟

جواب :- صرف تیمم کرلیں اگر ظاہری نجاست ہو تو بشرط امکان اسکا ازالہ کرلیں اور بس۔ (الفضل ۲۹ راپریل ۱۹۱۵ء)

کوئی ناپاک نہیں ہوتا۔ خدا تعالیٰ کا حکم ہے کہ بامر مجبوری ناپاک حالت میں بھی نماز پڑھے۔ نماز پھر بھی جائز ہے خواہ آپ لید سے بھرے ہوئے ہوں تب بھی نماز پڑھئے کیونکہ آپ اپنی خوشی سے تو ایسا نہیں کرتے ہاں جتنی طہارت ممکن ہو کریں۔ باقی مجبوری امر ہے نماز پڑھیں نماز نہ چھوڑیں۔ (فائل مسائل دینی ۸-۳۲)

نماز کی تیسری شرط

ستر عورت یعنی پردہ پوشی

لباس سے بھی انسان معزز لگتا ہے اس لیے پاک صاف اور ستھرا لباس پہنکر انسان خدا کے دربار میں جائے اور اس کے حضور نماز ادا کرے۔ گندے کپڑوں میں نماز نہیں ہوتی۔ مرد کے لیے کم از کم ناف سے لے کر گھٹنوں تک کے جسم کی پردہ پوشی ضروری ہے ورنہ نماز صحیح نہ ہوگی۔ عورت نماز پڑھتے وقت صرف چہرہ بشرطیکہ وہاں کوئی نامحرم موجود نہ ہو۔ پہنچوں تک ہاتھ اور ٹخنوں تک پاؤں ننگے اور کھلے باہر رکھ سکتی ہے اس کے بال۔ باہیں اور پنڈلیاں اور جسم کا باقی حصہ پردہ میں اور ڈھکا ہوا ہونا چاہیئے باریک کپڑا جس سے جسم نظر آئے نماز پڑھتے وقت نہیں پہننا چاہیئے۔ لباس کھلا کھلا سلا ہوا ہونا چاہیئے تنگ اور چست لباس جس سے سجدہ کرنے یا بیٹھنے میں سخت دقت ہو نا پسندیدہ سمجھا گیا ہے اسی طرح ننگے سر نماز پڑھنا یا سر پر تولیہ یا رومال ڈال لینا یا چادر اس طرح اوڑھ لینا کہ ہاتھ اوپر اُٹھاتے وقت ستر کے کھل جانے کا اندیشہ ہو اچھا نہیں سمجھا گیا۔

لباس کے متعلق عام ہدایت یہ ہے کہ مرد ریشمی لباس نہ پہنیں اور نہ ہی ایسا فاخرانہ اور بھڑکیلا لباس جو سب میں نمایاں کئے رکھے اور اوچھے پن پر دلالت کرے۔ ہمیشہ ستر کے مقصد کو پورا کرنے والا باوقار اور سادہ لباس پہننا چاہیئے۔

اگر کسی شخص کے کپڑے ناپاک ہوں اُن پر نجاست لگی ہوئی ہو اور اس کے پاس اور کپڑے نہ ہوں جو بدل سکے اور نماز کا وقت آ جائے تو انہی گندے کپڑوں کے ساتھ وہ نماز پڑھ سکتا ہے اگر پردہ ہے تو کپڑے اتار کر ننگے جسم کے ساتھ نماز پڑھ لے اور یہ پرواہ نہ کرے کہ اس کے کپڑے پاک نہیں ہیں یا جسم پر کوئی کپڑا نہیں ہے کیونکہ کپڑوں کی پاکیزگی سے دل کی پاکیزگی بہرحال مقدّم ہے بس یہ کیسے

جائز ہوسکتا ہے کہ کپڑوں کی ناپاکی کے خیال سے اپنے دل کو ناپاک کرلیا جائے اور اس بہانہ سے نماز ترک کردی جائے[1]

ستر عورت

سوال:۔ نکر پہن کر نماز پڑھنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ اگر کسی کے پاس نکر ہے اور دوسرا کپڑا نہیں تو نکر پہن کر جائز ہے بلکہ اگر اس کے پاس کپڑا نہیں تو نکر چھوڑ لنگوٹی میں بھی نماز جائز ہے لیکن جان بوجھ کر ایسا کرنا جبکہ اور کپڑا موجود ہو ناجائز ہے۔

(الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۶ء)

سوال:۔ کیا عورت باریک دوپٹہ جس میں سے بال نظر آئیں اوڑھ کر نماز پڑھ سکتی ہے۔

جواب:۔ ایسے باریک دوپٹے جن میں سے بال نظر آئیں اوڑھ کر نماز ادا کرنا درست نہیں خصوصاً ایسی جگہوں میں جہاں غیر محرموں کی آمد و رفت ہو حضرت عائشہ سے حدیث مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا یقبل اللہ صلوٰۃ حائض (ای امرأۃ) الا بخمار۔

(بخاری)

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ حضور نے فرمایا:۔

لا یقبل اللہ من امرأۃ صلوٰۃ حتی تواری زینتھا ولا جاریۃ بلغت المحیض حتی تختمر

(رواہ طبرانی عن ابی قتادہ)

ان احادیث اور آیات قرآنی خذوا زینتکم عند کل مسجد اور ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن ولا یبدین زینتھن .... ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن

سے فقہاء نے مندرجہ ذیل استدلال کیا ہے۔

امام شافعیؒ اور اوزاعیؒ فرماتے ہیں:۔

تغطی جمیع بدنھا الا وجھھا وکفیھا

---

[1] تفسیر کبیر جلد پنجم حصہ سوم صفحہ ۲۳۱ تا ۲۴۲

امام مالکؒ فرماتے ہیں۔ اذا صلت المرأۃ وقد انکشف شعرھا وظھور قدمیھا تعید مادامت فی الوقت۔ لیکن صحیح مسلک یہ ہے کہ نماز میں سر کے بالوں کو حتی الوسع چھپائے رکھو اور اگر بغیر ارادہ کے بالوں کا کچھ حصہ کھل جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی۔

پس جہاں یہ تنگ نظری ہے کہ اگر ایک بال بھی کھل جائے تو نماز باطل ہو جائے گی وہاں یہ بھی ناجائز اقدام ہے کہ ایسا دوپٹہ لیکر نماز پڑھی جائے کہ جس میں سے سر کے بال صاف دکھائی دیں۔ مومن کا اصل کام یہ ہے کہ افراط اور تفریط دونوں سے بچے۔

اسلام نے یہ پسند کیا ہے کہ نماز وغیرہ کے مواقع پر سر پر ٹوپی یا پگڑی رکھی جائے۔ سر ننگا نہ ہو۔ عورتوں کے متعلق علماء میں یہ اختلاف پایا جاتا ہے کہ اگر ان کے سر کے اگلے بال ننگے ہوں تو آیا ان کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں۔

پرانے فقہاء کا خیال ہے کہ ننگے سر مرد کی نماز بھی نہیں ہوتی لیکن ہمارے ہاں مسائل کی بنیاد چونکہ احادیث پر ہے اور احادیث میں ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بعض صحابہؓ نے ننگے سر نماز پڑھی اس لیے ہم اس تشدد کے قائل نہیں کہ ننگے سر نماز ہوتی ہی نہیں ہمارے نزدیک اگر کسی کے پاس ٹوپی یا پگڑی نہ ہو اسی طرح سر ڈھانکنے کے لیے کوئی رومال وغیرہ بھی اس کے پاس نہ ہو تو ننگے سر نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ البتہ عورتوں کے لیے دوپٹہ کا ہونا ضروری ہے۔

(الفضل ۹ رفروری ۱۹۵۵ء)

سوال:۔ کیا ننگے سر نماز جائز ہے؟

جواب:۔ ایسی صورت میں ننگے سر نماز پڑھنا غلطی ہے جبکہ سر ڈھانپنے کے لیے کوئی کپڑا وغیرہ موجود ہو۔ منع نہیں۔ کئی صحابہؓ پڑھتے تھے مگر میرا خیال ہے کہ ان کے پاس سر ڈھانکنے کے لیے کپڑا نہیں ہوتا تھا۔ حدیثوں میں آتا ہے کہ صحابہؓ کے پاس بسا اوقات تہہ بند کے لیے بھی پورا کپڑا نہیں ہوتا تھا۔

(الفضل ۱۷ راکتوبر ۱۹۴۶ء)

سوال:۔ اگر صاف اور پاک کپڑا نہ ملے تو کیا کرے؟

جواب:۔ اگر کسی کو صاف اور پاک کپڑا میسر نہ آئے تو وہ گندے کپڑوں میں ہی نماز پڑھ سکتا ہے خصوصاً وہم کی بناء پر نماز کا ترک تو بالکل غیر معقول ہے جیسا کہ ہمارے ملک میں کئی عورتیں اس وجہ سے نماز ترک کر دیتی ہیں کہ بچوں کی وجہ سے کپڑے مشتبہ ہیں اور

کئی مسافر نماز ترک کر دیتے ہیں کہ سفر میں طہارت کامل نہیں ہو سکتی۔ یہ سب شیطانی وساوس ہیں۔ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا الٰہی حکم ہے جب تک شرائط کا پورا کرنا اختیار میں ہو ان کے ترک میں گناہ ہے۔

لیکن جب شرائط پوری کی ہی نہ جا سکتی ہوں یا ان کا پورا کرنا مشکل ہو تو ان کے میسر نہ آنے کی وجہ سے نماز کا ترک گناہ ہے اور ایسا شخص معذور نہیں بلکہ نماز کا تارک سمجھا جائے گا۔

(تفسیر کبیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۴)

نماز کی چوتھی شرط

قبلہ

نماز میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری ہے۔ قبلہ سے مراد وہ مقدس کمرہ ہے جو مکہ مکرمہ میں موجود ہے جسے کعبہ اور بیت اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا گھر بھی کہتے ہیں۔ پتھر کی بنی ہوئی یہ عمارت سیاہ رنگ کے ریشمی غلاف سے ڈھکی رہتی ہے۔ اس کی لمبائی ۴۴ فٹ چوڑائی ۳۳ فٹ اور اونچائی ۴۵ فٹ کے قریب ہے۔ اس کا دروازہ زمین سے سات فٹ بلند ہے اور چاہ زمزم کی طرف کھلتا ہے۔ اس کے اردگرد گول دائرہ کی شکل میں ایک وسیع مسجد ہے جسے المسجد الحرام کہتے ہیں۔ دنیا کی تمام مساجد اسی مسجد کے تابع اور اس کا ظل ہیں۔ بیت اللہ سے یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ اس مکان میں رہتا ہے۔ وہ تو لامکاں اور گھر کی احتیاج سے منزہ اور پاک ہے بلکہ اس مقدس کمرہ کو بیت اللہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جب سے مذہب کی ابتداء ہوئی دنیا میں یہ پہلی[1] عمارت ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کی خاطر بنائی گئی۔ روایت ہے کہ یہ مقدس عمارت تمام انبیاء کا قبلہ رہی حضرت آدم علیہ السّلام اور دوسرے انبیاءؑ نے اس کا حج[2] کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کسی وقت یہ عمارت منہدم ہوگئی اور اس کے اردگرد جو آبادی تھی وہ بھی اُجڑ گئی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پاکر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے پلوٹھے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہ رضؓ کو اس جگہ لا بسایا اور بالہام الٰہی باپ بیٹے دونوں نے مل کر یہ مقدس عمارت اپنی پہلی بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کی۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب تک آباد ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکہ میں رہے اس کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرتے رہے۔ مدینہ میں ہجرت کر آنے کے بعد چند ماہ بیت المقدس (واقعہ فلسطین) کی طرف آپ نے منہ کیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مستقل طور پر کعبہ کی طرف منہ کرنے کا آپ کو حکم[3] دیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق اسی مقدس مکان نے ہمیشہ ہمیش کے لئے عبادتِ الٰہی کا دائمی مرکز، مسلمانانِ عالم کی توجہات کا مرجع اور ان کے اجتماع و اتحاد کا مقدس نشان بننا تھا۔ چنانچہ اس وقت سے یہ مقدس گھر مسلمانوں کا دائمی قبلہ ہے اور بحکم الٰہی تا روز قیامت امّتِ مسلمہ کا قبلہ رہے گا۔ زادھا اللہ شرفًا و عظمتہ۔

---

[1] آل عمران: ۹۶ ؛ [2] طبری تاریخ الوفاء ۱۶۷/۲ ؛ [3] بحوالہ الفضل ۲۴ اپریل ۱۹۶۶ء ص۳ ؛ بقرہ: ۱۲۶ ؛

جو لوگ مسجدِ حرام میں نماز ادا کرتے ہیں یا کعبۃُ اللہ اُنہیں نظر آتا ہے وہ نمازیں سیدھے ُن کعبۃُ اللہ کی طرف مُنہ کریں۔ یہی وجہ ہے کہ مسجدِ حرام میں کعبہ کے اِردگرد نماز کی صفیں گول دائرہ کی شکل میں ہوتی ہیں۔ جن لوگوں کو کعبہ کی عمارت نظر نہیں آتی۔ وہ دُور ہیں یا دوسرے ممالک میں رہتے ہیں اُن کا قبلہ کعبہ اور مسجدِ حرام کی جہت ہے اُن کے لئے عین عمارت کعبہ کی طرف منہ کرنا ضرُ ری نہیں اور نہ ہی آسانی سے ایسا کرنا ممکن ہی ہے۔ خوف کی حالت ہو یا انسان کسی ایسی سواری پر سفر کر رہا ہو جسے ٹھہرانا اس کے اپنے اختیار میں نہیں یا ٹھہرانا موجب حرج ہے اور چلتے ہُوئے صحیح قبلہ کی طرف مُنہ کرنا خاصہ مشکل ہے یا سفر ہوائی جہاز کا ہے یا کسی دوسرے سیارہ میں انسان جارہا ہے ایسی تمام صورتوں میں جدھر آسانی ہو اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لینا جائز ہے[1] یہی جہت اُس کے لئے بمنزلہ قبلہ متصور ہوگی۔ اسی طرح اگر سواری میں بیٹھے بیٹھے قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز شروع کی اور سواری کے چلنے کی وجہ سے اُس کا مُنہ کسی اور طرف ہو گیا تو اُس سے نماز کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔ اگر جہت قبلہ کا پتہ نہیں چلتا اور کوئی ایسا شخص بھی موجود نہیں جس سے پوچھا جا سکے تو اپنی سمجھ اور علم کے مطابق جدھر خیال جائے کہ قبلہ اس طرف ہے اُدھر ہی منہ کر کے نماز پڑھ لی جائے۔ پھر اگر نماز کے دَوران میں پتہ لگ جائے کہ غلط جہت کی طرف منہ ہے تو نماز میں ہی صحیح جہت کی طرف منہ کر لیا جائے اور اگر نماز سے فارغ ہونے کے بعد اس غلطی کا پتہ چلے تو پھر دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ انسان نے اپنی سمجھ کے مطابق عمل کیا اس لئے جو نماز اس نے پڑھی وہ صحیح ہے۔ کعبہ کی عمارت کے اندر فرض نماز پڑھنے یا اس کی چھت پر نماز پڑھنے کی کوئی سند نہیں ملتی۔ اس لئے اسے جائز نہیں سمجھا گیا۔

قبلہ کی حکمت

نماز میں کعبہ کی طرف منہ کرنے کے یہ معنے نہیں کہ مسلمان نعوذ باللہ اس عمارت کی پرستش کرتے ہیں اور اُسے پُوجتے ہیں۔ مسلمان تو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں صرف اسی کو اپنا کارساز اور خالق و مالک مانتے ہیں۔

دراصل کعبہ کو قبلہ مقرر کرنے میں یہ حکمت ہے کہ نماز ایک مخصوص اجتماعی عبادت ہے جس میں یک جہتی اور اتحادِ عمل کو خاص طور پر ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ سب کی توجہ ایک طرف رہے۔ اس لئے عام حالات میں نماز پڑھنے کے وقت اس مقام کو سمت اور قبلہ مقرر کیا گیا جسے توحید الٰہی کیلئے

---

[1]:- بقرہ : ۱۱۵

پہلا اور اصلی مرکز ہونے کا شرف حاصل ہوا۔ جہاں خداوند تعالیٰ کی وحدانیت کے گیت گائے گئے جہاں سے تبلیغ توحید کا آغاز ہوا۔ اور جس جگہ ایسی قربانیاں دی گئیں جو تاریخ عالم میں بے مثال ہیں۔ جہاں کا چپہ چپہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے عطر سے ممسوح ہے جو مقام شعائر اللہ سے معمور ہے اور ان شعائر میں ایک مقام وہ بھی ہے جسے بیت اللہ ہونے کا منفرد شرف حاصل ہے اور توحید فی العبادت کا عظیم الشان نشان ہے۔ مسلمانان عالم دن میں کم از کم پانچ بار اسی ایک سمت کی طرف منہ کرتے ہیں جس سے عالمگیر یک جہتی اور اتحادِ انسانیت کا خیال افروز اور حسین تصور ساری دنیا کو عطا کیا گیا ہے ؂
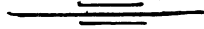
نماز کی پانچویں شرط

نیّت

صحتِ نماز کے لئے نیّت بھی ضروری ہے۔ نیّت کے معنے ارادہ کے ہیں۔ نماز شروع کرتے وقت دل میں یہ ارادہ ہونا چاہیئے کہ وہ کس وقت کی اور کونسی نماز پڑھ رہا ہے۔ کیونکہ جس نماز کی نیّت ہوگی وہی نماز اُس کی ہوگی۔ ظہر کے وقت اگر نیت یہ ہے کہ چار رکعت فرض شروع کرنے لگا ہے تو فرض نماز ہوگی۔ اگر نیّت چار رکعت یا دو رکعت سنّت کی ہے تو سنّت نماز ہوگی۔ اگر نیّت نفل کی ہے تو نفل اور اگر نیت عصر کی فرض نماز او رجمع کرنے کی ہے تو اس کے مطابق اس کی نماز ادا ہوگی۔ غرض نیّت کے بدلنے سے نماز کی نوعیت بدل جائے گی۔

نیت کا تعلق دل سے ہے اس لئے دل میں یہ طے ہونا چاہیئے کہ وہ کس وقت کی اور کتنی رکعت نماز شروع کرنے لگا ہے۔ مُنہ سے نیت کے الفاظ ادا کرنے ضروری نہیں۔ بلکہ بعض صورتوں میں تو منہ سے اظہار نیت کے الفاظ نکالنے کو مستحسن بھی نہیں سمجھا گیا۔

نیت میں خلوص کا مفہوم بھی موجود ہے۔ اگر انسان خُدا کی خاطر نماز پڑھے گا تو اُس کی نماز خُدا کے حضور مقبول ہوگی اور اگر وہ دکھاوے یا کسی اور کے ڈر سے یا خوش کرنے کے لئے نماز پڑھے گا تو خُدا تعالیٰ کے دربار سے اُسے کچھ نہیں ملے گا۔ الغرض تمام دینی اعمال کا دار و مدار ظاہراً و باطناً نیت پر ہے اس لئے خُدا تعالیٰ کے حضور ہر ایک کے اعمال اسی میزان کے مطابق تُلیں گے اور ہر ایک اسی کے مطابق بدلہ پائے گا؎

جزو سوم

نماز پڑھنے کا طریق

اسلامی نماز

اسلام میں نماز کی جو صورت متعین ہوئی ہے اُس سے بڑھ کر مقبول و متبوع صورت نہ تو کسی اور مذہب میں رائج ہے اور نہ ہی اس سے بہتر عقل میں آسکتی ہے۔ یہ جامع اور مانع طریق ان تمام عمدہ اصولوں اور مسلمہ خوبیوں اور فطری استعدادوں پر حاوی ہے جو دُنیا کے اور مذاہب میں فرداً فرداً موجود ہیں۔ اور نیازمندی کے ان تمام آداب کو شامل ہے جو ذوالجلال معبُود کے سامنے قوائے انسانی میں پیدا ہونے ممکن ہیں۔ اِس طرح وہ خاص کلمات جو نماز میں صرف زبان سے نہیں بلکہ دل سے بھی نکالے جاتے ہیں اور جس سے روحِ انسانی متاثر ہوتی ہے نماز کی بے نظیری کے کافی ثبوت ہیں۔

طریقِ نماز

جو شخص نماز پڑھنے لگے وہ پاک بدن اور پاک لباس کے ساتھ جس وقت کی نماز پڑھنا چاہتا ہے اس کی دل میں نیّت کرکے قبلہ رُو کھڑا ہو جائے۔ اس کے بعد اپنے دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھائے اور ساتھ ہی اللہ اکبر یعنی اللہ سب سے بڑا ہے کہے۔ اس تکبیر کو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں پھر اپنے ہاتھ سینہ کے نچلے حصّہ کے قریب اس طرح باندھے کہ دایاں ہاتھ اُوپر اور بایاں نیچے ہو۔ اس طرح کھڑے ہونے کو قیام کہتے ہیں۔ اس کے بعد ثناء:-

"سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَ تَعَالٰى جَدُّكَ وَلَآ اِلٰهَ غَيْرُكَ" پڑھے۔ یعنی "اے اللہ میں تجھے سب نقائص سے پاک مانتا ہُوں اور تیری حمد میں مشغول ہوں۔ برکت والا ہے تیرا نام اور بڑی ہے تیری شان۔ نہیں ہے کوئی قابلِ پرستش تیرے سوا"۔

پھر تعوّذ :-

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ - پڑھے - یعنی میں اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہُوں دھتکارے ہُوئے شیطان سے - (مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے شیطانی حملوں سے محفوظ رکھے) -

اس کے بعد تسمیہ سمیت سورۂ فاتحہ پڑھے جو یہ ہے :-

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۵ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۵ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۵ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۵ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۵ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۵ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۵ اٰمِین

ترجمہ :- "میں اللہ تعالیٰ کا نام لے کر پڑھتا ہُوں جو بے انتہا کرم کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے - تعریف - توصیف اور حمد و ثناء کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے جو تمام جہانوں کو پالنے والا - بے انتہا کرم کرنے والا - بار بار رحم کرنے والا ہے - جزا و سزا کے دن کا مالک ہے (اے ان خوبیوں کے مالک خُدا) ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں - تو ہمیں سیدھے راستے پر چلا - اُن لوگوں کے راستہ پر جن پر تُو نے انعام کیا - یہ ایسے لوگ ہیں جن پر نہ تیرا غضب نازل ہوُا اور نہ گمراہ ہُوئے - اے اللہ تُو یہ دُعا قبول فرما"

سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کی کوئی سورۃ یا کم سے کم سورۃ کا اتنا حصّہ جو تین چھوٹی آیات پر مشتمل ہو پڑھے[1] - مثلاً سورۃ کوثر ہے :-

اِنَّآ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۵ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۵ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۵

یقیناً ہم نے تجھے کوثر عطا کیا ہے - سو تُو اپنے رب کی عبادت کر اور اس کی خاطر قربانیاں کر اور یقین رکھ کہ تیرا مخالف ہی نرینہ اولاد سے محروم ثابت ہوگا -

اس کے بعد تکبیر یعنی اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا جائے اور اس طرح جُھکے کہ پیٹھ اور سر ہموار ایک سیدھ میں ہوں - دایاں ہاتھ - دائیں گھٹنے پر اور بایاں ہاتھ بائیں گھٹنے پر رکھے - رکوع میں کم از کم تین بار تسبیح "سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ" پڑھے - یعنی پاک ہے تمام نقائص سے میرا پروردگار عظیم قدرتوں والا - اور پھر تسمیع " سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ " یعنی سُنتا ہے اللہ تعالیٰ اس شخص کی جو اس کی حمد و ثنا کرتا ہے - کہتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو جائے اس دَوران

میں ہاتھ سیدھے چھوڑے رکھے۔ پھر تحمید "رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ۔ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُّبَارَكًا فِيْهِ" پڑھے۔ یعنی اے ہمارے رب تیرے لئے حمد وثنا ہے بہت حمد وثنا۔ پاکیزہ تر اس میں برکت ہی برکت ہے۔

پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اس طرح سجدہ کرے کہ گھٹنے ہاتھ ناک اور پیشانی زمین پر رکھ دے سجدہ میں تین بار تسبیح "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" کہے۔ یعنی پاک ہے تمام نقائص سے میرا پروردگار بلند شان والا۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے اس طرح بیٹھے کہ بایاں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے۔ اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے جس کی انگلیاں قبلہ رُخ ہوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھے اور دُعائے جلسہ:۔

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَعَافِنِيْ وَارْفَعْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَارْزُقْنِيْ"۔ یعنی اے میرے خُدا میرے گناہ بخش اور مجھ پر رحم فرما اور مجھے ہدایت دے اور مجھے خیریت سے رکھ اور مجھے بلندی بخش اور مجھے رزق دے۔" پڑھے۔

پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے دوسرا سجدہ کرے۔ اور اس میں بھی کم از کم تین بار تسبیح "سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى" کہے۔ اس طرح اس کی ایک رکعت مکمل ہو جائے گی۔

اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے دوسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے اور پہلے کی طرح دوسری رکعت مکمل کرے۔ یعنی ہاتھ باندھ کر تسمیہ سمیت سورۃ فاتحہ پڑھے اور اس کے بعد قرآن کریم کا کوئی حصّہ پڑھے۔ مثلاً سورہ اخلاص پڑھے جو یہ ہے:۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ	تو کہہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں اکیلا ہے
اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ	اللہ کے سب محتاج ہیں نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور نہ وہ
يُوْلَدْ ۙ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ	جنا گیا ہے اور اس کی صفات میں کوئی بھی اسکا شریک کار نہیں ہے۔

اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے پہلے کی طرح رکوع وسجدہ کرے۔ اس طرح یہ اس کی دوسری رکعت مکمل ہو گئی۔ پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے اس طرح بیٹھ جائے جس طرح وہ پہلا سجدہ کرنے کے بعد بیٹھا تھا اور اس طرح بیٹھ کر تشہد پڑھے۔ جو یہ ہے:۔

اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَالطَّيِّبٰتُ	تمام زبانی۔ بدنی اور مالی عبادتیں صرف اللہ تعالیٰ کے حضور میں
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ	ہی بجا لائی جا سکتی ہیں (یہ پاکیزہ تعلیم دینے والے) اے نبیؐ
اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَ	تجھ پر سلامتی ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اسکی برکات ہوں اور
عَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصّٰلِحِيْنَ ط	یہ اعلیٰ تعلیم قبول کرنے کی وجہ سے ہم پر بھی اور اللہ تعالیٰ

کے نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ [۱]

مَیں شہادت دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور قابلِ پرستش نہیں اور وہ اپنی ذات میں اکیلا ہے اور اُسکا کوئی ہمسر نہیں اور میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اُسکا رسُول اور بندہ ہے۔ (اور اس کے ذریعہ ہی یہ اعلیٰ تعلیم ہم تک پہنچی ہے)۔

اگر نماز صرف دو۲ رکعت کی ہے تو یہ اس کا آخری قعدہ ہوگا اس لئے تشہد کے بعد درود شریف پڑھے جس کے الفاظ یہ ہیں:۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا بَارَكْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَ عَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔

اے میرے خُدا تو اپنا خاص فضل نازل کر محمدؐ پر اور آلِ محمدؐ یعنی آپ سے قریبی تعلق رکھنے والوں پر جس طرح تُو نے ابراہیم پر اور آلِ ابراہیم پر خاص فضل نازل کیا تو بے انتہا خوبیوں والا بڑی شان والا ہے۔ اے میرے خُدا تو برکت نازل کر محمدؐ پر اور آلِ محمدؐ یعنی آپ سے قریبی تعلق رکھنے والوں پر جس طرح تو نے ابراہیم پر اور آلِ ابراہیم پر خاص برکت نازل کی۔ یقیناً تُو بے انتہا خوبیوں والا اور بڑی شان والا ہے۔

پھر حسبِ پسند دعائیں کرے مثلاً:۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ [۲]

اے ہمارے رب دُنیا میں بھی ہمیں بھلائی عطا فرما اور آخرت میں بھی بھلائی عطا فرما۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

اس کے بعد دائیں طرف مُنہ پھیرتے ہُوئے "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ" کہے۔ یعنی سلامتی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت تم پر نازل ہو۔ اسی طرح بائیں طرف مُنہ پھیرتے ہُوئے اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ کہے۔ لیکن اگر اس کی نماز تین یا چار رکعت کی ہے تو یہ اس کا درمیانی قعدہ ہوگا۔ اس لئے تشہد پڑھنے کے بعد درود شریف وغیرہ پڑھے بغیر اللہ اکبر کہتے ہُوئے کھڑا ہو جائے۔

---

[۱] : بخاری باب التشہد فی الآخرۃ ص۱۰۹ مطبوعہ ہند ؛ [۲] : سورۃ بقرہ ۲۰۱ ؛

اور پہلے کی طرح جتنی رکعتوں کی نماز ہو اس کے مطابق پہلی دو رکعتوں کی طرح تیسری چوتھی رکعت پڑھے۔ اگر یہ فرض نماز ہے تو تیسری یا چوتھی رکعت میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے۔ کوئی اور سورۃ یا قرآن کریم کا کوئی حصہ نہ پڑھے۔ سورۃ فاتحہ کے بعد رکوع میں چلا جائے۔ اور اگر فرض نماز نہیں بلکہ سنّت۔ وتر یا نفل نماز ہے تو پھر تیسری اور چوتھی رکعت میں بھی سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کا کوئی اور حصّہ پڑھنا ضروری ہوگا۔

غرض اس طرح بقیہ رکعتیں پوری کرکے آخری تشہد کے لئے بیٹھ جائے۔ تشہد پڑھے پھر درود شریف اور حسب منشاء کوئی مسنون دُعا پڑھ کر دونوں طرف مُنہ پھیرتے ہُوئے تسلیم یعنی اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ کہے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد تسبیح و تحمید کرنا کچھ دیر تک ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا۔ مختلف دعائیں پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔

جو شخص بیمار ہے اور کھڑا نہیں ہو سکتا وہ بیٹھ کر نماز پڑھے۔ اگر بیٹھ کر نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھے اور اگر رکوع و سجدہ نہیں کر سکتا تو اشارہ سے رکوع و سجدہ کرے یعنی سر کو جھکائے اور کچھ جنبش دے۔ اسی طرح اگر ریل گاڑی یا بس وغیرہ کی سواری پر سفر کر رہا ہے اور کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھ سکتا اور نہ ہی سواری کو ٹھہرا کر اتر کر نماز پڑھ سکتا ہے تو اس صورت میں بھی بیٹھے بیٹھے نماز پڑھے اس عذر کی صورت میں قبلہ کی طرف منہ کرنا ضروری نہیں ہوگا۔

نماز میں ہاتھ باندھنا

"اگرچہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھنا کسی حدیث سے ثابت نہیں اور دست بستہ کھڑا ہونا قانون فطرت کے رُو سے بھی بندگی کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اگر ہاتھ چھوڑ کر بھی نماز پڑھتے ہیں تو نماز ہو جاتی ہے۔ مالکی بھی شیعوں کی طرح ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھتے ہیں مسنون وہی طریق ہے جو اُوپر بیان ہُوا۔"

(فتاویٰ مسیح موعود صـ۴۶)

نماز میں ہاتھ باندھنے کے بارہ میں امام مالکؒ اپنی مشہور کتاب مؤطا میں روایت کرتے ہیں:-

"عن عبد الکریم بن ابی المخارق البصری انہ قال من کلام النبوۃ اذا لم تستحی فاصنع ما شئت ووضع الیدین احدھما علی الاخری

فی الصلوٰۃ الیمنی علی الیسریٰ۔

(مؤطا امام مالکؒ باب وضع الیدین احداھما علی الاخریٰ فی الصلوٰۃ ص۵۵)

اسی طرح بخاری اور مسلم کی روایت ہے:۔

عن سھل بن سعد الساعدی قد کان الناس یؤمرون ان یضع الرجل الید الیمنی علی ذراعہ الیسریٰ فی الصلوٰۃ۔

(بخاری کتاب الاذان باب وضع الیمنی علی الیسری ص۱۰۲ جلد اوّل مسلم مصری ص۱۷۳)

سوال:۔ نماز میں ہاتھ باندھنے کا طریق کیا ہے؟

جواب:۔ "ہاتھ باندھنے کا اصل اور صحیح طریق یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی اُنگلی سے بائیں ہاتھ کے پہنچے کے قریب سے کلائی پکڑے اور دائیں ہاتھ کی باقی تین اُنگلیاں لمبے رُخ بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے۔" [1]

رفع یدین

سوال:۔ اہل حدیث کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عثمانؓ آخر تک نماز میں رفع یدین کرتے رہے۔ اس بارہ میں جماعتِ احمدیہ کا کیا مسلک ہے؟

جواب:۔ نماز میں کس کس جگہ ہاتھ اُٹھائے جائیں اس بارہ میں اختلاف ہے۔ نماز شروع کرتے وقت ہاتھ اٹھانے یعنی رفع یدین کرنے کے بارہ میں تو تمام علماء کا اتفاق ہے اور صحیح احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ لیکن اس کے علاوہ مندرجہ ذیل جگہوں میں اختلاف ہے۔ رکوع میں جاتے ہُوئے۔ رکوع سے اُٹھتے ہُوئے۔ سجدہ میں جاتے ہُوئے۔ سجدہ سے اُٹھتے ہُوئے۔ سجدہ کے بعد دوسری رکعت کے لئے اُٹھتے ہُوئے۔ تشہد اوّل سے اُٹھتے ہُوئے۔ آخری تشہد کے بعد سلام کے وقت۔ غرض تکبیر تحریمہ کے علاوہ باقی سات جگہوں کے بارہ میں مختلف احادیث میں ذکر آیا ہے جس میں سے چند یہ ہیں:۔

۱۔ عن مالک بن حویرث انہ رایٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیہ فی صلوٰتہٖ اذا رکع واذا رفع راسہٗ من الرکوع واذا سجد واذا رفع راسہٗ من السجود۔ (نسائی)

یعنی مالک بن حویرث کہتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ جب

---

[1] :۔ بہارِ شریعت ص۶۳

رکوع میں جاتے۔ جب رکوع سے اُٹھتے۔ جب سجدہ میں جاتے۔ جب سجدہ سے اُٹھتے تو ہر موقع پر رفع یدین کرتے۔ اسی مفہوم کی احادیث ترمذی اور ابوداؤد میں بھی مختصراً آئی ہیں۔

۲۔ حضرت امام بخاری نے اپنے رسالہ رفع الیدین میں ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشہد اوّل سے اُٹھتے ہوئے رفع یدین کیا کرتے تھے۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کے بعد سلام پھیرتے وقت۔ ہاتھ اُٹھاتے تھے اس قسم کی تمام احادیث کے باوجود اکثر اہلِ حدیث صرف تین موقعوں پر رفع یدین کو تسلیم کرتے ہیں یعنی تکبیر تحریمہ کے وقت۔ رکوع میں جاتے ہوئے اور رکوع سے سیدھا کھڑا ہونے پر۔ انھوں نے باقی احادیث کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے بالمقابل بعض اور ائمہ نے جن میں امام ابوحنیفہ اور امام مالک بھی شامل ہیں صرف شروع میں تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کو ضروری مانا ہے اور باقی جگہوں میں ہاتھ اٹھانے سے منع کیا ہے ان ائمہ کا استدلال مندرجہ ذیل روایات سے ہے :۔

(۱) قال عبداللہ ابن مسعود الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فصلّٰی ولم یرفع یدیہ الا اول مرۃ۔

یعنی مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود نے ایک بار کہا۔ کیا مَیں تمہیں نماز پڑھا کر نہ بتاؤں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ نے اس کے مطابق نماز پڑھائی اور اُس میں صرف ایک بار (تکبیر تحریمہ کے موقع پر) ہاتھ اُٹھائے۔

یہ حدیث ترمذی نے بیان کی ہے جو صحاح ستہ میں شامل ہے۔ اسی طرح ابوداؤد اور نسائی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

(۲) عن ابن مسعود ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان لا یرفع یدیہ الا عند افتتاح الصلوٰۃ ولا یعود شیئًا من ذالک۔

یعنی ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے سوا نماز کے کسی اور حصّہ میں ہاتھ نہیں اُٹھاتے تھے۔ (مسند امام ابوحنیفہ)

(۳) عن ابن مسعود قال صلیت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وابی بکر وعمر فلم یرفعوا ایدیھم الا عند استفتاح الصلوٰۃ (بیہقی)

یعنی حضرت ابن مسعود بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ کے پیچھے نمازیں پڑھیں۔ تکبیر تحریمہ کے علاوہ یہ کسی موقع پہ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

(۴) ابواسحاق بیان کرتے ہیں۔ کان اصحاب عبد اللہ واصحاب علی لا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوٰۃ کہ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی کے ساتھی تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز کے کسی اور حصہ میں ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے۔

(۵) قال النیموی الصحابۃ رضی اللہ عنھم ومن بعدھم مختلفون فی ھذا الباب واما الخلفاء الاربعۃ فلم یثبت عنھم رفع الایدی فی غیر تکبیرۃ الاحرام۔

یعنی علامہ نیموی لکھتے ہیں کہ صحابہ رفع یدین کے بارہ میں مختلف الرائے تھے البتہ خلفائے اربعہ کے بارہ میں کسی صحیح روایت سے ثابت نہیں کہ وہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی رفع یدین کرتے تھے۔

(۶) عن ابن عباس انہ قال العشرۃ الذین شھد لھم رسول اللہ علیہ وسلم بالجنۃ ما کانوا یرفعون ایدیھم الا فی افتتاح الصلوٰۃ۔

یعنی حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ عشرہ مبشرہ میں سے کوئی بھی تکبیر تحریمہ کے موقع کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتا تھا۔

ان روایات سے ظاہر ہے کہ اس بارہ میں شروع سے اختلاف چلا آرہا ہے۔ بعض روایات سے تکبیر تحریمہ کے علاوہ بھی رفع یدین ثابت ہے! اور بعض سے اس کی تردید ثابت ہوتی ہے۔ پھر جو دوسرے مواقع پہ رفع یدین کے قائل ہیں وہ بھی ساری احادیث پہ عمل نہیں کرتے۔ بعض پہ ان کا عمل ہے اور بعض کو انہوں نے متروک العمل پایا ہے۔ ایسے حالات میں فقہ کے اوّلین ائمہ مثلاً امام اعظم ابوحنیفہ امام دارالہجرت مالکؒ۔ امام ثوری کی رائے کو خاص اہمیت حاصل ہونی چاہیئے۔ کیونکہ انہوں نے

صحابہ کے قریب کا زمانہ پایا خصوصًا امام مالک تو مدینہ کے رہنے والے تھے اور اہلِ مدینہ کا دستور العمل جو صحابہ کے اتنے قریب کا دور تھا اُن کے سامنے تھا۔ یہ سب جب عملًا رفع یدین کے اس رنگ میں قائل نہیں تو اس کا صاف مطلب ہے کہ اس بارہ میں ضرور کوئی تبدیلی واقع ہوئی ہے اور ترک رفع یدین کی روایات بے بنیاد نہیں ہیں۔

مالکیوں کی فقہ کی مشہور کتاب مدونۃ الکبریٰ میں ہے:۔

قال مالك لا اعرف رفع اليدين في شيءٍ من تكبير الصلوٰة لا في خفض ولا في رفع الّا في افتتاح الصلوٰة۔

(اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک ص۲۰۳)

یعنی امام مالک کہتے تھے کہ تکبیر تحریمہ کے علاوہ نماز کے کسی اور حصّہ میں رفع یدین کے بارہ میں میرا کوئی مشاہدہ نہیں ہے گویا آپ کے زمانہ میں اہالیان مدینہ میں اس طرح رفع یدین کا دستور نہ تھا۔ پس مذکورہ تصریحات کی روشنی میں یہ کہنا کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ پہلی بار کے علاوہ دوسرے مواقع پر رفع یدین نہ کرنے والے تارک السنت ہیں۔

اس زمانہ کے حکم و عدل سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس نزاع کا یوں حل فرمایا کہ دونوں فریق نے اس بارہ میں شدت اختیار کی ہے اور جو لوگ رفع یدین کے قائل نہیں ہیں اُن کی روایات کو ضعیف اور بے بنیاد قرار دینا بھی قرین انصاف نہیں۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"اس میں (یعنی رفع یدین میں) چنداں حرج نہیں معلوم ہوتا خواہ کوئی کرے یا نہ کرے۔ احادیث میں بھی اس کا ذکر دونوں طرح پر ہے۔ معلوم ہوتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی وقت رفع یدین کیا بعد ازاں ترک کر دیا۔" ؎[1]

ایک اور موقع پر فرمایا:۔

"ضروری نہیں اور جو کرے تو جائز ہے۔"

سوال:۔ نماز میں دو سجدے اور ایک رکوع کیوں کرتے ہیں؟

جواب:۔ اس استفسار کا اصولی جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی حکم دیا ہے اور فروعی احکام کی حکمتوں کے معلوم کرنے کے ہم مکلف نہیں ہیں۔ اس کی بالکل ایسی ہی مثال ہے جیسے ایک شخص کی قابلیت اس کی صلاحیت اور اس کی عظمت بدلائل قاطعہ ثابت ہو چکی ہو اور لوگوں نے اُسے اپنا امام تسلیم کر لیا ہو اب اگر یہ لوگ ایسے شخص کے کسی اقدام کی

---

[1] :۔ بدر ۱۴ر اکتوبر ۱۹۰۶ء

حکمت کو نہ سمجھ سکیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہوں گے کہ وہ اقدام حکمت سے خالی ہے بلکہ اس پر یہ عام قاعدہ ہی چسپاں ہوگا کہ فعل الحکیم لا یخلوا عن الحکمۃ کہ حکیم و دانا کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا تاہم اس اصولی جواب کے بعد خاص مستفسرہ امر کی یہ حکمت ظاہر ہے کہ رکوع محبوب و معبود کے سامنے آنے کی تعظیم میں ہے اور پہلا سجدہ انتہائی قرب کے مقام میں پہنچ کر قدم بوسی کے قائمقام ہے اور دوسرا سجدہ اس قرب کے مقام سے جُدا ہوتے ہوئے واپسی کی کورنش ہے جیسے انسان محبوب بادشاہ کے دربار میں جانے پر بھی قدم بوسی کرتا ہے اور وہاں سے رخصت کے وقت بھی قدم بوسی کر کے واپس ہوتا ہے۔ بہر حالت سجدہ ایک انتہائی قرب کا مقام ہے جیسا کہ حدیثوں میں آتا ہے کہ اقرب ما یکون العبد من ربہ اذا کان ساجداً اور ظاہر ہے کہ جب انسان اپنے محبوب کے قرب میں ہوتا ہے تو بار بار والہانہ انداز میں اس کے آستانہ پر جبیں سائی کرتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سوال:۔ نماز کے سلام کے بعد دائیں یا بائیں طرف رُخ کرنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کیا تھا؟

جواب:۔ حدیث میں آتا ہے کہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یؤمنا فینصرف علی جانبیہ جمیعا علی یمینہ و علی شمالہ (ترمذی ج۱) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد اپنا رُخ انور لوگوں کی طرف کر کے بیٹھتے تھے دائیں یا بائیں جس طرف چاہتے رُخ پھیرتے اس کی کوئی خاص پابندی نہ تھی۔ تاہم بالعموم آپ دائیں طرف سے ہی مڑتے تھے جیسا کہ مسلم کی روایت ہے:۔

اکثر ما رأیتُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینصرف علی یمینہ۔

(نیل الاوطار ص۳۰۹ ج۲)

علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ حسب ضرورت جدھر سے چاہے منہ پھیر سکتا ہے۔ لیکن اگر کوئی خاص ضرورت نہ ہو تو پھر دائیں طرف سے مڑنا بہر حال بہتر ہے۔ لعموم الاحادیث المصرحۃ بفضل التیامن۔

(ایضاً ص۱۰۶ ج۲)

ضروری وضاحت

جیسا کہ اُوپر اشارۃً گذر چکا ہے نماز میں دل۔ زبان اور جسم تینوں کا حصّہ رکھا گیا ہے۔ دل میں

توجہ ۔ خشوع اور اللہ تعالیٰ کی محبت ہو ۔ یہ نماز کا باطنی حصّہ ہے ۔ زبان سے حمد و ثناء اور ذکر و تلاوت ہو اور جسم سے ادب و تعظیم یعنی خضوع کا اظہار ہو یہ نماز کا ظاہری حصّہ ہے ۔ پس ظاہری لحاظ سے نماز کے دو حصے ہیں ۔ حمد و ثناء پر مشتمل کلمات ذکر جو زبان سے ادا ہوتے ہیں اور دوسرے ادب و تعظیم ۔ عجز و انکسار پر مشتمل حرکات و سکنات جن کا اظہار اعضائے جسم کے ذریعہ ہوتا ہے ۔

کلمات ذکر کا مختصر بیان اُوپر "نماز پڑھنے کا طریق" میں آچکا ہے ۔
کچھ مزید تفصیل بغرض افادہ درج ذیل ہے :-

(۱) توجیہ

نماز کی نیت سے جب کوئی مسلمان قبلہ کی طرف مُنہ کر کے کھڑا ہو تو سب سے پہلے توجیہ یعنی مندرجہ ذیل آیت پڑھے ۔ اس کے پڑھنے سے ثواب زیادہ ملتا ہے ۔ علاوہ ازیں تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء کی بجائے اس آیت کا پڑھنا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہے :-

اِنِّی وَجھت وجھی لِلَّذی فَطَرَ السّمٰوٰت والارض حنیفًا وَمَا انا مِن المُشرکین ۔

مَیں پُوری یکسوئی کے ساتھ اپنا رُخ اس ذات کی طرف پھیرتا ہوں جس نے زمین اور آسمان کو بنایا اور مَیں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہُوں ۔

(۲) دُعائے استفتاح الصلوٰۃ

"نماز پڑھنے کا طریق" میں ثناء کا ذکر آیا ہے ۔ اس کی بجائے مندرجہ ذیل دُعا بھی پڑھ سکتے ہیں ۔ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ کے بعد یہ دُعا پڑھا کرتے تھے ۔

اللھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب اَللّٰھُمَّ نقنی من خطایای کما ینقی الثوب الابیض من الدنس

اے میرے خُدا دوری ڈال دے میرے اور میرے گناہوں کے درمیان جیسے دُوری ڈال دی تُو نے مشرق اور مغرب کے درمیان اے خُدا صاف کر مجھے میرے گناہوں سے جیسے صاف کر دیا جاتا ہے سفید کپڑا میل سے ۔

اَللّٰھُمَّ اغسلنی بالماء والثلج والبرد۔ اے میرے خدا غسل دے مجھے پانی کے ساتھ اور برف اور اولوں کے ساتھ۔

(۳) سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کا کچھ زائد حصّہ پڑھنا واجب ہے اور یہ حکم اس لئے ہے تاکہ وقتاً فوقتاً انسان کو اللہ تعالیٰ کے مختلف حکموں کے علاوہ اُن کے حقائق و معارف کا علم بھی ہوتا رہے جو قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔ بطور نمونہ دو سورتوں کا ذکر "نماز پڑھنے کا طریق" میں ہو چکا ہے۔ قرآن کریم کے کچھ مزید حصّے بھی لکھے جاتے ہیں تاکہ مزید قرآن کریم یاد کرنے کا شوق پیدا ہو۔

ا۔ آیۃ الکرسی:۔

اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ — اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور قابلِ پرستش نہیں۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا اور سب کا محافظ ہے۔

لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ — نہ اس کو اُونگھ آتی ہے اور نہ نیند۔

لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ — اُسی کا ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗٓ اِلَّا بِاِذْنِہٖ — کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے حضور کسی کی سفارش کرسکے۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ — وہ جانتا ہے اس کو بھی جو ان لوگوں کے آگے پیش آنیوالا ہے اور اُس کو بھی جو اُن سے پیچھے گزر چکا ہے

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ — وہ اس کے علم میں سے تھوڑے سے حصّہ کا بھی احاطہ نہیں کر سکتے مگر اتنے کا جتنا وہ چاہے۔

وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ — اس کا اقتدار آسمان اور زمین پر حاوی ہے

وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا — اور ان کی حفاظت سے تھکتا نہیں۔

وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝ [1] — اور بلند شان والا اور بڑی عظمت والا ہے۔

ب۔ سورۃ بقرہ کی آخری آیت:۔

لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا — اللہ تعالیٰ کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالتا۔

لَھَا مَا کَسَبَتْ — جو اس نے اچھا کام کیا اس کا فائدہ اس کو ملے گا

وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ — اور جو بُرا کام عمداً کیا اس کے بدنتائج کا بھی وہی ذمہ دار ہوگا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ — خدا سے ڈرنے والے دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب اگر ہم بھول جائیں

[1] البقرۃ: ۲۵۶

إِنْ نَّسِيْنَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ج رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ إِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ج رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفہ وَاغْفِرْ لَنَا وقفہ وَارْحَمْنَا وقفہ أَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

یا غلطی کر بیٹھیں تو ہمیں سزا نہ دینا ۔ اے ہمارے رب اور تو ہم پر ایسی کڑی ذمہ داریاں نہ ڈالنا جیسی ان قوموں پر ڈالی تھیں جو ہم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ اے ہمارے رب اور اسی طرح ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوا جس کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں۔ اور ہم سے درگذر فرما اور ہمیں بخش اور ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا آقا ہے پس کافروں کے جتھوں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر ۔

(ج) سورۂ فیل :-

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝ أَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝ وَّأَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا أَبَابِيْلَ ۝ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ۝ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ ۝

کیا تو نے نہیں دیکھا تیرے رب نے ہاتھی والوں کا کیا حال کیا؟ کیا اُس نے اُن کے مکر و فریب کو بے کار نہیں کر دیا تھا۔ اور اُن پر جھُنڈ کے جھُنڈ پرندے بھیجے جو اُنہیں نشان والے کنکر مارتے تھے۔ پس اُنہیں کھائے ہُوئے بھوسے کی طرح کر دیا۔

(د) سورۂ الفلق :-

قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ ۝ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِي الْعُقَدِ ۝ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ ۝

تو کہہ کہ میں مخلوقات کے رب کی پناہ طلب کرتا ہُوں۔ اُس کی ہر مخلوق کے شر سے (بچنے کیلئے) اور ہر تاریک اور بے نُور کے شر سے (بچنے کیلئے) جبکہ اس کی تاریکی پھیل جائے اور تمام ایسے نفوس کے شر سے (بچنے کیلئے بھی)، جو باہمی تعلقات کی گرہوں میں (تعلقات تڑوانے کی نیت سے) پھونکیں مارتے ہیں ۔ اور ہر حاسد کی شرارت سے (بھی) جب وہ حسد پر تل جاتا ہے ۔

(ھ) سورۃ الناس :-

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۧ	تُو کہہ دے کہ مَیں تمام انسانوں کے رب تمام انسانوں کے بادشاہ اور تمام انسانوں کے معبود کی پناہ طلب کرتا ہُوں۔ وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے (بچنے کیلئے) جو وسوسہ ڈال کر خود پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ جو انسانوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر دیتا ہے۔ خواہ وہ (منبع شر) مخفی رہنے والی ہستیوں میں سے ہو۔ خواہ عام انسانوں میں سے۔

(۴) تشہد اور درود شریف کے بعد جو مسنون دعائیں پڑھی جاتی ہیں اُن میں سے ایک دُعا کا ذکر "نماز پڑھنے کا طریق" میں گذر چکا ہے۔ چند مزید دعائیں یہ ہیں :-

(ا) رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَ تَقَبَّلْ دُعَآءِ ہ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَ لِوَالِدَیَّ وَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۝	اے میرے رب مجھے اور میری اولاد کو نماز کی پابندی کرنے والا بنا۔ اے ہمارے رب قبول کر میری دُعا۔ اے ہمارے رب بخش دے مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مومنوں کو محاسبہ کے دن۔
(ب) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْھَمِّ وَالْحُزْنِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْعَجْزِ وَالْکَسْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنَ الْجُبْنِ وَالْبُخْلِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ غَلَبَةِ الدَّیْنِ وَقَھْرِ الرِّجَالِ ، اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِكَ عَمَّنْ سِوَاكَ ہ (دعائے قنوت)	اے اللہ مَیں تیری پناہ چاہتا ہُوں گھبرا دینے والی مصیبت سے اور فکر و رنج سے اور مَیں پناہ چاہتا ہُوں قرض کی ادائیگی میں عاجز آجانے یا کاہلی یا سُستی دکھانے سے۔ اور مَیں تیری پناہ چاہتا ہُوں بُزدلی اور بُخل سے اور مَیں تیری پناہ چاہتا ہُوں قرض کے غلبہ اور لوگوں کی زبردستی سے۔ اے اللہ اپنے رزق حلال سے میری ضرورت پوری کرتا رہ مَیں بچا رہوں اس رزق سے جسے تُو نے حرام قرار دیا ہے اور اپنے فضل سے مجھے اپنے سوا دوسروں سے بے نیاز کر۔
(ج) اَللّٰھُمَّ اھْدِنِیْ فِیْمَنْ ھَدَیْتَ	اے میرے خُدا مجھے ہدایت دیکر اُن میں شامل کر جن کو ہدایت دینے

وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَا اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ اِنَّهٗ لَا یَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ وَاِنَّهٗ لَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ وَصَلَّی اللّٰهُ عَلَی النَّبِیِّ ط

تُو نے فیصلہ کیا ہے۔ اور مجھے سلامت رکھکر اُن لوگوں میں شامل کر جن کو سلامت رکھنے کا تُو نے فیصلہ کیا ہے اور مجھے دوست بنا کر اُن لوگوں میں شامل کر جن کو دوست بنانے کا تُو نے فیصلہ کیا ہے۔ اور مجھے برکت عطا کر ان انعامات میں جو تُو نے دیئے ہیں۔ اور مجھے بچا اُن چیزوں کے نقصان سے جو تیری تقدیر میں نقصان دہ قرار دی گئیں کیونکہ تُو ہی فیصلے کرتا ہے اور تیری مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جاسکتا۔ سو وہ شخص ذلیل و خوار نہیں ہو سکتا جس کا تو دوست ہے اور نہ وہ عزت پا سکتا ہے جس کا تو دشمن ہے۔ اے ہمارے رب تو برکت والا اور بلند شان والا ہے اور اللہ تعالیٰ ہمارے نبی پر خاص فضل فرمائے (جن کے ذریعہ ہمیں ایسی عمدہ دعاؤں کا علم حاصل ہوا ہے)۔

(د) اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَیْكَ وَنُثْنِیْ عَلَیْكَ الْخَیْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ یَّفْجُرُكَ ط اَللّٰهُمَّ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْكَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰی عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ ط

اے میرے خدا ہم تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تجھ سے بخشش مانگتے ہیں تجھ پر ایمان لاتے ہیں اور تجھ پر توکل کرتے ہیں تیری بہترین تعریف کرتے ہیں اور تیرے شکر گذار ہیں اور تیری ناشکری نہیں کرتے اور ہم قطع تعلق کرتے ہیں اور چھوڑتے ہیں اس کو جو تیرا نافرمان ہے۔ اے میرے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری فرمانبرداری کا دم بھرتے ہیں اور تیرے حضور سجدہ کرتے ہیں اور تیری طرف دَوڑ کر آتے ہیں اور تیرے حضور کھڑے ہیں اور تیری رحمت کے اُمیدوار ہیں اور تیرے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ کیونکہ تیرا عذاب منکروں کو پہنچنے والا ہے وہ اس سے بچ نہیں سکتے ؛

ج اور د۔ ذکر کو دعائے قنوت بھی کہتے ہیں۔ یعنی اظہار فرمانبرداری پر مشتمل عاجزانہ دعا۔ یہ دعا آخری قعدہ میں پڑھی جا سکتی ہے۔ لیکن بالعموم وتر یا نماز فجر کی آخری رکعت میں رکوع کے بعد بھی پڑھتے ہیں۔ اسی طرح مصائب اور بلیات کے دنوں میں بھی حسب موقع ان کا پڑھنا مسنون ہے

(۵) سلام کے بعد نماز ختم ہو جاتی ہے۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر کے لئے دعا اور ذکر میں مشغول رہنا موجب ثواب ہے اس موقع کی چند مسنون دعائیں درج ذیل ہیں:۔

(ا) استغفر اللہ۔ استغفر اللہ استغفر اللہ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔	مَیں اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں۔ مَیں اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں۔ مَیں اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی قابلِ پرستش نہیں۔ وہ ایک ہے اُس کا کوئی شریک نہیں اُسکا ملک ہے اسی کیلئے حمد ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔
(ب) اَللّٰھُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ تَبَارَکْتَ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامُ۔	اے میرے خدا تو سلامتی بھیجنے والا ہے اور تیری طرف سے ہی امن و سلامتی ملتی ہے تو برکتوں کا مالک ہے۔ اے جلال اور عزت والے بادشاہ ؛
(ج) اَللّٰھُمَّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِکَ وَشُکْرِکَ وَحُسْنِ عِبَادَتِکَ۔ (ابوداؤد و نسائی)	اے میرے خدا میری مدد کر کہ مَیں تجھے یاد کروں تیرا شکر ادا کروں اور عمدگی کے ساتھ تیری عبادت بجا لاؤں ؛
(د) اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ بِحَلَالِکَ عَنْ حَرَامِکَ وَاَغْنِنِیْ بِفَضْلِکَ عَمَّنْ سِوَاکَ۔	اے میرے خدا میری مدد کر کہ تیری طرف سے آیا ہوا رزقِ حلال میرے لئے کافی ہو تا کہ حرام روزی سے بچ جاؤں اور مجھے اپنے فضل سے اپنے سوا اوروں سے مستغنی کر دے ؛
(ہ) ۳۳ بار سُبْحَانَ اللہِ	اللہ تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہے۔
۳۳ بار اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ	تمام خوبیاں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔
۳۴ بار اَللہُ اَکْبَرُ	اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔
(و) اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَجْعَلُکَ فِیْ نُحُوْرِھِمْ	اے میرے خدا ہم ان بدخواہ دشمنوں کے سینوں میں تجھے رکھتے ہیں تا تیرا خوف ان کے دلوں میں بیٹھ جائے اور وہ

وَنَعُوذُ بِكَ مِنْ شُرُوْرِهِم ۔	سخت مرعوب ہو جائیں۔ اور ہم ان کی شرارتوں سے تیری پناہ مانگتے ہیں ۔
(ز) یَا حَفِیْظُ	اے حفاظت کرنے والے ۔
یَا عَزِیْزُ	اے غالب آنے والے ۔
یَا رَفِیْقُ	اے سچا ساتھ دینے والے
رَبِّ کُلُّ شَیْءٍ خَادِمُكَ	اے میرے ربّ سب چیزیں تیری خادم ہیں ۔
رَبِّ فَاحْفَظْنِیْ	اے میرے ربّ پس تو ہی میری حفاظت کر ۔
وَانْصُرْنِیْ ۔ وَارْحَمْنِیْ	اور تو ہی میری مدد کر ۔ اور مجھ پر رحم فرما ؎
(ح) اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ اَحَبَّكَ وَحُبَّ مَا یُقَرِّبُنِیْ اِلَیْكَ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ ۔	اے میرے خدا تو مجھے اپنی محبت عطا کر اور ان لوگوں سے محبت کرنے کی بھی توفیق عطا کر جو تجھ سے محبت کرتے ہیں اور ان کاموں کے کرنے کی محبت بھی دے جو مجھے تیرے قریب کر دیں ۔ اے اللہ میرے لئے اپنی محبت کو ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب بنا دے ۔

(۲)

کلمات ذکر کے علاوہ نماز سے متعلق کچھ افعال بھی ہیں جو نمازی کو بجالانے پڑتے ہیں۔ ان افعال کا اجمالی ذکر اُوپر طریق نماز میں آچکا ہے کچھ مزید تفصیل درج ذیل ہے:۔

(۱) **رفع یدین**:۔ تکبیر تحریمہ کہتے ہُوئے دونوں ہاتھ کانوں تک اُٹھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت سے ثابت ہے۔ ہاتھ اتنے اُونچے اُٹھائے جائیں کہ انگوٹھے کانوں کی لَو کے برابر تک پہنچ جائیں۔ کانوں کو ہاتھ لگانا ضروری نہیں۔ ہتھیلیاں نیم قبلہ رُخ ہُوں۔ انگلیاں نہ بہت کشادہ اور کھلی ہُوئی ہُوں۔ اور نہ بالکل بند اور باہم ملی ہُوئی۔ بلکہ عام طبعی حالت میں ہوں۔ اس پہلی بار کے علاوہ نماز کے دَوران میں کسی اور موقع پر ہاتھ اُٹھانے ضروری نہیں ہیں۔

(۲) **ہاتھ باندھنا**:۔ تکبیر کے بعد ہاتھ سینہ کے نچلے حصّہ پر باندھنا سنّت ہے۔ دایاں ہاتھ اُوپر۔ بایاں نیچے ہو دائیں ہاتھ کی تین درمیانی انگلیاں بائیں کلائی پر ہُوں اور انگوٹھے اور چھنگلی سے پہنچے کے قریب سے کلائی کو پکڑے ہُوئے ہو۔

(۳) **قیام**:۔ جو شخص کھڑا ہو سکے اس کے لئے کھڑے ہو کر نماز پڑھنا ضروری ہے۔ قیام نماز کا ایک ضروری رکن اور فرض ہے البتہ اگر کوئی شخص بیماری یا معذوری کی وجہ سے کھڑا نہ ہو سکے تو بیٹھ کر اور اگر بیٹھ نہ سکے تو لیٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے۔ لیٹنے کا طریق یہ ہو کہ قبلہ کی طرف پاؤں کر کے چت لیٹ جائے یا پھر دائیں پہلو پر لیٹے اور مُنہ قبلہ کی طرف ہو۔

(۴) **رکوع**:۔ رکوع نماز کا ایک ضروری رکن اور فرض ہے۔ رکوع میں کمر اور سر برابر ایک سیدھ میں ہوں۔ ہاتھ سیدھے اور گھٹنوں پر رکھے ہوں۔ انگلیوں سے اُن کو پکڑے ہُوئے ہو اگر بیماری یا عذر کی وجہ سے پوری طرح رکوع نہ کر سکے تو سر کو حسب سہولت جھکانے سے رکوع ادا ہو جائے گا۔

(۵) **قومہ**:۔ رکوع کے بعد کھڑے ہونے، ہاتھ کھلے رکھنے اور کھڑے کھڑے رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہنے کو قومہ کہتے ہیں۔ یہ واجب ہے۔

(۶) **سجدہ**:۔ زمین پر پیشانی رکھنے کو سجدہ کہتے ہیں۔ یہ نماز کا ضروری رکن اور فرض ہے۔ ہر رکعت میں دو سجدے ضروری ہیں۔ سجدہ کرنے والا اپنے دونوں گھٹنے دونوں ہاتھ۔ ناک اور

پیشانی زمین پر رکھے۔ اسی طرح اس کے دونوں پاؤں بھی زمین سے لگے ہُوئے ہوں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں قبلہ رُخ ہوں۔ چہرہ دونوں ہاتھوں کے درمیان ہو۔ کہنیاں زمین سے کسی قدر اٹھی ہوئی اور بازو پہلوؤں سے الگ ہوں پیٹ ران کے ساتھ لگا ہوُا نہ ہو اگر بیماری یا عذر کی وجہ سے اس طرح پر سجدہ نہ کر سکے تو جتنا ہو سکے اتنے سر کو جھکا دینے سے سجدہ ادا ہو جائے گا۔

سجدہ اللہ تعالیٰ کے حضور تذلل اور اظہار عجز و انکسار کا انتہائی مقام ہے۔ یہ حالت قرب الٰہی اور قبولیت دُعا سے خاص مناسبت رکھتی ہے اس لئے سجدہ میں تسبیحات کے علاوہ حسب مرضی و مناسبتِ وقت بکثرت دعائیں کرنا سنّتِ رسُول سے ثابت ہے۔

(۷) **جلسہ**:۔ پہلے سجدہ کے بعد تکبیر کہتے ہوئے اُٹھ کر بیٹھنے کو جلسہ کہتے ہیں۔ یہ واجب ہے بایاں پاؤں بچھا کر اُس پر بیٹھے اور دایاں پاؤں کھڑا رکھے اس کی انگلیاں قبلہ رُخ ہوں دونوں ہاتھ رانوں پر گھٹنوں کے قریب ہوں۔ ان کی انگلیاں بھی عام طبعی حالت میں نہ بہت کشادہ نہ بہت بند، سیدھی قبلہ رُخ ہوں۔ اگر بوجہ بیماری یا معذوری کوئی اس طرح نہ بیٹھ سکے تو دونوں پاؤں بچھا کر یا کھڑے کر کے یا چوکڑی مار کر یا پاؤں آگے کر کے جیسے سہولت ہو بیٹھ سکتا ہے۔ کچھ لمحے اس طرح بیٹھنے کے بعد دوسرا سجدہ کیا جائے۔

(۸) **رکعت**:۔ حسب وضاحت بالا قیام، قرأت، رکوع، قومہ اور دونوں سجدوں کے مجموعہ کو رکعت کہتے ہیں۔ کوئی نماز دو رکعتوں سے کم نہیں ہوتی۔

(۹) **درمیانی قعدہ**:۔ اگر نماز تین یا چار رکعت کی ہو تو دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اس طرح بیٹھنا جیسے اوپر جلسہ بین السجدتین میں بیان ہوُا ہے۔ درمیانی قعدہ کہلاتا ہے یہ واجب ہے درمیانی قعدہ میں صرف تشہد پڑھتے ہیں۔ اس کے بعد نمازی تکبیر کہتے ہُوئے تیسری رکعت پڑھنے کے لئے کھڑا ہو جائے۔

(۱۰) **اشارہ یا رفع سبابہ**:۔ تشہد پڑھتے ہُوئے جب شہادت توحید کے مقام پر پہنچے تو لَا اِلٰہَ کہنے پر شہادت کی انگلی اُٹھائے اور اِلَّا اللہ کہنے پر رکھ دے یہ سنّت ہے اس کا ایک طریق جو سنّت کے مطابق ہے یہ ہے کہ انگلی اُٹھاتے وقت انگوٹھے اور درمیانی انگلی کا حلقہ بنائے اور چھنگلی اور اس کے ساتھ کی انگلی کو بھی موڑے جیسے گرہ بنائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی شہادت کی انگلی مذکورہ الفاظ کے مطابق اُٹھائے اور رکھے۔ یہ گویا اللہ تعالےٰ

کی وحدانیت کے متعلق زبانی شہادت کے ساتھ عملی شہادت بھی ہے۔ جب وہ کہتا ہے "کوئی ہمارا معبود نہیں" تو اس نفی کی عملی تائید میں اپنی انگلی اٹھاتا ہے۔ اور پھر جب وہ کہتا ہے "مگر صرف اللہ ہی سچا معبود ہے" تو اس اثبات کی عملی تائید میں اپنی انگلی نیچے رکھ دیتا ہے۔ جیسے انسان بات کرتے ہوئے عادتاً ساتھ ساتھ اپنے ہاتھ یا سر بھی ہلاتا جاتا ہے۔

(۱۱) **آخری قعدہ**:۔ نماز کی ساری رکعتیں پڑھنے کے بعد آخر میں مذکورہ بالا طریق جس کا ذکر جلسہ بین السجدتین میں ہو چکا ہے کے مطابق بیٹھنا آخری قعدہ کہلاتا ہے۔ یہ نماز کا ضروری رکن اور فرض ہے۔ اس قعدہ میں تشہد کے علاوہ درود شریف اور مسنون دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں اس کے بعد سلام پھیرتے ہیں جس میں یہ نیت ہونی چاہیئے کہ جو انسان اور فرشتے میری دائیں طرف ہیں ان کو سلام ہو اور جو بائیں طرف ہیں ان کو بھی سلام ہو گویا نمازی پہلے اللہ تعالیٰ کے دربار میں گیا ہوا تھا اور اب وہاں سے باہر نکل کر اپنے ملنے والوں کے پاس آیا ہے اور ان کو سلام کہتا ہے۔

---

(۳)

"نماز پڑھنے کا طریق" میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں اُن میں بعض باتیں انتہائی اہم اور رکن کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض کی اتنی اہمیت نہیں اس لحاظ سے تفصیلی تجزیہ مندرجہ ذیل ہے۔

---

(۱) ارکانِ نماز

ارکان رکن کی جمع ہے۔ رکن نماز کے اہم اور ضروری حصہ کو کہتے ہیں۔ نماز کے ارکان سات ہیں تکبیر تحریمہ۔ قیام۔ قراءت۔ رکوع۔ دو سجدے۔ آخری قعدہ اور سلام۔ ان میں ہر ایک کا کرنا فرض اور ضروری ہے۔ اگر جان بوجھ کر چھوڑے تو نماز دوبارہ پڑھے اور اگر بھول کر یا غلطی سے رہ جائے تو اسے آخری قعدہ سے پہلے ادا کیا جائے اور پھر آخری تشہد میں مسنون دعاؤں کے بعد سجدہ سہو کیا جائے۔ مثلاً کوئی بھول گیا اور دو سجدوں کی بجائے ایک ہی سجدہ کیا اور بعد میں یاد آیا تو پہلے یہ سجدہ کیا جائے اس کے بعد سلام پھیرا جائے اگر تشہد وغیرہ پڑھنے بلکہ سلام پھیرنے کے بعد یاد آئے تو بھی

لے ۱۔ ترمذی ۳۲/۱

ایسا ہی کرے یعنی پہلے اس بھولے ہُوئے رکن کو ادا کرے۔ پھر آخری قعدہ کا تشہد درود شریف وغیرہ پڑھے۔ پھر سجدہ سہو کرے اور اُس کے بعد سلام پھیرے۔[۱]

(۲) واجباتِ نماز

واجب نماز کے ضروری حصّے کو کہتے ہیں لیکن رکن سے اس کی اہمیت کسی قدر کم ہے۔ نماز کے واجبات بارہ ہیں۔ (۱) سورہ فاتحہ پڑھنا (۲) ضم سورۃ یعنی فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں اور سنن و نوافل کی ساری رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ قرآن پاک کا کچھ اور حصّہ پڑھنا خواہ پوری سورۃ ہو یا اس کا کوئی حصّہ۔ (۳) آمین کہنا۔ (۴) رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہونا یعنی قومہ۔ (۵) پہلے سجدہ کے بعد بیٹھنا یعنی جلسہ۔ (۶) دو رکعتیں پڑھنے کے بعد بیٹھنا۔ یعنی درمیانی قعدہ۔ (۷) قعدہ خواہ درمیانی ہو یا آخری اس میں تشہد پڑھنا۔ (۸) سلام کے وقت مُنہ دائیں اور بائیں پھیرنا۔ (۹) ہر رکن کو ٹھہر ٹھہر کر پورے وقار۔ طمانیت اور آرام سے ادا کرنا۔ جسے تعدیل ارکان کہتے ہیں۔ (۱۰) ہر رکن کو اپنی اپنی جگہ ترتیب سے ادا کرنا جو پہلے ہے اُسے پہلے اور جو بعد میں اُسے بعد میں۔ اسے ترتیب الارکان کہتے ہیں۔ (۱۱) نماز باجماعت کی صورت میں مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں اور فجر۔ جمعہ۔ عیدین کی ساری رکعتوں میں امام کا سورۃ فاتحہ اور دوسری قرأت کو بلند آواز سے پڑھنا اور ظہر و عصر کی ساری رکعتوں میں قرأت آہستہ آواز سے پڑھنا نیز (۱۲) امام کے لئے تکبیر تحریمہ بلند آواز سے کہنا۔

ان واجبات میں سے اگر کوئی واجب جان بوجھ کر عمداً چھوڑ دے تو نماز نہیں ہوگی اگر بھول سے رہ جائے تو اس کے تدارک کے طور پر آخر میں سجدہ سہو کیا جائے۔ مثلاً درمیانی قعدہ بھول گیا یا غلطی سے رکوع کے بعد سیدھا کھڑا ہوئے بغیر سجدہ میں چلا گیا تو اس قسم کی بھول یا غلطی کا تدارک صرف سجدہ سہو کرنے سے ہو جائے گا۔ گویا رکن اور واجب میں یہ فرق ہے کہ رکن اگر بھول سے رہ جائے تو اُسے ادا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے ساتھ سجدہ سہو بھی کرنا پڑتا ہے۔ لیکن اگر واجب رہ جائے تو پھر اس کے ادا کرنے کی ضرورت نہیں اس کی بجائے صرف سجدہ سہو کر لینا کافی ہے۔

(۳) سننِ نماز

سنن سنت کی جمع ہے۔ سنت سے مُراد نماز کا وہ حصّہ ہے جس کے کرنے سے ثواب ملتا ہے۔

اور اگر بھول سے رہ جائے تو سجدہ سہو کرنا ضروری نہیں ہوتا ۔ نماز کے یہ سنن پندرہ ہیں (۱) تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں تک اٹھانا ۔ (۲) ہاتھ باندھنا ۔ (۳) ثناء پڑھنا ۔ (۴) سورۃ فاتحہ کی قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا ۔ یعنی تعوذ ۔ (۵) رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہنا ۔ (۶) رکوع میں تین یا تین سے زیادہ بار تسبیحات کہنا ۔ (۷) رکوع سے اُٹھتے ہوئے سمع اللہ کہنا یعنی تسمیع ۔ (۸) کھڑے ہوکر ربنا ولک الحمد کہنا یعنی تحمید ۔ (۹) سجدہ میں جاتے ہوئے اور سجدہ سے اُٹھتے ہوئے تکبیر کہنا ۔ (۱۰) سجدہ میں تین یا تین سے زیادہ تسبیحات کہنا ۔ (۱۱) درمیانی قعدہ کے بعد تیسری رکعت کے لئے اُٹھتے ہوئے تکبیر کہنا ۔ (۱۲) تشہد میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت کے وقت انگلی سے اشارہ کرنا ۔ (۱۳) آخری قعدہ میں تشہد کے بعد درود شریف اور دوسری مسنون دعائیں پڑھنا ۔ (۱۴) فرض کی پچھلی ایک یا دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھنا ۔ (۱۵) نماز باجماعت کی صورت میں امام کا تکبیرات انتقالات نیز تسمیع و تسلیم بلند آواز سے کہنا ۔

یہ سب باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ثابت ہیں ۔ ان کے کرنے سے ثواب زیادہ ملتا ہے اور اگر کوئی جان بوجھ کر ان میں سے کسی سنت کو چھوڑے تو گنہگار ہوگا ۔ لیکن اگر بھول چوک ہوجائے تو درگذر کے قابل سمجھا جائے گا اور سجدہ سہو بھی ضروری نہ ہوگا ۔ گویا نماز میں ان سنن پر عمل کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی امتحان میں اعلیٰ نمبر لے کر پاس ہو اور اس کامیابی پر اُسے خاص انعام کا مستحق قرار دیا جائے ۔ اس کے برعکس جو شخص ان میں سے کوئی سنت بھول گیا تو گو وہ پاس سمجھا جائے گا لیکن دوسرے درجہ میں اس لئے وہ کسی خاص انعام کا مستحق نہیں ہوگا ۔

۴ مستحبات

مستحبات مستحب کی جمع ہے ۔ یعنی وہ بات جو نماز کو حسین بنا دیتی ہے اس کے کرنے سے ثواب زیادہ ملتا ہے ۔ لیکن نہ کرنے پر کوئی گناہ لازم نہیں آتا ۔ مستحبات نماز یہ ہیں ۔ (۱) قیام کے وقت نظر سجدہ کی جگہ پر اور رکوع کے وقت پاؤں پر اور قعدہ کے وقت سینہ پر مرکوز رکھنا اور ادھر اُدھر نہ دیکھنا ۔ رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر سیدھے اور پہلو سے جُدا رکھنا ۔ رکوع کے بعد کھڑے ہونے کے وقت ہاتھ کھلے چھوڑنا اور سجدہ میں جاتے وقت اس ترتیب سے جُھکنا کہ پہلے گھٹنے پھر ہاتھ پھر ناک اور آخر میں پیشانی زمین پر لگیں اور سجدہ سے اُٹھتے وقت اُس کے اُلٹ کرنا یعنی پہلے پیشانی

زمین سے اٹھانا۔ پھر علی الترتیب ناک، ہاتھ اور گھٹنے۔ ہاتھ یا کسی اور چیز کا سہارا لئے بغیر سیدھے کھڑے ہو جانا۔ جلسہ اور قعدہ میں ہاتھ رانوں پر گھٹنوں کے قریب رکھنا اور انگلیوں کا قبلہ رُخ ہونا۔ عورتوں کا تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں تک اُٹھانے کی بجائے کندھوں تک اٹھانا۔ سورۃ فاتحہ کے بعد پہلی رکعت میں بڑی اور دوسری میں نسبتاً چھوٹی سورت پڑھنا[1] نماز باجماعت کی صورت میں امام کا جہری نمازوں (مغرب، عشاء اور فجر) میں بسم اللہ آہستہ آواز سے پڑھنا مقتدیوں کا "آمین" کسی قدر بلند آواز سے اور تحمید آہستہ آواز سے کہنا۔

یہ سب باتیں نماز کو سنوار کر پڑھنے سے متعلق ہیں۔ ان کی پابندی سے ثواب بڑھ جاتا ہے۔ اور نماز میں خاص حسن پیدا ہو جاتا ہے۔ تاہم ان میں سے کسی امر کے رہ جانے سے نہ تو نماز میں کوئی خاص نقص واقع ہوتا ہے اور نہ ہی سجدہ سہو کرنا لازم آتا ہے۔

(۵) مکروہاتِ نماز

مکروہات مکروہ کی جمع ہے۔ یعنی ایسی بات جس کا کرنا نماز میں مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔ جس سے بچنا چاہیئے۔ مکروہات نماز درج ذیل ہیں:۔

نماز پڑھتے وقت ہاتھ آستینوں کے اندر رکھنا۔ کنکھیوں سے ادھر اُدھر دیکھنا۔ آسمان کی طرف دیکھنا آنکھیں بند رکھنا۔ جلدی میں نماز پڑھنا۔ بلا عذر دیوار یا کسی اور چیز کا سہارا لینا۔ ننگے سر نماز پڑھنا۔ سجدہ میں پاؤں کی انگلیاں زمین پر نہ لگانا بلکہ اُوپر اٹھا رکھنا۔ بھوک لگی ہوئی ہو اور کھانا لگا دیا گیا ہو۔ ایسی حالت میں نماز شروع کرنا۔ بیت الخلاء جانے کی ضرورت کے احساس کے باوجود نماز پڑھتے رہنا قبرستان میں نماز پڑھنا جبکہ سامنے قبر ہو۔ صرف ایک طرف دائیں یا بائیں سلام پھیرنا۔ نماز پڑھتے وقت بہت چُست اور تنگ لباس پہننا جس سے رکوع اور سجدہ کرنے یا قعدہ میں بیٹھنے میں دقت ہو۔ قیام کے وقت ایک ٹانگ پر کھڑا ہونا اور دونوں پاؤں پر یکساں زور نہ ڈالنا۔ باوجود گنجائش کے ایک ہی کپڑا جسم پر لپیٹ کر نماز پڑھنا۔ مسجد میں جوتی سمیت نماز پڑھنا۔ ایسی جگہ نماز پڑھنا جس کا ماحول صاف ستھرا پاک وصاف یا پُرسکون نہ ہو۔ اور نماز میں یکسوئی پیدا نہ ہو سکتی ہو۔ مثلاً بکریوں کے باڑہ میں یا اصطبل میں یا بازار میں جہاں ہر ایک کی آمد و رفت ہے نماز پڑھنا۔ کھلی جگہ میں جہاں قریب اور سامنے سے راستہ گزرتا ہو سترا کھڑا کئے بغیر نماز پڑھنا۔ تکبیر تحریمہ کے وقت ہاتھ کانوں سے بھی اُوپر اٹھانا یا ہاتھوں کی انگلیاں بہت زیادہ پھیلا دینا۔ سلام کے جواب میں سر ہلا دینا۔

---

[1] :۔ بخاری ص۱۰۵

کھانے کے بعد کلی کئے بغیر نماز پڑھنا ۔ کوئی چیز مثلاً پانی مُنہ میں دبا کر نماز پڑھنا ۔ پہلی رکعت میں قرآن کریم کا جو حصّہ پڑھا ہے دوسری رکعت میں جان بوجھ کر بلا کسی عذر کے اس سے پہلا حصّہ پڑھنا ۔ نماز باجماعت کی صورت میں امام سے پہلے رکوع یا سجدے سے سر اٹھانا ۔ ان میں سے کوئی بھی بات نماز میں کرنا ناپسندیدہ ہے ۔ اس سے نماز کا حسن واعتدال ہوتا اور ثواب میں کمی آجاتی ہے ۔

نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنا منع ہے ۔ گزرنے والا گنہگار ہوگا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے شیطان کہا ہے ۔ آگے سے گزرنے والے کو بشرطیکہ وہ بہت قریب سے گزرے روکنا چاہیئے ۔ لیکن اگر روکنے کے باوجود گزر جائے تو نماز پڑھنے والے کی نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا نہ وہ ٹوٹے گی اور نہ مکروہ ہوگی ۔ اگر نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنے کی اشد ضرورت ہو تو آگے کی دوسری صف سے گزر سکتا ہے گویا نمازی اور اس کی سجدہ گاہ یا کھڑے کئے ہوئے سترہ کے درمیان سے گذرنا بہرحال منع ہے ۔

نماز پڑھتے ہوئے اگر کوئی موذی جانور سامنے آجائے جیسے سانپ ، بچھو ، کتا وغیرہ تو حالت نماز میں اُسے مار دینے یا پرے ہٹا دینے کی اجازت ہے اس سے نماز میں کوئی نقص اور حرج واقع نہیں ہوگا ۔

(۶) مبطلاتِ نماز

مبطلات ، مبطل کی جمع ہے یعنی وہ بات جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے ۔ نماز کو توڑنے والی باتیں یہ ہیں :-

نماز کی کسی شرط یا اس کے کسی رکن یا واجب کو بلا کسی عذر کے جان بُوجھ کر چھوڑ دینا ۔ نماز پڑھتے وقت جان بوجھ کر کسی سے بات کرنا ۔ سلام کا جواب دینا ۔ اِدھر اُدھر مُنہ پھیر کر دیکھنا یا کھل کھلا کر ہنس پڑنا یا نماز کے منافی کوئی اور کام کرنا ۔ نماز میں وضو کا ٹوٹ جانا ۔ ستر کھل جانا ۔ جسم یا کپڑے کو کوئی نجاست لگ جانا ۔ ان میں سے کوئی صورت ہو نماز ٹوٹ جائے گی ۔ اس لئے نئے سرے سے نماز پڑھنا ضروری ہوگا ۔ بے اختیار وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں ایسا ہو سکتا ہے کہ خاموشی سے کسی سے بات کئے بغیر انسان جا کر جلد جلد وضو کرے اور پھر اُسی جگہ سے آکر نماز شروع کردے جہاں چھوڑ گیا تھا ۔

مشتبہات

سوال :۔ کیا اندھیرے میں نماز پڑھنا منع ہے؟
جواب :۔ کوئی منع نہیں۔ احادیث میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں نماز پڑھتے تھے اور جب سجدے کو جاتے تھے تو آگے حضرت عائشہؓ لیٹی ہوتی تھیں۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب حضورؐ سجدہ کرتے تو میں اپنے پیروں کو اکھٹے کر لیا کرتی تھی۔“[۱]

نماز میں جواب دینا

سوال :۔ اگر ایک شخص نماز پڑھ رہا ہو اور باہر سے اس کا افسر آجاوے اور دروازہ کو ہلا ہلا کر اور ٹھونک ٹھونک کر پکارے اور دفتر یا دوائی خانہ کی چابی مانگے تو ایسے وقت میں اسے کیا کرنا چاہیئے۔ اسی وجہ سے ایک شخص نوکری سے محروم ہو کر ہندوستان واپس چلا گیا۔
جواب :۔ ایسی صورت میں ضروری تھا کہ وہ دروازہ کھول کر چابی افسر کو دے دیتا کیونکہ اگر اس کے التوا سے کسی آدمی کی جان چلی جاوے تو یہ سخت معصیت ہوگی۔ احادیث میں آیا ہے کہ نماز میں چل کر دروازہ کھول دیا جاوے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ ایسے ہی اگر لڑکے کو کسی خطرہ کا اندیشہ ہو یا کسی موذی جانور سے جو نظر پڑتا ہو ضرر پہنچتا ہو تو لڑکے کو بچانا اور جانور کو مار دینا اس حال میں کہ نماز پڑھ رہا ہے گناہ نہیں ہے اور نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ بعضوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ گھوڑا کھل گیا ہو تو اُسے باندھ دینا بھی مفسد نماز نہیں ہے کیونکہ وقت کے اندر نماز تو پھر بھی پڑھ سکتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اشد ضرورتوں کے لئے نازک مواقع پر یہ حکم ہے۔ یہ نہیں کہ ہر ایک قسم کی رفع حاجت کو مقدم رکھ کر نماز کی پروا نہ کی جاوے اور اسے بازیچہ اطفال بنا دیا جائے۔ نماز میں اشتغال کی سخت ممانعت ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک دل اور نیت کو بخوبی جانتا ہے۔[۲]

سوال :۔ مسجد میں جب نماز کھڑی ہو تو بعد میں آنے والا اونچی آواز سے سلام کہہ سکتا ہے؟
جواب :۔ جماعت اگر کھڑی ہو تو باہر سے آنیوالے کیلئے السلام علیکم کہنا منع نہیں اس کی مرضی ہے

---

[۱] ۔ الفضل ۱۹ر جنوری ۱۹۶۲ء ٭ [۲] ۔ الحکم دسمبر ۱۹۰۲ء ٭

چاہے سلام بلند آواز سے کہے یا آہستہ آواز سے حسب طبیعت عمل کرے۔ ہاں نمازی جواب نہ دیں۔

سوال :۔ ایک نابینا شخص نماز باجماعت میں میرے ساتھ کھڑا تھا۔ چوتھی رکعت میں وہ التحیات بیٹھنے کی بجائے کھڑا ہونے لگا۔ میں نے کپڑا کھینچ کر اُسے بٹھا دیا۔ کیا میرے اس فعل سے نماز تو خراب نہیں ہوئی؟

جواب :۔ جو صورت آپ نے بیان کی ہے وہ جائز ہے اس سے نماز میں حرج واقع نہیں ہوتا کیونکہ بوقتِ ضرورت معمولی حرکت ناقض نماز نہیں۔ مثلاً اگر کوئی باہر دروازہ کھٹکھٹا رہا ہو تو سبحان اللہ کہہ کر اُسے مطلع کرنا کہ نماز میں ہوں یا اگر قریب ہے اور ضروری معلوم ہوتا ہے تو چل کر کنڈا کھول دینا یا اگر بچہ ہے تو اُسے شرارت کرنے سے معمولی طور پر روکنا یا اگر رو رہا ہے اور پاس ہے تو اُسے اُٹھا لینا یہ سب امور ضرورت پر منحصر ہیں۔ بشرطِ ضرورت ان سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

سوال :۔ مسجد میں نماز ادا کرنے والوں کے سامنے سے بعض لوگ غلطی سے گزر جاتے ہیں۔ کئی نمازی انہیں ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس بارہ میں صحیح مسلک کیا ہے؟

جواب :۔ نماز پڑھنے والے کے آگے سے گزرنا گناہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

لو یعلم المارّ بین یدی المصلی ماذا علیہ لکان ان یقف اربعین خیراً لہ من ان یمرّ بین یدیہ۔ (بخاری)

کہ اگر نمازی کے آگے سے گزرنے والا جانتا کہ اُسے اس کا کتنا بڑا گناہ ہوتا ہے تو چالیس تک کھڑے رہنا اس کے آگے سے گزرنے سے زیادہ بہتر سمجھتا یعنی ایک انسان معمولی سی جلد بازی کے نتیجہ میں بعض اوقات اپنا بہت بڑا نقصان کر لیتا ہے حالانکہ اگر وہ تھوڑا سا صبر کر لیتا تو وہ اس بڑے گناہ سے بچ جاتا۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنے لگے تو نمازی کو چاہیئے کہ وہ اُسے روکے اور اگر وہ نہ رُکے تو اُسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دے کیونکہ وہ شیطان ہے یعنی جلد بازی اور نماز کے عدم احترام کی وجہ سے وہ شیطنت کا مرتکب ہو رہا ہے (بخاری و مسلم)

باقی کسی کے گزرنے سے نماز پڑھنے والے کی نماز پر کچھ اثر نہیں پڑتا اُس کی نماز صحیح ہے۔ صرف گزرنے والا ہی گنہگار ہوتا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ اگر کوئی شخص نمازی کے آگے سے گزرنا چاہے تو

کتنی دُور سے گزرے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایک صف کا فاصلہ چھوڑ کر آگے سے انسان گزر سکتا ہے ۔ یوں سمجھئے کہ سجدہ میں پیشانی کے رکھنے کی جگہ سے ایک دو فٹ ادھر سے گزرنا جائز ہوگا ۔
دراصل ممانعت اس بات کی ہے کہ انسان نمازی اور اس کی سجدہ گاہ کے درمیان میں سے گزرے حسب ضرورت سجدہ گاہ سے باہر کی طرف سے گزرنا منع نہیں ۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر کوئی شخص نیزہ یا کسی اور چیز سے اپنی صف کا تعین کرے یعنی سترہ رکھ لے تو اُس کے ورے گزرنے میں کوئی حرج نہیں ۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

اذا صلّی احدکم فلیجعل تلقاء وجھہ شیئًا فان لم یجد فلینصب عصًا فان لم یکن معہٗ عصًا فلیخط خطًا ولا یضرّہٗ مارّ بین یدیہ ۔ (مسند احمد)

یعنی اگر کوئی کھلی جگہ نماز پڑھنے لگے تو اُسے چاہیئے کہ نماز شروع کرنے سے پہلے اپنے سامنے کوئی چیز رکھ لے جو سترہ اور روک کا کام دے ۔ اگر اس کے پاس اور کوئی چیز نہ ہو تو اپنی چھڑی ہی کھڑی کر دے اگر چھڑی بھی نہ ہو تو خط کھینچ دے جس کے معنے یہ ہوں گے کہ اس نشان کے اندر سے گزرنا منع ہے ۔ البتہ اس کے باہر سے انسان گزر سکتا ہے اور اس سے نماز پر کچھ اثر نہیں پڑے گا ۔

چونکہ آجکل مساجد میں صفیں بچھی ہوتی ہیں یا صفوں کے نشان بنے ہُوئے ہوتے ہیں اسلئے اب مساجد میں اپنے طور پر سُترہ کے لئے مذکورہ بالا قسم کے نشان قائم کرنے کی کوئی خاص ضرورت نہیں ۔
غرض مختلف احادیث کی بناء پر عُلماء نے وضاحت کی ہے کہ نمازی سے قریبًا تین ہاتھ کی دُوری سے انسان گزر سکتا ہے ۔ (نیل الاوطار ۸۳/۳)

اس گنجائش کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ حدیث میں نمازی کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ آگے سے گزرنے والے کو ہاتھ سے روکے اور یہ تب ہی ممکن ہے جبکہ وہ نمازی کے اتنے قریب سے گزر رہا ہو کہ نمازی کا ہاتھ اس تک پہنچ سکتا ہو ۔ یہ حکم تو بالکل نہیں کہ نماز پڑھنے والا آگے بڑھ کر اور کچھ قدم چل کر گزرنے والے کو جا روکے ۔ پس روکنے یا گزرنے والے کے گنہگار ہونے کا سوال تبھی پیدا ہوتا ہے جبکہ نمازی کے قریب سے اُسی صف پر سے گزرے جس میں نمازی نماز پڑھ رہا ہے ۔ سامنے کی دوسری صف پر حسب ضرورت گزرنا منع نہیں ۔

سوال :۔ نماز کی حالت میں اگر کُتّا سامنے سے گزر جائے تو کیا جو حصّہ ادا کیا جا رہا ہے وہ دوبارہ پڑھنا ہوگا؟

جواب: ۔ نمازی کے سامنے سے اگر کتّا گزر جائے تو اس سے نماز ٹوٹتی نہیں۔ جس حدیث کی طرف آپ کا ذہن گیا ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ کتّے یا اس قسم کی موذی چیز کے گزر جانے سے طبیعت میں جو ہیجان یا اضطراب کی کیفیّت بعض اوقات پیدا ہو جاتی ہے اُس سے نماز ٹوٹنے کا اندیشہ ہے۔ گویا یوں فرمایا کہ ایسی صورت میں نماز ٹوٹی کہ ٹوٹی۔ اس لئے ان چیزوں کو نماز پڑھنے کی جگہ سے دُور رکھو۔

سجدہ سہو

نماز میں اگر کوئی ایسی غلطی سرزد ہو جس سے نماز میں شدید نقص پڑ جائے مثلاً سہواً فرض کی ترتیب بدل جائے یا کوئی واجب جیسے درمیانی قعدہ رہ جائے یا رکعتوں کی تعداد میں شک پڑ جائے تو اس غلطی کے تدارک کے لئے دو زائد سجدے کرنے ضروری ہیں اس کو سجدہ سہو کہتے ہیں یعنی بھول چوک کے تدارک کا سجدہ۔ یہ دراصل دو سجدے ہوتے ہیں جو نماز کے آخری قعدہ میں تشہد۔ درود شریف اور دعاؤں کے بعد کئے جاتے ہیں۔ جب آخری دُعا ختم ہو جائے تو تکبیر کہہ کر دو سجدے کئے جائیں اور ان میں تسبیحات سجدہ پڑھی جائیں اس کے بعد بیٹھ کر سلام پھیرا جائے۔ سجدہ سہو کرنے سے دراصل اس اقرار کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ بھول چوک اور ہر قسم کے نقص سے صرف رب العزت کی ذات پاک ہے انسان کمزور ہے۔ اس کی اس غلطی سے درگذر فرمایا جائے اور اس کے بدنتائج سے اُسے بچایا جائے۔

غرض سجدہ سہو واجب کے ترک یا رکن میں تاخیر کرنے سے ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً اگر رکوع یا سجدہ بھول کر چھوڑ دے۔ نماز کے دَوران میں یا بعد اُسے یاد آجائے تو اس کو چاہیئے کہ تشہد سے پہلے اُس رکن کو پُورا کرے پھر تشہد اور درود شریف وغیرہ پڑھے اس کے بعد اس تاخیر کے تدارک کے طور پر سجدہ سہو کرے اسی طرح واجب کے رہ جانے سے بھی سجدہ سہو ضروری ہو جاتا ہے۔ مثلاً جن رکعتوں میں اُونچی آواز سے قرأت پڑھنی تھی اُن میں اُونچی آواز سے نہ پڑھی یا سورۃ فاتحہ کے بعد کوئی سورۃ یا سورۃ کا کوئی حصّہ نہ پڑھا یا درمیانی قعدہ بھول گیا یا رکعتوں کی مقررہ تعداد سے زائد رکعتیں پڑھ لیں تو ان سب صورتوں میں سجدہ سہو واجب ہوگا۔ اور سجدہ سہو کرنے سے اِس کمی یا غلطی کا تدارک ہو جائے گا۔

ایک شخص نے یہ خیال کر کے کہ نماز پوری ہو چکی ہے سلام پھیر دیا۔ لیکن ابھی مسجد میں ہی تھا کہ

معلوم ہوا کہ رکعت یا رکعت کا کوئی حصّہ رہ گیا ہے تو پہلے وہ اس حصّہ کو پورا کرے اس کے بعد تشہد وغیرہ پڑھ کر سجدہ سہو کرے۔ اس طرح سے اس کی نماز مکمل ہو جائے گی۔

اِسی طرح اگر رکعتوں کی تعداد میں شک پڑ جائے۔ مثلاً یہ پتہ نہ چلے کہ ایک رکعت پڑھی ہے یا دو۔ تین پڑھی ہیں یا چار تو کمی کے پہلو کو اختیار کیا جائے اور اس کے مطابق مزید رکعتیں پڑھی جائیں اس کے بعد نماز کے آخر میں سجدہ سہو کیا جائے۔

امام اگر ایسی غلطی کرے جس سے سجدہ سہو ضروری ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ مقتدیوں کے لئے بھی سجدہ سہو کرنا ضروری ہوگا۔ لیکن اگر صرف مقتدی سے ایسی کوئی غلطی ہو تو امام کی اتباع کی وجہ سے اس کی غلطی قابلِ مواخذہ نہیں ہوگی اور اس کے لئے سجدہ سہو واجب نہیں ہوگا۔

نماز کی اقسام اور اُنکی رکعات

نماز کی چار قسمیں ہیں۔ (۱) فرض (۲) واجب (۳) سنّت اور (۴) نفل۔

(۱) فرض نماز

فجر کی دو رکعت۔ ظہر کی چار رکعت اگر جمعہ کا دن ہے تو ظہر کی بجائے جمعہ کی دو رکعت عصر کی چار رکعت۔ مغرب کی تین اور عشاء کی چار رکعت۔ یہ پانچ نمازیں فرض ہیں۔ ان میں سے اگر کوئی نماز غلطی یا بھول سے رہ جائے تو اس کی قضاء ضروری ہوگی اور اگر جان بوجھ کر کوئی چھوڑ دے تو وہ سخت گنہگار ہوگا۔ عادۃً تارک الصلوٰۃ مسلمان کہلانے کا مستحق نہیں۔

(۲) واجب نماز

وتر کی تین رکعت۔ عیدالفطر کی دو رکعت۔ عیدالاضحیہ کی دو رکعت اور طواف بیت اللہ کی دو رکعت یہ چاروں نمازیں واجب ہیں۔ اگر کوئی جان بوجھ کر چھوڑ دے تو وہ سخت گنہگار ہوگا اور اگر غلطی یا بھول سے رہ جائیں تو ان کی قضاء فرض نہیں ہوگی۔ اس کے علاوہ اگر کسی وجہ سے نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے تو یہ نماز بھی واجب ہوگی کیونکہ نذر کا پورا کرنا ضروری ہوتا ہے۔

(۳) سنّت نماز

فرض اور واجب نماز کے علاوہ جو نماز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بالعموم پڑھی ہے اور احادیث میں اس کا ذکر موجود ہے۔ اس نماز کو سنّت کہتے ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق اور آپؐ کی روش پر چلتے ہوئے آپؐ کے ماننے والے یہ نماز بھی پڑھتے ہیں۔ یہ نماز پڑھنے کا بہت بڑا ثواب ہے۔ اور تارک السنت قابل سرزنش ہے۔ تاہم اگر یہ نماز کسی وجہ سے اس وقت کے اندر نہ پڑھی جا سکے تو پھر اُس کی قضاء نہیں ہے۔

فجر کی دو رکعت سنتیں فرض نماز سے پہلے پڑھی جاتی ہیں ۔ یہ ۲ دو رکعتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ پڑھیں اور ان کے پڑھنے کی تاکید فرمائی ۔ اس لئے اگر کوئی شخص جماعت میں شامل ہو جائے یا کسی اور وجہ سے فجر کے فرضوں سے پہلے یہ سنتیں نہ پڑھ سکے تو فرضوں کے معاً بعد پڑھ لے یا پھر سورج نکلنے کے بعد اور دوپہر ہونے سے پہلے پڑھے ۔

ظہر کی فرض نماز سے پہلے چار رکعت اور فرض پڑھنے کے بعد ۲ دو رکعت نماز سنّت ہے ۔

مغرب کے فرضوں کے بعد ۲ دو رکعت اور عشاء کی نماز کے بعد ۲ دو رکعت نماز سنّت ہے ۔

(۴) نفل نماز

تہجد کی آٹھ رکعت ۔ عصر کی نماز سے پہلے چار رکعت ظہر کی ۲ دو سنتوں کے بعد ۲ دو رکعت ۔ مغرب کی سنتوں کے بعد ۲ دو رکعت ۔ مغرب کی اذان کے بعد اور فرضوں سے پہلے ۲ دو رکعت نفل پڑھنے کی روایات بھی آئی ہیں ۔ اس کے علاوہ حسب موقع و فرصت مغرب کی ۲ دو رکعت سنّت اور ۲ دو نفل کے بعد چھ رکعت مزید نفل پڑھنے کی روایت بھی آتی ہے ۔ ان چھ رکعتوں کو صلاۃ الاوّابین کہتے ہیں ۔ اسی طرح عشاء کی سنّتوں کے بعد ۲ دو رکعت اور وتروں کے بعد ۲ دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنے کی روایت بھی آتی ہے ۔ اشراق یعنی چاشت کے وقت کی ۲ دو رکعت ۔ ضحیٰ یعنی دھوپ خوب چمک آنے کے وقت اور دوپہر سے قبل ۲ دو تا آٹھ رکعت تحیۃ الوضو یعنی وضو کرنے کے بعد حسب موقع و فرصت ۲ دو نفل ۔ تحیۃ المسجد یعنی مسجد میں داخل ہونے پر ۲ دو نفل ۔ نماز استخارہ یعنی طلب خیر کے ۲ دو نفل جو کسی کام کے بابرکت ہونے کے لئے دُعا کے طور پر پڑھے جاتے ہیں ۔ حاجت روائی کی دُعا کے ۲ دو نفل یعنی صلوٰۃ الحاجت تحیۃ الشکر یعنی اچانک خوشی پہنچنے پر سجدہ شکر بھی کیا جاتا ہے ۔ توبہ کے ۲ دو نفل ۔ سفر سے واپسی کے ۲ دو نفل ۔ اس کے علاوہ سورج گرہن اور چاند گرہن کے وقت ۲ دو رکعت نماز مسنون ہے ۔ اسی طرح قحط سالی کے دُور ہونے کے لئے ۲ دو نفل جسے صلوٰۃ الاستسقاء کہتے ہیں ۔ صلوٰۃ التسبیح کی بھی ایک روایت موجود ہے ۔ اس کے علاوہ بھی جب موقع ملے اور دل کرے نفل نماز پڑھنا باعثِ ثواب ہے سنّت اور نفل نماز اصولاً گھر میں ہی پڑھنی چاہیئے ۔ سنّت اور نفل کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور اس کے بعد قرآن پاک کا کچھ حصّہ پڑھنا یعنی ضم سورۃ ضروری ہے اور اگر بھول سے رہ جائے تو سجدہ سہو لازمی ہوگا ۔

سنن اور نوافل فرائض کی تکمیل کرتے ہیں ۔ بعض اوقات فرض کی ادائیگی میں کوئی غلطی یا کمی رہ جاتی

ل : بعض نوافل کی تشریح آئندہ صفحات میں آئے گی ۔

ہے تو اس کی تلافی سنن اور نوافل کے ذریعہ ہو جاتی ہے۔ نوافل قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ فرضوں سے ایمان قائم ہو جاتا ہے اور نوافل اس کے استحکام کا موجب بنتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نوافل کے ذریعہ انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب و مقرب بن جاتا ہے۔

تعداد رکعات کا اجمالی خاکہ

نمبر شمار	وقت نماز	فرض	واجب	سنّت	نفل	کل تعداد رکعات	
۱	فجر	۲	-	۲	-	۴	فجر کی سنتیں سب سے زیادہ مؤکدہ ہیں
۲	ظہر	۴	-	۶	۲	۱۲	چار سنتیں فرضوں سے پہلے اور ۲ دو بعد
۳	عصر	۴	-	-	۴	۸	چار رکعت نفل فرضوں سے پہلے۔
۴	مغرب	۳	-	۲	۲ + ۶	۱۳	۶ رکعت صلوٰۃ الاوّابین
۵	عشاء	۴	-	۲	۲	۸	۲ رکعت نفل سنّت کے بعد
۶	وتر	-	۳	-	۲	۵	اگرچہ مستند مسلک یہی ہے کہ وتر رات کی آخری نماز ہو تاہم وتر کے بعد دو۲ رکعت نفل بیٹھ کر پڑھنے کی روایت بھی آتی ہے۔
۷	تہجد	-	-	۸	۲	۱۰	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

ہمیشہ پچھلی رات اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھی ہے۔ یہ نماز پڑھنے سے بے حد ثواب ملتا ہے۔ اس لئے اس نماز کو سنّت مؤکدہ کہنا چاہیئے لیکن حرج سے بچانے کی خاطر چونکہ ہر فرد کے لئے اسکا پڑھنا ضروری قرار نہیں دیا گیا اس لئے ہم نے اسے نفلوں میں شمار کیا ہے ورنہ در حقیقت یہ سنن ہُدیٰ میں شامل ہے۔

وتر عشاء کی نماز کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں لیکن اگر تہجد کی نماز کے لئے اُٹھنا ہو اور اسکی عادت ہو تو پھر وتر تہجد کی نماز کے بعد پڑھنے چاہئیں اس طرح تہجد کے وقت ۸ + ۳ = گیارہ رکعت نماز ہوگی اور اگر وتر کے بعد ۲ دو نفل بھی پڑھے تو کل تیرہ رکعتیں ہوں گی۔

سنن و نوافل

سوال :۔ سنن کے بارہ میں اصل ہدایت کیا ہے۔ نیز عصر اور عشاء سے قبل چار رکعت سنّت نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

جواب :۔ نماز سے پہلے اور نماز کے بعد اصل سنتیں یعنی سنن مؤکدہ وہی ہیں جن کا ذکر کتب حدیث و فقہ میں مشہور اور معروف ہے۔ یعنی فجر سے پہلے دو رکعت جن کی سب سے زیادہ تاکید ہے ظہر سے پہلے چار اور بعد میں دو۔ مغرب کے بعد دو اور عشاء کے بعد دو رکعت۔ نیز تہجد کی آٹھ رکعت۔ اصل تاکید انہی کے پڑھنے کی ہے۔ باقی نوافل ہیں جو چاہے پڑھے اور چاہے نہ پڑھے۔ ان میں سے بعض کے متعلق احادیث میں بھی ذکر آتا ہے اور بعض کے بارہ میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ تاہم نفل نماز کے معنی ہی یہی ہیں کہ جتنے کوئی چاہے ثواب کی خاطر پڑھے۔

حدیثوں میں نماز سے پہلے جن نوافل کا ذکر آتا ہے وہ یہ ہیں۔ عصر سے پہلے چار رکعت۔ اس کی روایت نسبتاً زیادہ مستند ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں :۔

عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال رحم اللہ امرأً صلّی قبل العصر اربعًا۔ (ترمذی ابواب الصلوٰۃ)

یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے اور اُسے برکت دے جو عصر سے قبل چار رکعت نفل نماز پڑھے۔

۲۔ مغرب سے پہلے دو رکعت کا ذکر بھی حدیث میں آیا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

عن عبد اللہ بن مغفل قال قال النبی صلّی اللہ علیہ وسلم صلوا قبل صلوٰۃ المغرب رکعتین صلوا قبل صلوٰۃ المغرب رکعتین قال فی الثالثۃ لمن شاء کراھیۃ ان یتخذھا الناس سنۃ[1]

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھو دوبارہ یہی فرمایا اور تیسری بار فرمایا۔ جو چاہے ادا کرے۔ یہ آپؐ نے اس خدشہ

---

[1] :۔ بخاری کتاب التہجد باب الصلوٰۃ قبل المغرب ص۱۵۸ ؂

کے پیشِ نظر فرمایا ۔ کہ کہیں لوگ اسے سنّتِ مؤکدہ نہ بنا لیں ۔

عشاء سے قبل چار رکعت پڑھنے کی روایت نسبتاً کمزور ہے تاہم روایت موجود ہے اور وہ یہ ہے :۔

نقل فی الاختیار عن عائشۃ رضی اللہ عنہا انہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام کان یصلی قبل العشاء اربعًا ثم یضطجع [1]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے چار رکعت پڑھتے اور پھر کچھ دیر کے لئے لیٹ جایا کرتے ۔ اس کے بعد مسجد میں عشاء کی نماز پڑھانے تشریف لے جاتے ۔

نوافل کے سلسلہ میں اصل حکم یہ ہے کہ اوقات ممنوعہ کے سوا باقی اوقات میں انسان جب چاہے نفل پڑھ سکتا ہے ۔ اس میں کوئی روک نہیں ۔ پس اگر مندرجہ بالا روایات نہ بھی ہوں تب بھی یہ جائز ہے کہ کوئی شخص عصر یا عشاء سے پہلے دو یا چار رکعت نماز پڑھے ۔ یعنی یہ نوافل نہ تو ضروری ہیں اور نہ ہی منع ۔

سوال :۔ ظہر کی نماز سے قبل دو رکعت سنّت ادا کرنی چاہیئے یا چار رکعت ؟

جواب :۔ دونوں طرح جائز ہے ۔ چاہے تو نماز ظہر کے فرضوں سے پہلے صرف دو رکعت سنّت ادا کرے اور چاہے تو چار رکعت ۔ لیکن ترجیح چار رکعت والی روایت کو ہے کیونکہ امّت کی اکثریت نے عملاً چار رکعت سنّت کی پابندی کی ہے ۔ چنانچہ حضرت امام ابو حنیفہ حضرت امام مالک اور ان کے متبعین کا یہی مسلک ہے ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام دیگر دینی مشاغل کے ہجوم کی وجہ سے اگرچہ بالعموم دو رکعت ادا فرماتے تھے لیکن آپ کے خلفاء اور جماعت احمدیہ کی اکثریت کا چار رکعت سنّت پر ہی عمل ہے باقی احادیث کے اس اختلاف کو یوں حل کیا گیا ہے ۔ کہ اکثر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے چار رکعت ہی پڑھتے تھے لیکن کبھی کبھی دو رکعت بھی پڑھ لیتے تھے ۔ چنانچہ امام ابو جعفر طبری لکھتے ہیں :۔

الاربع کانت فی کثیر من احوالہ والرکعتان فی قلیلہا ۔ [2]

ایک تاویل یہ کی گئی ہے کہ حضورؐ اگر یہ نماز گھر پڑھتے تو چار رکعت ادا فرماتے اور اگر باہر مسجد میں پڑھتے تو دو رکعت ۔

---

[1] :۔ بحر الرائق جلد ۲ صفحہ ۵۲، ۵۳ ٭ [2] :۔ نیل الاوطار $\frac{15}{3}$ ٭

غرض جہاں تک جواز کا تعلق ہے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ لیکن کثرت عمل کے لحاظ سے عوام کے لئے چار پڑھنے کو ترجیح حاصل ہے۔

سوال :- اگر فجر کی نماز رہ جائے تو یہ نماز قضاء کرتے وقت کیا سنتیں بھی پڑھنی چاہئیں یا نہیں۔

جواب :- جب نماز فجر کی قضاء کرے تو ساتھ سنتیں بھی پڑھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کا یہی طریق عمل تھا آپ ان سنتوں کو ترک نہیں کرتے تھے۔

فجر کی سُنّتوں و فرضوں کے درمیان نوافل

ایک شخص کا سوال حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمت میں پیش ہؤا کہ نماز فجر کی اذان کے بعد دوگانہ فرض سے پہلے اگر کوئی شخص نوافل ادا کرے تو جائز ہے یا نہیں؟

فرمایا :- "نماز فجر کی اذان کے بعد سورج نکلنے تک دو۲ رکعت سنّت اور دو۲ رکعت فرض کے سوا اور کوئی نماز نہیں ہے۔"[۱]

سوال :- چھوڑی ہوئی سنتیں جماعت کے بعد کس ترتیب سے ادا کی جائیں؟

جواب :- پہلے مَابعد کی سنتیں پڑھے پھر اس کے بعد فوت شدہ سنتیں قضاء کرے۔

سوال :- مسجد میں ہوتے ہوئے جب تک اذان نہ ہو جائے سنّت ادا کرنی چاہیئے یا نہیں؟ اگر گھر میں پڑھ آئے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب :- اصل مسئلہ یہ ہے کہ وقت سے پہلے سنتیں ادا نہ کی جائیں یہ ضروری نہیں کہ جب تک اذان نہ ہو جائے مسجد میں سنتیں ادا نہ کی جائیں۔ جس مسجد میں نماز باجماعت ہوتی ہے وہاں بھی اذان سے پہلے سنتیں ادا کی جا سکتی ہیں اس میں کوئی شرعی روک نہیں۔ کسی حدیث میں ایسی ممانعت نظر سے نہیں گزری۔ گھر میں سنتیں ادا کر کے مسجد میں آنا زیادہ بہتر اور موجب ثواب ہے۔

فرض نماز سے پہلے یا بعد نوافل

شریعت میں نفل نماز سے مراد ایسی نماز ہے جو اپنی مرضی پر منحصر ہو۔ کوئی چاہے تو پڑھے

---

[۱] بدر ۷ر فروری ۱۹۰۷ء؂

اور چاہے تو نہ پڑھے۔ کھڑے ہو کر پڑھے یا بیٹھ کر پڑھے۔ ویسے اصولاً کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے۔ اسلئے یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ کس نفل نماز کو ترجیح حاصل ہے اور کس کو نہیں۔

فرض نماز سے پہلے یا بعد سنن مؤکدہ کے بعد مندرجہ ذیل نوافل کا عوام میں رواج ہے۔ ظہر کی آخری دو سنتوں کے بعد دو رکعت بیٹھ کر مغرب کی دو سنتوں کے بعد دو رکعت بیٹھ کر اور چھ رکعت کھڑے ہو کر۔ وتروں کے بعد دو رکعت بیٹھ کر۔

سوال:۔ کیا نوافل بیٹھ کر پڑھنے سے نصف ثواب ہوتا ہے۔ جبکہ نماز عشاء کے بعد نفل بیٹھکر پڑھنا سنّت ہے۔

جواب:۔ عام نفل میں یہ درست ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنے کی بجائے بیٹھ کر پڑھنے سے نصف ثواب ملتا ہے۔ چنانچہ بخاری کی روایت ہے:۔

عن عمران بن حصین انہٗ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن صلوٰۃ الرجل قاعداً قال ان صلی قائماً فھو افضل ومن صلی قاعداً فلہ نصف اجر القائم ومن صلی نائماً فلہ اجر القاعد۔[1]

تاہم بعض احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو وتر کی نماز کے بعد دو رکعت نفل بیٹھکر پڑھتے تھے۔ چنانچہ ابن ماجہ کی روایت ہے:۔

عن ام سلمۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یصلی بعد الوتر رکعتین خفیفتین وھو جالس۔[2]

حضورؐ کا یہ عمل غالباً جواز کے اظہار اور احساس سہولت کے پیشِ نظر تھا۔

سوال:۔ سنتوں کی ہر رکعت میں فاتحہ اور سورۃ کیا دونوں ضروری ہیں؟

جواب:۔ سنتوں اور نوافل کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور قرآن کا کچھ اور حصّہ پڑھنا دونوں ضروری ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں روایت ہے کہ:۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرء فی کل رکعۃ بفاتحۃ الکتاب۔[3]

یہ حدیث اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ ہر رکعت میں خواہ وہ فرضوں کی ہو یا نفلوں کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ اب رہا نوافل میں فاتحہ کے علاوہ قرآن کریم کا کوئی

---

[1]:۔ بخاری بحوالہ نیل الاوطار ۱/۳ ٭ [2]:۔ مشکوٰۃ ص۱۱۳ ٭ [3]:۔ بخاری

اور حصہ پڑھنے کا سوال تو ابنِ ماجہ کی حدیث ہے :-

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ فی کل رکعۃ بالحمد وسورۃ [1]

یعنی صحت نماز کے لئے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ مزید کسی سورۃ کا پڑھنا بھی ضروری ہے۔

اس کی مزید تشریح کشف الغمہ کی اس حدیث سے ہوتی ہے کہ :-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرء مع الفاتحۃ فی الاول الم تنزیل السجدۃ وفی الثانیہ مع الفاتحۃ حم دخان وفی الثالثۃ مع الفاتحہ یسین وفی الرابعۃ مع الفاتحہ تبارک الذی بیدہ الملک ویقول صلی اللہ علیہ وسلم من صلی اربعًا بعد العشاء لا یفصل بینھن بتسلیم شفع فی اھل بیتہ کلھم ممن وجبت لہ النار واجیر من عذاب القبر۔ [2]

یعنی آپ عشاء کی نماز کے بعد چار رکعت نفل ایک ہی سلام کے ساتھ پڑھتے۔ پہلی میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سورۃ الم تنزیل السجدہ دوسری میں فاتحہ کے ساتھ حم دخان۔ تیسری میں فاتحہ کے ساتھ یٰسین اور چوتھی میں فاتحہ کے ساتھ تبارک الذی پڑھتے اور فرماتے عشاء کی نماز کے بعد چار رکعت نفل پڑھنا بڑے ہی ثواب کا موجب ہے۔

سوال :- سنتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد کچھ اور حصہ قرآن بھی ہر رکعت میں پڑھا جاتا ہے۔ مگر فرائض میں صرف پہلی دو رکعتوں میں ایسا ہوتا ہے اس کے متعلق ہمیں کہاں سے علم ہوا ؟

جواب :- حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق وضاحت ہے کہ آپ فرض اور سنتیں اسی طریق کے مطابق پڑھتے تھے۔ چنانچہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے :-

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقراءُ فی الاولیین من الظھر والعصر بفاتحۃ الکتاب وسورتین وفی الاخرین بفاتحۃ الکتاب۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کے فرضوں کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔

سنت اور نفل نماز کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرآن کا کچھ حصہ پڑھنے کی ایک وجہ یہ

---

[1] :- نیل الاوطار صفحہ ۲/۲۱۴ ؛ [2] : کشف الغمہ صفحہ ۱/۲۰۳ ؛

بھی ہے کہ اصل میں نوافل اور سنن میں ہر دو رکعتیں مستقل یونٹ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس لئے جہاں چار چھ یا آٹھ رکعتیں نوافل کی نیت کی جائے وہاں دراصل دو دو رکعتوں کی صورت میں الگ الگ نماز ہوگی۔ چنانچہ فقہاء نے اس کی تصریح بھی کی ہے۔ ہدایہ میں ہے :-

القراۃ واجبۃ فی جمیع رکعات النفل وفی جمیع رکعات الوتر اما النفل فلان کل شفع منه صلوۃ علحدۃ والقیام الی الثالثۃ کتحریمۃ مبتدأۃ ولھذا لا یجب بالتحریمۃ الاولیٰ الا رکعتان[۱]

یعنی نفل (اور سنتوں) کی ہر رکعت میں قرأۃ واجب ہے۔ اسی طرح وتر کی رکعتوں کا حال ہے کیونکہ نفل کی ہر دو رکعتیں دراصل ایک مستقل اور علیحدہ یونٹ ہیں اور جب ایک شخص دو رکعت پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے اٹھتا ہے تو اس کا اٹھنا نئے سرے سے تکبیر تحریمہ کے مترادف ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی چار رکعت نفل کی نیت کر کے اللہ اکبر کہے تو اس تحریمہ نیت سے صرف دو رکعت کا پڑھنا ہی ضروری ہوتا ہے اور وہ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ چار پوری کرنا اس کے لئے ضروری نہیں۔

اسی طرح وتروں کے بارہ میں تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام وتر کی ہر رکعت میں فاتحہ اور سورۃ پڑھا کرتے تھے خواہ اکٹھی تین رکعت پڑھی جائیں۔ چاہے دو اور ایک کر کے۔ چنانچہ روایت ہے :-

کان النبی صلی اللہ علیه وسلم یقرء فی الوتر سبح اسم ربك الاعلی وقل یایھا الکافرون وقل ھو اللہ احد۔[۲]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سبح اسم ربك الاعلی پڑھتے تھے۔ دوسری میں قل یایھا الکافرون اور تیسری میں قل ھو اللہ احد۔

---

[۱] ہدایہ ص۱۰۱ ٭ [۲] نسائی کتاب اللیل باب القراءۃ فی الوتر ص۲۰۳ ٭

دُعا اور سجدہ

سوال :کیا سجدہ میں اپنی حاجات کے متعلق دعائیں مانگنی جائز ہیں :-

جواب :- نماز خصوصًا سجدہ میں مختلف دعائیں مانگنے اور اپنی حاجات اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کرنے کی اجازت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے طریق عمل سے یہ امر ثابت ہے اور حضور کا فرمان بھی ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

اقرب ما یکون العبد من ربہ وھو ساجد فاکثروا الدعاء۔ [1]

یعنی سجدہ کی حالت میں انسان اللہ تعالیٰ سے قریب تر ہوتا ہے۔ اس لئے اس حالت میں بڑی کثرت کے ساتھ دعائیں کرنی چاہئیں۔

اسی طرح ایک اور حدیث ہے :-

اما السجدۃ فاجتھدوا فی الدعاء فقمنٌ ان یستجاب لکم۔ [2]

کہ سجدہ میں خوب دعائیں کیا کرو کیونکہ سجدہ کی حالت قبولیت دُعا کے لئے زیادہ مناسب ہے اور اس کے قبول ہونے کی زیادہ اُمید کی جاسکتی ہے۔

رکوع و سجود میں قرآنی دُعا

سوال :- رکوع اور سجود میں قرآنی آیت پڑھنا کیسا ہے؟

جواب :- سجدہ اور رکوع فروتنی کا وقت ہے اور خدا کا کلام عظمت چاہتا ہے ماسوا اس کے حدیثوں سے کہیں ثابت نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی رکوع یا سجود میں کوئی قرآنی دُعا پڑھی ہو۔ [3]

سوال :- سجدہ میں قرآنی دعاؤں کا پڑھنا کیوں ناجائز ہے۔ حالانکہ سجدہ انتہائی تذلل کا مقام ہے؟

جواب :- میرا تو یہی عقیدہ رہا ہے کہ سجدہ میں قرآنی دعاؤں کا پڑھنا جائز ہے۔ لیکن بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک ایسا حوالہ ملا جس میں آپ نے سجدہ کی حالت میں قرآنی دعاؤں

---

[1] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب مایقال فی الرکوع والسجود ص۱۸۱ ج۱؛ [2] کشف الغمہ ص۱۸۷ ج۱؛ [3] الحکم ۳۰ اپریل ۱۹۰۵ء (فتاویٰ مسیح موعود ص۵۷)

کا پڑھنا ناجائز قرار دیا ہے۔ اسی طرح مسند احمد بن حنبل میں بھی اسی مضمون کی ایک حدیث مل گئی ہے۔ لیکن اگر میرے عقیدے کے خلاف یہ امور نہ ملتے تب بھی یہ دلیل مَیں معقول قرار نہ دیتا کہ سجدہ جب انتہائی تذلل کا مقام ہے تو قرآنی دعاؤں کا سجدہ کی حالت میں پڑھنا جائز ہونا چاہیئے۔

امام مالکؒ کا عقیدہ تھا کہ سمندر کی ہر چیز حلال ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہنے لگا سمندر میں سوئر بھی ہوتا ہے کیا اس کا کھانا بھی جائز ہے۔ آپ نے فرمایا سمندر کی ہر چیز کھانی جائز ہے۔ مگر سوئر حرام ہے اس نے بار بار یہی سوال کیا مگر آپ نے فرمایا مَیں اس سوال کا یہی جواب دے سکتا ہوں کہ سمندر کی ہر چیز حلال ہے مگر سوئر حرام ہے۔

یہی جواب مَیں دیتا ہوں کہ سجدہ بے شک تذلل کا مقام ہے مگر قرآن عزت کی چیز ہے اس کی دعائیں سجدہ کی حالت میں نہیں پڑھنی چاہئیں۔ دُعا انسان کو نیچے کی طرف لے جاتی ہے اور قرآن انسان کو اُوپر کی طرف لے جاتا ہے۔ اس لئے قرآنی دعاؤں کا سجدہ کی حالت میں مانگنا ناجائز ہے۔

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک بات مل گئی تو پھر اس کے خلاف طریق کا اختیار کرنا درست نہیں۔ گو وہ ہماری عقل میں نہ ہی آئے۔

سوال:۔ کیا یہ جائز ہے کہ سجدہ میں دُعا کرتے وقت کچھ قرآنی الفاظ اور کچھ اپنے الفاظ ہوں؟

جواب:۔ سجدہ میں قرآنی دعائیں تو جائز نہیں ہیں لیکن اگر انسان کے اپنے الفاظ ہوں اور ان میں قرآن کی کسی آیت کا ٹکڑا آجائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

دُعا بین السجدتین

سوال:۔ کیا دُعا بین السجدتین ضروری ہے؟

جواب:۔ اس دُعا کے پڑھنے سے ثواب زیادہ ملتا ہے کیونکہ صحیح احادیث میں اس کا ذکر آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عام طور پر یہ دُعا پڑھا کرتے تھے۔

سوال:۔ کیا نماز میں اپنی زبان میں دُعا مانگنا جائز ہے؟

جواب :- سب زبانیں خدا تعالیٰ نے بنائی ہیں۔ چاہیئے کہ انسان اپنی زبان میں جس کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔ نماز کے اندر دعائیں مانگے کیونکہ اس کا اثر دل پر پڑتا ہے تا عاجزی اور خشوع پیدا ہو۔ کلام الٰہی کو عربی میں پڑھو اور اس کے معنے یاد رکھو اور دُعا بے شک اپنی زبان میں مانگو۔ جو لوگ نماز کو جلدی جلدی پڑھتے ہیں اور پیچھے لمبی دعائیں کرتے ہیں وہ حقیقت سے ناآشنا ہیں دُعا کا وقت نماز ہے۔ نماز میں بہت دعائیں مانگو [1]

نماز باجماعت اور بلند آواز سے دُعا

سوال :- امام اگر اپنی زبان میں مثلاً اُردو میں باآواز بلند دُعا مانگتا جاوے اور پیچھے آمین کہتے جاویں تو کیا یہ جائز ہے۔ جبکہ حضور کی تعلیم ہے کہ اپنی زبان میں دعائیں نماز میں کر لیا کرو۔

جواب :- دُعا کو باآواز بلند پڑھنے کی ضرورت کیا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تو فرمایا ہے تضرعاً و خفیۃ اور دون الجھر من القول۔

سوال :- عرض کیا کہ قنوت تو پڑھ لیتے ہیں۔

جواب :- فرمایا۔ ہاں ادعیہ ماثورہ جو قرآن و حدیث میں آچکی ہیں وہ بے شک پڑھ لی جاویں۔ باقی دعائیں جو اپنے ذوق و حال کے مطابق ہیں وہ دل میں ہی پڑھنی چاہئیں۔ [2]

سوال :- ایک جماعت کا امام نماز میں بلند آواز سے اُردو زبان میں دعائیں مانگتا ہے؟

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی .... نے فرمایا :-

" اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جو فتویٰ ہے وہ مَیں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہُوں۔ حال ہی میں الفضل میں بھی وہ شائع ہؤا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی ارشاد ہے کہ نماز میں صرف ادعیہ ماثورہ بلند آواز سے پڑھنی چاہئیں۔ ہاں اگر اپنی زبان میں کوئی دُعا کرنی ہو تو بجائے بلند آواز کے دل میں ہی کر لینی چاہیئے۔ میرا عمل اس سلسلہ میں یہ ہے کہ ادعیہ ماثورہ کے پڑھنے وقت مَیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات کو بھی شامل کر لیا کرتا ہوں کیونکہ جو حکمت قرآن مجید اور احادیث کی دعائیں پڑھنے میں ہے۔ وہی حکمت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہامات میں بھی موجود ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جہاں تک ذاتی ضرورت اور خواہش کا سوال ہے انسان اپنی زبان

---

[1] : بدر یکم اگست ۱۹۰۴ء و ۲ جولائی ۱۹۰۴ء ۔ [2] : بدر یکم اگست ۱۹۰۴ء ۔

میں ہی زیادہ مؤثر طریق اور عمدگی کے ساتھ دُعا کر سکتا ہے۔ جس زبان میں انسان سوچتا اور غور کرتا ہے اس میں اسے پوری مہارت ہوتی ہے اس لئے وہ صحیح رنگ میں اسی زبان میں اپنے دلی جذبات اور اندرونی کیفیات کا اظہار کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی ایسی زبان میں دعا کرے گا جس پر اسے پُورے طور پر تصرف حاصل نہیں تو وہ اپنے جذبات کا پورے طور پر اظہار نہیں کر سکے گا۔ پس جہاں تک انفرادی طور پر خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق کا سوال ہے اپنی زبان میں دعا مانگنا ایک ضروری چیز ہے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ ایسی دعائیں بلند آواز سے کی جائیں یا اگر کوئی شخص امام ہو تو وہ اُردو یا کسی اور زبان میں اُونچی آواز سے دعائیں مانگنے لگ جائے وہ اپنے دل میں تو ایسی دعائیں مانگ سکتا ہے اور اسے ضرور مانگنی چاہئیں۔ مگر بلند آواز سے بالخصوص ایسی حالت میں جب کوئی شخص امام ہو صرف ایسی دعائیں ہی مانگنی چاہئیں جو ادعیہ ماثورہ میں شامل ہوں اور جن کا قرآن و حدیث میں ذکر آتا ہو۔ اس میں ایک یہ بھی حکمت ہے کہ اگر اپنی زبان میں دعا کی جائے تو یہ ضروری نہیں ہوتا کہ انسان صحیح طور پر شریعت کے تقاضے کو پُورا کر سکے۔ مثلاً دُعا کرتے وقت بعض دفعہ انسان خُدا تعالیٰ کو اس کی صفات یاد دلاتا ہے۔ بعض دفعہ خُدا کے بندے کے ساتھ جو تعلقات ہیں ان کا واسطہ دیتا ہے۔" [1]

سوال :۔ ایک دوست روزانہ مغرب کی نماز میں رکوع کے بعد التزاماً دُعا کرتے ہیں۔ کیا یہ طریق درست ہے؟

جواب :۔ التزام اور تعہد کے ساتھ روزانہ آخری رکعت کے رکوع کے بعد کھڑے لمبی دُعا کرنا مناسب نہیں بلکہ کبھی کبھی ترک بھی کر دینا چاہیئے۔ تاکہ اسے رواج نہ بنالیا جائے۔ یا ناواقف اسے نماز کا حصّہ ہی نہ سمجھ لیں۔ یہی طریق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا تھا اور ان کے خلفاء کا۔ یعنی آپ دُعا کر بھی لیا کرتے تھے اور بعض اوقات اسے ترک بھی کر دیتے تھے بالعموم اس طرح سے دُعا کرنے کا زیادہ اہتمام ان دنوں میں کیا جاتا جن دنوں کوئی خاص جماعتی مہم یا جماعتی پریشانی درپیش ہوتی۔ تاہم ان دنوں میں بھی بعض اوقات اسے ترک کر دیا جاتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایسا ہی مروی ہے۔

---

[1] :۔ الفضل ۱۸ رجون ۱۹۴۷ء

نماز کے بعد دُعا

آج کل لوگ جلدی جلدی نماز کو ختم کرتے ہیں اور پیچھے لمبی دعائیں مانگنے بیٹھتے ہیں یہ بدعت ہے جس نماز میں تضرع نہیں خدا تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں۔ خدا تعالیٰ سے رقت کے ساتھ دعا نہیں وہ نماز تو خود ہی ٹوٹی ہوئی ہے۔ نماز وہ ہے جس میں دُعا کا مزا آجائے۔ خُدا کی حضوری میں ایسی توجہ سے کھڑے ہو جاؤ کہ رقت طاری ہو جاوے جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اس کے واسطے قید یا پھانسی کا فتویٰ لگنے والا ہوتا ہے۔ اس کی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے۔ ایسے ہی خوفزدہ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہیئے۔ جس نماز میں دل کہیں ہے اور خیال کسی طرف ہے۔ اور مُنہ سے کچھ نکلتا ہے وہ ایک لعنت ہے جو آدمی کے منہ پر واپس ماری جاتی ہے اور قبول نہیں ہوتی۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ ویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون۔ جس میں مزا آجاوے ایسی ہی نماز کے ذریعہ سے گناہ سے نفرت پیدا ہوتی ہے اور یہی وہ نماز ہے جس کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے۔ نماز مومن کی ترقی کا ذریعہ ہے۔ ان الحسنات یذھبن السّیّئات۔ نیکیاں بدیوں کو دُور کر دیتی ہیں۔ دیکھو بخیل سے بھی انسان مانگتا رہتا ہے تو وہ بھی کسی نہ کسی وقت کچھ دے دیتا ہے اور رحم کھاتا ہے خُدا تعالیٰ تو خود حکم دیتا ہے کہ مجھ سے مانگو اور مَیں تمہیں دوں گا۔ [1]

سوال:۔ کیا نماز اور اذان کے بعد ہاتھ اٹھا کر دُعا مانگنا ضروری ہے؟

جواب:۔ آذان اور نماز کے بعد ذکر الہٰی اور دُعا مانگنے کا حکم ہے لیکن اس کے لئے ہاتھ اٹھانا ضروری نہیں بلکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسے پسند نہیں فرماتے تھے اس لئے دوام اور التزام نہیں چاہیئے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ ان مواقع پر ہاتھ نہیں اٹھایا کرتے تھے۔ کسی صحیح حدیث سے حضور کا یا آپ کے صحابہ کا ایسا کرنا ثابت نہیں۔ تاہم اگر کوئی چاہے تو ان مواقع پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگ سکتا ہے۔ یعنی کبھی کبھار ایسا کرنا جائز ہے۔ اس کے برعکس ان موقعوں پر ہاتھ اٹھانے کو ضروری سمجھنا اور جو ہاتھ نہیں اٹھاتے اُن پر اعتراض کرنا بے معنی ہے۔ کیونکہ عبادت اور دُعا میں جس طریق کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالالتزام اور ضروری سمجھ کر نہیں کیا اُسے ضروری سمجھنا اور بالالتزام کرنا بدعت ہے۔

---

[1]: بدر یکم مئی ۱۹۰۳ء

وکل بدعۃ فی النار۔ [1]

عید کے دوسرے خطبہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنے کے بارے میں نماز عید کا باب دیکھیں۔

سوال :۔ ۳۳ بار الحمدللہ، سبحان اللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر فرض نماز کے معاً بعد پڑھنی چاہیئے یا سنتوں کے بعد؟

جواب :۔ نماز کے بعد ماثور ذکر کے بارہ میں اختلاف ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ فرض نماز کے بعد صرف اللھم انت السلام ومنک السلام تبارکت یا ذا الجلال والاکرام پڑھے۔ پھر سنتیں ادا کرے پھر اس کے بعد تسبیح و تحمید وغیرہ مسنون اذکار کرے باقی ائمہ (امام مالک۔ شافعی۔ احمد) کہتے ہیں کہ سنتوں سے پہلے یہ ذکر کرنا زیادہ بہتر ہے۔

حدیث میں پوری وضاحت سے تفصیل نہیں ملتی۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ فرض نمازوں کے فوراً بعد اُٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ یہ بھی آیا ہے کہ زیادہ تر اللھم انت السلام .... الحدیث پڑھتے تھے۔ کچھ حدیثیں ایسی بھی ہیں کہ حضور نے فرض کے بعد لمبے ذکر کو پسند فرمایا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حالات کے ماتحت یہ تبدیلی ہوتی تھی۔ کبھی فرض نماز کے معاً بعد ذکر کر لیا جاتا اور کبھی سنتوں کی ادائیگی کے بعد۔ [2]

سوال :۔ نماز کے بعد ذکر بالجہر کے بارہ میں کیا ارشاد ہے؟

جواب :۔ جب دو باتیں جائز ہوں اور اُن میں سے ایک راجح نظر آئے تو اس پر عمل پیرا ہونا زیادہ پسندیدہ ہے۔ اس کی عام مثال یہ ہے کہ آمین بالجہر اور بالسر کے متعلق دونوں قسم کی حدیثیں ملتی ہیں لیکن زیادہ راجح بالجہر کہنا ہے اور اسی پر ہمارا عمل ہے لیکن دوسرا طریق بھی درست ہے۔ اس لئے ہم بالسر کہنے کو غلطی یا گناہ نہیں سمجھتے۔ اسی طرح نماز کے بعد ذکر بالسر کو ترجیح حاصل ہے۔ عمل متواتر سے یہی ثابت ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو حکم و عدل ہیں اسی پر عمل پیرا رہے ہیں اور جماعت کا مسلک اسی کے مطابق ہے۔ تاہم ذکر بالجہر کی بھی بعض احادیث میں اجازت ہے اس کو اختیار کرنے والے غلط کار قرار نہیں دیئے جا سکتے۔ اس لئے بہتر طریق اختیار کرنے کے لئے تلقین میں تو حرج نہیں۔ لیکن جھگڑنا یا سختی سے کام لینا درست نہیں۔ صرف محبت سے سمجھا دینا یا اپنے مسلک کے جواز یا راجح ہونے

---

[1] :۔ الفضل ۱۱ فروری ۱۹۱۵ء، ۱۸ مارچ ۱۹۱۶ء؛ [2] :۔ نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ تا ۳۰۶ و اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۳۸۷؛

کے دلائل پیش کرنا کافی ہے تاکہ یہ غلط فہمی نہ رہے۔

تسبیح پھیرنے کے متعلق

سوال :۔ تسبیح کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب :۔ فرمایا۔ تسبیح کرنے والے کا اصل مقصود گنتی ہوتا ہے اور اس گنتی کو پورا کرنا چاہتا ہے۔ اب تم خود سمجھ سکتے ہو کہ یا وہ گنتی پوری کرے اور یا توجہ کرے۔ اور یہ صاف بات ہے کہ گنتی کو پورا کرنے کی فکر کرنے والا سچی توبہ کر ہی نہیں سکتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور کاملین لوگ جن کو اللہ تعالیٰ کی محبت کا ذوق ہوتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے عشق میں فنا شدہ ہوتے ہیں۔ انہوں نے گنتی نہیں کی اور نہ اس کی ضرورت سمجھی۔ اہلِ حق تو ہر وقت خُدا کو یاد کرتے رہتے ہیں ان کے لئے گنتی کا سوال اور خیال ہی بے ہودہ ہے۔ کیا کوئی اپنے محبوب کا نام گن کر لیا کرتا ہے اگر سچی محبت اللہ تعالیٰ سے ہو اور پوری توجہ الی اللہ ہو تو مَیں نہیں سمجھ سکتا کہ پھر گنتی کا خیال پیدا ہی کیوں ہوگا وہ تو اسی ذکر کو اپنی روح کی غذا سمجھے گا اور جس قدر کثرت سے سوال کریگا زیادہ لطف اور ذوق محسوس کرے گا اور اس میں ترقی کرے گا۔ لیکن اگر محض گنتی مقصود ہو گی تو وہ اسے ایک بیگار سمجھ کر پورا کرنا چاہے گا۔[1]

سوال :۔ کیا حائضہ درود شریف اور مسنون دعائیں وغیرہ پڑھ سکتی ہے؟

جواب :۔ ایام حیض میں ذکر الٰہی یعنی درود شریف اور مسنون دعائیں پڑھنا منع نہیں۔ فقہ حنفی کی مشہور کتاب شرح الوقایہ میں لکھا ہے "ولا تقرأ الحائض کجنب ونفساء وسائر الادعیة والاذکار لا بأس بھا"[2] یعنی جنبی اور نفاس والی کی طرح حائضہ بھی قرآن شریف نہ پڑھے لیکن دعائیں اور اذکار کر سکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔

سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :۔

"نفاس اور حیض کی حالت میں ذکر الٰہی منع نہیں۔ لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ایسی حالت میں دل میں بھی ذکر الٰہی نہیں کیا جا سکتا حالانکہ اگر ذکر الٰہی منع ہو جائے تو روحانیت بالکل مر جائے۔"[3]

---

[1] :۔ الحکم ۱۰ ارجون ۱۹۰۴ء، فتاویٰ مسیح موعود ص۱۶ ۔ [2] :شرح الوقایہ ص۱۳۱۔ [3] :تفسیر سورۃ مریم آیت ۲۷ ص۱۸۱۔

جزچہارم

متفرقات

۱ ۔ اذان ۔ اذان کے الفاظ ۔ طریق اذان ۔ اذان کے بعد کی دُعا ۔ حکمت اذان اور اقامت ۔
۲ ۔ نماز باجماعت :۔ نماز باجماعت کی حکمت ۔ بلند یا آہستہ آواز سے قرأت پڑھنے کی حکمت ۔
۳ ۔ نماز جمعہ :۔ نماز جمعہ کا طریق ۔ خطبہ ثانیہ کے مسنون الفاظ ۔
۴ ۔ عید کی نماز ۔
۵ ۔ نمازوں کو جمع کرنا ۔
۶ ۔ سفر کی نماز ۔
۷ ۔ خوف کی نماز ۔
۸ ۔ فوت شدہ نماز ۔
۹ ۔ وتر
۱۰ ۔ تہجد کی نماز ۔
۱۱ ۔ نماز تراویح ۔
۱۲ ۔ نماز کسوف و خسوف ۔
۱۳ ۔ نماز استسقاء ۔
۱۴ ۔ نماز استخارہ ۔
۱۵ ۔ نماز اشراق یعنی چاشت کی نماز ۔
۱۶ ۔ صلوٰۃ التسبیح ۔
۱۷ ۔ سجدہ تلاوت ۔
۱۸ ۔ نماز جنازہ :۔ نماز جنازہ کی ادعیہ ماثورہ مع تفصیل تکبیرات اور قبرستان کے مسائل ۔

اذان

نماز باجماعت کے لئے مسلمانوں کو جمع کرنے کی غرض سے جو کلمات بلند آواز سے ادا کئے جاتے ہیں انہیں اذان کہتے ہیں ۔

اذان مدینہ منورہ میں ۱ھ میں شروع ہوئی۔ مسلمانوں کی تعداد میں جب روز بروز اضافہ ہونے لگا اور ان کے لئے نماز کے اوقات کی پہچان اور جماعت کے لئے وقت پر حاضر ہونے کی تعیین دشوار ہوگئی تو انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ نماز کے وقت کی کوئی نشانی مقرر کرلیں تاکہ جماعت سے نہ رہ جائیں۔ اس پر بعض نے ناقوس کی طرف اشارہ کیا تو رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ عیسائیوں کا ہے۔ بعض نے بگل کا مشورہ دیا تو فرمایا۔ وہ یہودیوں کا ہے۔ بعض نے دَف کا ذکر کیا تو فرمایا وہ رومیوں کا ہے۔ بعض نے آگ جلانے کے متعلق کہا تو فرمایا۔ آگ سے مجوسی روشنی کرتے ہیں۔ بعض نے جھنڈا بلند کرنے کی طرف اشارہ کیا کہ جب لوگ اس کو دیکھیں گے تو ایک دوسرے کو بتادیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بھی نہ بھائی۔ جب کسی بات پر اتفاق نہ ہوسکا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسی فکر میں دعا میں لگ گئے۔ حضرت عبداللہ بن زید اسی سوچ و دُعا کی حالت میں رات سوئے تو خواب میں انہوں نے ایک فرشتہ دیکھا جس نے انہیں اذان اور اقامت سکھلائی۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی خواب سنائی۔ یہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کے مطابق تھی۔ حضرت عمرؓ نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے الٰہی اشارہ یقین کرتے ہُوئے اذان اور اقامت دونوں کا حکم دیا اور فرمایا اذا حضرت الصلاۃ فلیؤذن لکم احدکم[1]

اذان کے الفاظ :۔

اللہ اکبر ۔ اللہ اکبر ۔	اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔
اللہ اکبر ۔ اللہ اکبر ۔	اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔	میں گواہی دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔	میں گواہی دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔

[1] :۔ بخاری ؛

أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔	مَیں گواہی دیتا ہُوں کہ توحید کا یہ پیغام لانیوالے محمدؐ اللہ کے رسُول ہیں۔
أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔	مَیں گواہی دیتا ہُوں کہ توحید کا یہ پیغام لانیوالے محمدؐ اللہ کے رسُول ہیں۔
حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ۔ حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ ۔	چلے آؤ نماز کی طرف ۔ چلے آؤ نماز کی طرف ۔
حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ ۔ حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ ۔	چلے آؤ نجات اور کامیابی کی طرف ۔ چلے آؤ نجات اور کامیابی کی طرف۔
اَللّٰهُ اَكْبَرُ ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ	اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ سب سے بڑا ہے ۔
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔	اللہ تعالےٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں ۔

صرف صبح کی نماز کی اذان میں حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد یہ کلمے زائد کہے جائیں گے :۔

اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ۔ نماز نیند سے بہتر ہے ۔

اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ ۔ نماز نیند سے بہتر ہے ۔

اذان دینے کا طریق :۔

نماز باجماعت کے لئے اذان ضروری ہے ۔ اذان دینے کا طریق یہ ہے کہ جب نماز کا وقت شروع ہو جائے تو مؤذن یعنی اذان دینے والا قبلہ کی طرف مُنہ کر کے کسی اُونچی یا نمایاں جگہ پر کھڑا ہو جائے اور شہادت کی اُنگلی اپنے کانوں میں ڈال لے ۔ اور بلند آواز سے مذکورہ کلماتِ اذان کہے ۔ حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ پر دونوں بار اپنا مُنہ دائیں طرف پھیرے اور حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ پر بائیں جانب پھیرے ۔ صبح کی اذان میں حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد دوبار اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ بھی کہے ۔

اذان باوضو دینی چاہیئے ۔ مؤذن ایسے شخص کو مقرر کیا جائے جو خوش الحان ہو اس کی آواز بلند ہو اور دینی مسائل سے اچھی طرح واقف ہو ۔ حدیث میں آیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ معمولی لوگوں کو مؤذن مقرر کیا جائے گا ۔ مسلمانوں کو اس انذار سے سبق حاصل کرنا چاہیئے ۔

جو لوگ اذان سُن رہے ہوں وہ بھی مؤذن کے ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ کلمات اذان دھراتے جائیں ۔ البتہ جب مؤذن حَیَّ عَلَى الصَّلٰوةِ یا حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ کہے تو سُننے والے صرف لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھیں ۔ اذان ختم ہونے پر مؤذن اور سننے والے دونوں مندرجہ ذیل دُعا مانگیں ۔

اذان کے بعد کی دُعا :۔

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ	اے اس کامل دُعا اور قائم رہنے والی عبادت کے
التَّآمَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَآئِمَةِ	خُدا محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو کامیاب ذریعہ ۔ اعلیٰ

اٰتِ مُحَمَّدَنِ الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَالدَّرَجَةَ الرَّفِیْعَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُوْدَانِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔

فضیلت اور بلند درجہ عطا فرما اور تو نے جس مقام محمود کا اُن سے وعدہ کیا ہے اُس پر آپ کو مبعوث فرما۔ یقیناً تو اپنے وعدہ کے خلاف ہرگز نہیں کرتا۔

اذان کی حکمت :-

اذان اسلامی شعار میں داخل ہے اور خدا تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلانے کا بہترین ذریعہ ہے جیسا کہ اُوپر ذکر آچکا ہے۔ ہر قوم نے لوگوں کو عبادت کی خاطر جمع کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ کسی نے نرسنگا اور ناقوس سے کام لیا۔ کسی نے گھڑیال اور گھنٹے استعمال کئے لیکن اگر انصاف کی نظر سے دیکھا جائے تو کوئی وضع بھی اذان سے مقابلہ نہیں کر سکتی۔ ہمارے پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے رسمی بندشوں، سیپیوں اور سینگوں کی تلاش سے اُمّت کو سبکدوش کر دیا۔ علاوہ ازیں اذان کے لئے کلمات ایسے منتخب کئے گئے جو فی الحقیقت اسلام کا خلاصہ ہیں۔ گویا عبادت کی عبادت اور بلاوے کا بلاوا۔ دنیا میں ہزاروں حکماء اور ریفارمر گذرے ہیں۔ قومی گڈریئے پیدا ہوئے ہیں مگر تتر بتر بھیڑوں کو اکٹھا کرنے اور ایک جہت میں لانے کے لئے کسی نے ایسا نرالا اور ایسا پُرحکمت طریق نہیں نکالا۔ کسی نے کبھی ایسی تُرئی نہیں پھونکی جس کی دلکش آواز معاً روحانی جوش اور خُدا کے حضور دوڑ آنے کا ولولہ ہر انسان کے ظاہر و باطن میں پیدا کر دے۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک کوئی قوم بھی ایسی نہیں گذری جس نے شہروں اور وادیوں میں۔ مناروں اور پہاڑوں پر اس شدومد سے اپنے سچے اصولوں کی اس طرح منادی کی ہو جس طرح مسلمانوں نے یہ منادی کی۔

سوال :- صبح کی اذان میں اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ کے الفاظ کب شامل ہُوئے ؟

جواب :- (۱) مؤذنِ مکہ حضرت ابو محذورہؓ بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور مجھے اذان سکھائیں۔ چنانچہ آپؐ نے مجھے اذان سکھائی اور فرمایا کہ جب صبح کی اذان دینے لگو تو حَیَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے بعد دو۲ دفعہ اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ بھی کہا کرو۔[1]

(۲) حضرت بلال اذان کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع دینے جایا کرتے تھے کہ لوگ آ گئے ہیں۔ حضور نماز کے لئے تشریف لے آئیں۔ ایک دن بلالؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گئے تو انہیں بتایا گیا کہ آپؐ سو رہے ہیں۔ بلالؓ نے بلند آواز سے کہا "اَلصَّلٰوةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ" حضورؐ کو یہ الفاظ پسند آئے اور صبح کی اذان میں انہیں شامل کر لیا گیا۔[2]

---

[1] نسائی کتاب الاذان باب الاذان فی السفر جلد ا صفحہ ۷۲ ؛ ۵۳ ؛ الو ...

ان روایات سے ظاہر ہے کہ یہ الفاظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی اذان میں شامل ہو چکے تھے۔

سوال :- کیا نماز باجماعت کے لئے اذان ضروری ہے؟

جواب :- ہاں اذان ہونی چاہیئے لیکن اگر وہ لوگ جنہوں نے جماعت میں شامل ہونا ہے وہیں موجود ہوں تو اگر اذان نہ کہی جائے اور صرف اقامت پر اکتفاء کیا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ لوگوں نے اس کے متعلق مختلف خیالات کا اظہار کیا ہے۔ مگر میں ایک دفعہ حضرت صاحب کے ہمراہ گورداسپور کو جا رہا تھا۔ راستہ میں نماز کا وقت آیا۔ عرض کیا گیا کہ اذان کہی جائے؟ فرمایا۔ کہ احباب تو جمع ہیں کیا ضرورت ہے۔ اس لئے اگر ایسی صورت ہو تو نہ دی جائے ورنہ اذان دینا ضروری ہے۔ کیونکہ اس سے کسی دوسرے کو بھی تحریک نماز ہوتی ہے[۱]

اگر اکیلے نماز پڑھنی ہو تو اذان ضروری نہیں۔

جس صورت میں پہلے اذان نہیں ہوئی اذان دینی چاہیئے خواہ بالکل آہستہ آہستہ آواز سے ہی کیوں نہ ہو۔ تاہم اگر کسی جگہ شرارت یا فتنہ کا ڈر ہو تو پھر ترک میں بھی کوئی حرج نہیں۔ صرف اقامت کافی ہوگی۔

سوال :- جمعہ کے دن مسجد میں جو سب سے پہلے آئے کیا وہی اذان دینے کا مستحق ہے؟

جواب :- اصل یہ ہے کہ اذان کے لئے جس شخص کو مقرر کر دیا جائے وہی اذان بھی دے اور اقامت بھی کہے جمعہ کے روز دوسری اذان بھی وہی دے۔ البتہ منتظم مجاز کی اجازت سے کوئی اور شخص بھی دوسری اذان یا اقامت کہہ سکتا ہے۔

لیکن اگر مسجد میں مؤذن مقرر نہیں تو پھر امام جسے چاہے اذان اور اقامت کے لئے کہہ دے یا جو اذان دے سکتا ہے اور موقع پر موجود ہے وہ اذان دیدے۔ تاہم یہ کوئی مسئلہ نہیں کہ مسجد میں جو پہلے آئے اذان کہنا اُس کا حق ہو جاتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ زیاد بن حارث نامی ایک شخص نے حضور علیہ السلام کی اجازت سے اذان دی اور اقامت کے وقت حضرت بلالؓ اقامت کہنے لگے تو آپ نے فرمایا کہ جس نے اذان دی ہے وہی اقامت کہے[۲]

دوسری روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض افضلیت کے لحاظ سے ہدایت ہے ورنہ یہ جائز ہے کہ اذان کوئی کہے اور اقامت کوئی اور۔ مگر امام یا اذان کہنے والے کی

---

[۱] :- الفضل ۱۹ جنوری ۱۹۲۲ء

[۲] :- مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۶۹، نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۵۶

اجازت اور رضامندی سے یہ تبدیلی ہونی چاہیئے۔

سوال :۔ باجماعت نماز میں دائیں طرف سے اقامت کہنے میں کیا حکمت ہے؟

جواب :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دائیں جانب میں برکت ہے بہتر ہے کہ ہر کام دائیں طرف سے ہو۔ تاہم یہ کوئی ضروری حکم نہیں کہ اقامت کہنے والا ضرور دائیں طرف ہی کھڑا ہو۔ وہ شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے جو بائیں جانب کھڑا ہو۔ اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں۔

سوال :۔ اگر مغرب کی اذان بادلوں کے باعث غروب آفتاب سے پہلے ہو جائے اور نماز بھی پڑھ لی جائے بعد میں پتہ چلے کہ سورج ابھی غروب نہیں ہؤا تھا تو کیا یہ نماز دہرانی ضروری ہے؟

جواب :۔ نماز اگر وقت سے پہلے ادا کرلی جائے مثلاً مطلع ابر آلود ہو اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ سورج غروب ہو گیا ہے یا نہیں اور نماز پڑھنے کے بعد معلوم ہو کہ سورج ابھی غروب نہیں ہؤا تھا تو ایسی صورت میں نماز دوبارہ پڑھی جائے۔ ہاں اگر لوگ جا چکے ہُوں اور انہیں ایسی صورت کا علم نہیں ہو سکا تو وہ معذور ہیں اس لئے عدم علم کی بناء پر وہ اس اعادہ کے مخاطب نہیں ہوں گے۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری نے ایک بار اس طرح قبل از وقت نماز پڑھادی بعد میں انہیں اس کا علم ہؤا۔ چنانچہ انہوں نے یہ نماز دوبارہ پڑھی[1]

وقت کے اندر نماز پڑھنا صحت نماز کے لئے ضروری شرط ہے اور جس طرح کسی اور شرط کے ترک سے (مثلاً طہارت نہ ہو خواہ سہواً ہی ایسی صورت ہو) اعادہ ضروری ہوتا ہے اسی طرح اگر وقت سے پہلے غلطی سے نماز ادا ہو تو اس کا اعادہ بھی ضروری ہوگا۔

سوال :۔ کیا مسجد کے اندر اذان دینا منع ہے؟

جواب :۔ مسجد میں اذان دینے میں کوئی حرج نہیں اس کی ممانعت کسی صحیح حدیث میں نہیں ہے۔ البتہ یہ جائز ہے کہ اذان کے لئے مسجد کے ساتھ کوئی الگ اُونچی جگہ مینارہ یا چبوترے کی شکل بنادی جائے۔ مکہ مکرمہ میں اذان کی جگہ مسجدِ حرام کے اندر ہے۔ حدیث میں ہے:۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانے میں جمعہ کے دن منبر کے پاس (جو یقیناً مسجد کے اندر رکھا ہؤا تھا) ایک ہی اذان دی جاتی تھی۔ بعد میں حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں دوسری اذان کا رواج پڑا۔ جو مسجد کے دروازہ پر پڑے ہُوئے ایک بڑے پتھر پر کھڑے ہو کر دی جاتی تھی۔ جس کا نام زوراء تھا[2]

---

[1]: کشف الغمہ کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۲۵ جلد اوّل

[2]: بخاری باب التاذین عند الاذان یوم الجمعہ صفحہ ۱۲۵ جلد اوّل

اذان کے وقت کوئی بات کرنا اور کچھ پڑھنا

عصر کی اذان ہوئی اور نواب صاحب اور مشیر اعلیٰ خاموش ہو گئے ۔ حضرت اقدس امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اذان میں باتیں کرنا منع نہیں ہیں ۔ آپ اگر کچھ اور بات پوچھنا چاہتے ہیں تو پوچھ لیں ۔ کیونکہ بعض باتیں انسان کے دل میں ہوتی ہیں اور وہ کسی وجہ سے ان کو نہیں پوچھتا اور پھر رفتہ رفتہ وہ بُرا نتیجہ پیدا کرتی ہیں جو شکوک پیدا ہوں ان کو فوراً باہر نکالنا چاہیئے ۔ یہ بُری غذا کی طرح ہوتی ہیں اگر نہ نکالی جائیں تو سوء ہضمی ہو جاتی ہے ۔

۱۷ ر اپریل ۱۹۰۲ء کو ایک شخص اپنا مضمون اشتہار در بارہ طاعون سُنا رہا تھا ۔ اذان ہونے لگی وہ چپ ہو گیا ۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ۔ پڑھتے جاؤ ۔ [1]

---

[1] : الحکم مئی ۱۹۰۲ء ؎

اقامت

یہ اطلاع کرنے کے لئے کہ اب بالکل نماز کھڑی ہونے لگی ہے اور امام نماز پڑھانے کے لئے مصلّے پر قبلہ رُخ کھڑا ہوگیا ہے۔ اقامت کہی جاتی ہے۔ اقامت کہنے والا صف میں کھڑا ہوا اپنے ہاتھ سینے سے چھوڑے ہوئے ہوں۔ اقامت تیز روی سے جلدی جلدی ہی کہی جائے۔ جو شخص اذان دے اقامت کہنے کا حق بھی اُسی کو ہے۔ اُس کی اجازت سے یا امام الصلوٰۃ کے کہنے پر دوسرا شخص بھی اقامت کہہ سکتا ہے۔ اقامت کے الفاظ یہ ہیں :-

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ	اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔
اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ	مَیں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔
اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔	مَیں گواہی دیتا ہوں کہ توحید کا یہ پیغام لانیوالے محمدؐ اللہ کے رسُول ہیں۔
حَیَّ عَلَی الصَّلٰوۃِ	چلے آؤ نماز کی طرف۔
حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ	چلے آؤ نجات اور کامیابی کی طرف۔
قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃِ	کھڑی ہوگئی نماز۔
قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃِ	کھڑی ہوگئی نماز۔
اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ	اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔
لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ۔	اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔

نماز باجماعت

نماز باجماعت واجب ہے بلا عذر و مجبوری مردوں کے لئے فرض نماز اکیلے پڑھنا جائز نہیں۔ اس طرح ان کی نماز صحیح نہ ہوگی۔ مسجدیں نماز باجماعت کے لئے ہی بنائی جاتی ہیں۔

باجماعت نماز کے معنے یہ ہیں کہ ایک شخص نماز پڑھانے کے لئے آگے کھڑا ہو اور دوسرے اس کے پیچھے صف بنائیں اور جس طرح وہ نماز پڑھے اسی طرح پیچھے اس کی اقتداء کرنے والے نماز پڑھیں آگے کھڑے ہوکر نماز پڑھانے والے کو امام اور جو پیچھے صف میں کھڑے ہوتے ہیں ان کو مقتدی کہا جاتا ہے۔ جو نیت امام کی ہو وہی مقتدی کی ہونی چاہیئے۔ البتہ بوقت ضرورت فرض پڑھنے والے کے پیچھے نفل نماز کی نیت ہو سکتی ہے۔ اس کے سوا باقی نماز کے ہر عمل میں امام کی پیروی و اتباع ضروری ہے۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے رکوع کرنے سے پہلے مقتدی رکوع کرے یا اس کے سجدہ میں جانے سے پہلے سجدہ میں چلا جائے۔ بلکہ امام کی حرکت کی پیروی کی جائے۔ جو مقتدی امام سے آگے ہو اس کی نماز نہیں ہوتی۔

امام جماعت مؤمنین مبائعین میں سے ایسے شخص کو بنایا جائے جو نیک متقی پرہیزگار باوقار ہو۔ عاقل بالغ ہو۔ علم دین سے واقف اور نماز کے مسائل جانتا ہو۔ ایسے شخص کو امام نہ بنایا جائے جس کی امامت کو عام لوگ پسند نہ کرتے ہوں نماز پڑھانے کا سب سے مقدم حق خلیفہ وقت یا ان کے مقرر کردہ امیر کو ہے۔ پھر اُس شخص کو جسے لوگوں نے امام مقرر کیا ہوا ہے اس کی اجازت سے کوئی اور شخص بھی نماز پڑھا سکتا ہے۔ جو شخص قرآن پڑھ سکتا ہے وہ ایسے شخص کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتا جو اَن پڑھ ہے۔ اور اگر بالغوں میں سے کوئی شخص پڑھا ہوا نہ ہو لیکن ایک سمجھدار نابالغ لڑکا قرآن جانتا ہو تو ایسا لڑکا اَن پڑھ نابالغوں کا امام بن سکتا ہے۔

عورت مردوں کی امام نہیں بن سکتی۔ البتہ اگر نماز پڑھنے والی ساری کی ساری عورتیں ہوں تو وہ اپنے میں سے ایک کو امام بنا سکتی ہیں۔ اس صورت میں جو عورت امام بنے وہ صف کے اندر کھڑی ہو۔ عورتوں کی نماز باجماعت کے لئے اذان کی ضرورت نہیں۔ صرف اقامت کافی ہے۔ عورتیں اگر کسی جگہ جمع ہوں تو چاہیئے کہ وہ نماز باجماعت ادا کریں۔ اس سے ثواب زیادہ ملے گا گو ان کے لئے ایسا

کرنا ضروری نہیں۔

نماز باجماعت یعنی اقامت صلوٰۃ کا اصل وجوب مَردوں کے لئے ہے عورتیں انکی متابعت میں نماز باجماعت ادا کریں۔ ہاں اگر کسی جگہ صرف عورتیں جمع ہوں تو جیساکہ بیان ہو چکا ہے وہ نماز باجماعت پڑھ سکتی ہیں۔

نماز باجماعت میں امام تکبیرات تسمیع اور تسلیم بلند آواز سے کہے۔ اگر امام کی آواز پچھلی صفوں تک نہ پہنچے تو مقتدیوں میں سے کوئی بلند آواز شخص امام کے ساتھ تکبیرات اور تحمید اور تسلیم اُونچی آواز سے کہے باقی مقتدی آہستہ کہیں۔

مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں امام پہلی دو رکعتوں میں قرأت بلند آواز سے کرے۔ مغرب اور عشاء کی بقیہ رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھے اور وہ بھی آہستہ آواز سے ان کے ساتھ کوئی اور سورت پڑھنے کی ضرورت نہیں اِسی طرح ظہر اور عصر کی نمازوں کی ساری رکعتوں میں قرأت آہستہ ہوگی یعنی اس قدر آہستہ کہ ساتھ نماز پڑھنے والا سُن نہ سکے کہ امام کیا پڑھ رہا ہے۔ مقتدی صرف سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اس کے ساتھ قرآن کریم کا کوئی اور حصہ پڑھنا ضروری نہیں۔ بلکہ اگر امام جہراً قرأت کر رہا ہے تو مقتدی کو چاہیئے کہ وہ قرأت کو توجہ سے سُنے اور خود کچھ نہ پڑھے ہاں اگر نماز سِرّی ہے یا مقتدی امام کی آواز نہیں سُن رہا تو وہ اگر چاہے تو سورۂ فاتحہ کے ساتھ قرآن کریم کا کوئی اور حصہ بھی پڑھ سکتا ہے گو یہ ضروری نہیں[1]

اگر امام بھُول جائے تو اُسے توجہ دلانے کے لئے مقتدی "سبحان اللہ" کہیں۔ لیکن اگر کوئی عورت پیچھے نماز پڑھ رہی ہو تو وہ سبحان اللہ کہنے کی جگہ تالی بجائے۔ اگر امام قرأت میں غلطی کرے یا بھُول جائے تو مقتدی اُسے صحیح آیت بتا سکتا ہے۔ اگر امام نماز میں غلطی ہو جانے کی وجہ سے سجدہ سہو کرے تو مقتدی بھی ساتھ سجدہ سہو کریں۔

امام کو چاہیئے کہ وہ اتنی لمبی نماز نہ پڑھائے کہ مقتدی اکتا جائیں۔ اُسے کمزور۔ بوڑھے۔ بیمار اور کام کاج اور ڈیوٹی پر جلد جانے والوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔

نمازیوں کی صفیں بالکل سیدھی ہوں۔ صف باندھنے والے ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوں۔ درمیان میں جگہ خالی نہ ہو پہلے پہلی صف کو پُورا کیا جائے پھر دوسری صف بنائی جائے یہی طریق آخر تک قائم رہے۔ پہلے مَردوں کی صفیں ہوں ان کے بعد بچوں کی اور پھر عورتوں کی یا پھر عورتوں کی صفیں علیحدہ ایک طرف باپردہ جگہ میں ہوں لیکن امام اور مَردوں کی صفوں سے عورتوں کی

---

[1] تفسیر کبیر

صفیں اتنے زیادہ فاصلہ پر نہ ہوں کہ اُن کی صفوں کی جگہ بالکل الگ تھلگ ہی نظر آئے۔ مقصد یہ کہ مرد، عورت اور بچے تینوں نہ ایک ہی صف میں کھڑے ہوں اور نہ ہی عورتوں کی صف مردوں کی صف سے آگے ہو۔

نماز باجماعت کے لئے کم از کم ۲ دو آدمی ہونے چاہئیں تاہم جتنے زیادہ لوگ جماعت میں شامل ہوں اتنا زیادہ ثواب ملے گا۔ نماز پڑھنے والے اگر صرف ۲ دو ہوں تو مقتدی امام کے ساتھ دائیں جانب کھڑا ہو اور اگر نماز پڑھنے والے ۲ دو سے زیادہ ہوں تو پھر امام آگے کھڑا ہو اور مقتدی پیچھے صف بنائیں۔

پہلی صف میں امام کے قریب ایسے لوگ کھڑے ہونے چاہئیں جو ذی علم اور متقی ہوں۔ اگر نماز کے دَوران میں امام کو کوئی ایسا حادثہ پیش آجائے کہ وہ نماز پڑھانے کے قابل نہ رہے مثلاً اس کا وضو ٹوٹ جائے تو وہ خود مصلّٰی سے ہٹ جائے اور اس کے قریب ہی جو لوگ کھڑے ہیں اُن میں سے کسی کو اپنی جگہ کھڑا کر دے تاکہ وہ لوگوں کو بقیہ نماز پڑھائے ایسا کرنے سے نماز کا تسلسل نہیں ٹوٹے گا۔

صفوں کے پیچھے یا صفوں سے علیحدہ اکیلے کھڑے ہونا درست نہیں اگر اگلی صف میں کوئی جگہ نہ ہو تو اگلی صف میں سے کسی آدمی کو پیچھے کر کے اس کے ساتھ صف بنا کر کھڑا ہونا چاہیئے۔ اگر مجبوری ہو اور دوسرے آدمی کو ساتھ کھڑا کرنا ممکن نہ ہو تو پھر اکیلے بھی کھڑا ہو سکتا ہے۔

اگر امام بوجہ بیماری یا ضعف کھڑا ہونے سے معذور ہو اور وہ بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی جو معذور نہیں ہیں کھڑے ہو کر اس کی اقتداء میں نماز ادا کریں۔

جو شخص ایسی حالت میں آکر شامل ہو کہ امام ایک رکعت یا زیادہ رکعتیں پڑھ چکا تھا تو جس حالت میں بھی امام ہے اُسی حالت میں بعد میں آنے والا ساتھ شامل ہو جائے۔ ایسے شخص کو مسبوق کہتے ہیں یعنی امام اس سے آگے نکل گیا ہے اور وہ پیچھے رہ گیا ہے۔ امام جب اپنی نماز ختم کرے تو مسبوق سلام پھیرنے کی بجائے اللہ اکبر کہتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہو اور اپنی بقیہ نماز کو اس طرح پڑھے کہ گویا وہ نماز شروع سے اکیلے پڑھ رہا ہے۔ یعنی پہلی رکعت ثناء اور اعوذ سے شروع کرے اور فاتحہ کے بعد کوئی اور سورۃ بھی پڑھے۔ دوسری رکعت بھی اگر اس نے پڑھنی ہے تو اس میں فاتحہ کے علاوہ کوئی اور سورت پڑھے۔ البتہ اگر اس کو امام کے ساتھ ایک ہی رکعت ملی ہے تو اس کے لئے یہ اجازت ہے کہ وہ درمیانی قعدہ کے لئے ایک رکعت پڑھنے کے بعد ہی بیٹھ جائے یا ۲ دو رکعت پڑھ کر قعدہ میں بیٹھے۔ دونوں صورتوں میں سے کوئی ایک صورت اختیار کی جا سکتی ہے جو شخص رکوع میں آکر شامل ہو یعنی امام کے سر

اٹھانے سے پہلے پہلے رکوع کے لئے جھک جائے تو اس کی یہ پوری رکعت شمار ہوگی ورنہ اس کی یہ رکعت فوت شدہ ہوں جسے وہ بعد میں پوری کرے گا۔

ایک شخص امام کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا کہ اسکا وضو ٹوٹ گیا اور وہ خاموشی سے وضو کرنے چلا گیا اور پھر آ کر شامل ہو گیا یا اس پر نیند کا غلبہ ہو گیا۔ یا کوئی اور عذر پیش آ گیا اور وہ امام کے ساتھ رکوع میں شامل نہ ہو سکا یا امام سجدہ میں جا چکا تھا تب وہ رکوع سے اٹھا اور اسطرح وہ امام کیساتھ تو رہ نہیں کر سکا یا امام نے اسکی سجدہ میں جانے سے پہلے اپنا سجدہ مکمل کر لیا تو اس قسم کی سب صورتوں میں ایسا شخص جلدی۔ سے اس فوت شدہ رکن یعنی رکوع یا سجدہ کو پورا کرے اور اس کے بعد اپنی نماز کو امام کے ساتھ جاری رکھے۔ لیکن اگر وہ ایسے وقت میں شامل ہوا یا اپنی غلطی سے متنبہ ہوا کہ امام اس کے بعد کی رکعت کے رکوع میں جا چکا تھا اور یہ فوت شدہ ارکان کو پورا کر کے امام کے ساتھ رکوع میں شامل نہیں ہو سکتا تھا تو وہ بجائے فوت شدہ رکن کو پورا کرنے کے امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہو جائے اور جو رکعت اس کی رہ گئی ہے یا جس رکعت میں اس سے یہ غلطی سرزد ہوئی ہے اس ساری رکعت کو امام کے فارغ ہونے کے بعد پوری کرے یہ اس کی وہ رکعت ہوگی جو اس کی رہ گئی ہے یا جس میں اس سے غلطی سرزد ہوئی ہے۔ مثلاً اگر یہ دوسری رکعت تھی تو وہ اُسے دوبارہ پڑھتے وقت ثناء اور اعوذ نہیں پڑھے گا اور اگر تیسری رکعت تھی تو اس میں فاتحہ کے بعد سورۃ نہیں پڑھے گا یہی حکم ملحق کا ہے۔

مقتدی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ آہستہ آواز سے ضرور پڑھیں سوائے اس کے کہ مقتدی امام کے ساتھ رکوع میں آ کر شامل ہوا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھنے کے لئے وقت نہ ہو ایسی صورت میں اس رکعت کی سورۂ فاتحہ معاف ہوگی۔ سورۂ فاتحہ کے علاوہ مقتدی کے لئے قرآن کا کوئی اور حصّہ پڑھنا ضروری نہیں۔ اُسے چاہیئے کہ وہ امام کی قرأت توجہ سے سُننے اور اپنی توجہ اس طرف مصروف رکھے۔

جو شخص گھر میں یا کسی اور جگہ نماز پڑھ کر مسجد میں آیا اور اس مسجد میں نماز ہو رہی تھی تو اس شخص کو جماعت میں شامل ہو جانا چاہیئے اور یہ خیال نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ یہ نماز پڑھ آیا ہے۔ اور نہ یہ فکر کرنا چاہیئے کہ اس کی کونسی نماز فرض ہوگی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے کہ وہ اس کی کس نماز کو بطور فرض قبول کرتا ہے اور کس کو بطور نفل۔

اگر نماز کھڑی ہو تو پھر کوئی دوسری سنّت یا نفل نماز نہ پڑھی جائے۔ اگر کوئی شخص سنتیں وغیرہ پڑھ رہا ہو اور اس دوران میں نماز کھڑی ہو جائے تو اگر وہ صف کے اندر ہے تو وہ نماز کو ترک کر کے

فوراً جماعت میں شامل ہوجائے اور اگر علیحدہ مقتدیوں کی صف سے فاصلہ پر نماز پڑھ رہا ہے۔ اور اُسے اُمید ہے کہ وہ اپنی نماز پوری کرکے امام کے ساتھ پہلی رکعت کے رکوع میں شامل ہوجائے گا تو وہ نماز پوری کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ جو سنتیں نماز سے پہلے پڑھی جاتی ہیں جماعت میں شامل ہونے کی وجہ سے اگر وہ رہ گئی ہوں تو جماعت کے بعد ان سنتوں کو پڑھ لیا جائے۔ صبح کی سنتیں اگر رہ گئی ہوں تو فجر کی فرض نماز کے بعد پڑھ لی جائیں۔

اگر کوئی شخص کھلی جگہ میں نماز پڑھ رہا ہو تو وہ نمازی اپنی سجدہ گاہ سے کچھ فاصلے پر سُترہ گاڑ دے۔ یعنی اپنی چھڑی یا کوئی لکڑی نصب کرے یا کوئی اور نشان رکھدے تاکہ اگر کسی شخص نے سامنے سے گذرنا ہے تو وہ سُترا کے پرے سے گذرے اور نمازی اور سُترہ کے درمیان سے گزرنے کی کوشش نہ کرے۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز باہر کھلی جگہ میں پڑھاتے تو سامنے اپنا چھوٹا نیزہ گاڑ لیتے۔ سفر میں بھی عموماً آپ کا یہی طریق ہوتا۔

بعض اوقات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قرأت میں جب کسی ایسی آیت کی تلاوت فرماتے جس میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے یا جنّت و دوزخ کا ذکر آیا ہے یا عظمتِ الٰہی کے متعلق استفسار ہے تو ایسی صورت میں صحابہؓ اس کا جواب دیتے اس کی اتباع میں آج بھی اس سنّت پر عمل کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر امام سَبِّحِ اسْمَ رَبِّکَ الْاَعْلٰی پڑھے تو مقتدی کسی قدر بلند آواز سے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہیں اور اگر وہ ثُمَّ اِنَّ عَلَیْنَا حِسَابَھُمْ پڑھے تو مقتدی اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا یَسِیْرًا پڑھیں۔ یا اگر وہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ پڑھے تو مقتدی بلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشّٰھِدِیْنَ پڑھیں۔ امام نماز میں صرف اپنے لئے دُعا نہ کرے۔ بلکہ مقتدیوں کو بھی دُعا میں شامل کرے اور ان کے لئے بھی دُعا کرے۔

نماز باجماعت کی حکمت

حدیث میں آتا ہے کہ نماز باجماعت سے ستائیس گنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ مسجد کی طرف ہر قدم نیکی شمار ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نماز باجماعت کے ثواب کا اگر مسلمانوں کو اندازہ ہو اور گھٹنوں کے بل اس کے لئے ان کو آنا پڑے تب بھی وہ آئیں۔

نماز باجماعت کے ذریعہ اجتماعی دُعا کی توفیق ملتی ہے۔ نماز باجماعت سے اتحاد اسلامی تنظیم اور

اس کی اطاعت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ غلبہ اسلام اور تبلیغ حق کے لئے اجتماعی کوششوں کی فکر فروغ پاتی ہے۔ پھر نماز باجماعت کے لئے اکٹھا ہونے سے باہمی الفت و تعاون اور ہمدردی کا سبق ملتا ہے جسے مسلمان دن میں پانچ بار دہراتے ہیں۔ بار بار اکٹھے ہونے سے ایک دوسرے سے تعارف حاصل ہوتا ہے۔ پاس پاس رہنے والوں کے حالات کا علم ہوتا ہے۔ غریبوں اور ضرورتمندوں کے کام آنے کے مواقع میسر آتے ہیں۔ مساوات عالمگیر یک جہتی اور روحانی اتحاد کی ضرورت کا احساس بڑھتا ہے ایک محلہ یا ایک گاؤں کے رہنے والے دن میں پانچ بار نماز باجماعت کے لئے مسجد میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ پھر سارے شہر اور اردگرد کے گاؤں کے لوگ ہفتہ میں ایک بار جمعہ کے لئے بڑی مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور سال میں اس سے بھی زیادہ دُور کے لوگ عید کیلئے آتے ہیں اور عمر بھر میں ایک بار استطاعت رکھنے والے حج کے لئے مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں گویا اتحاد اور تنظیم کے یہ مختلف مدارج ہیں جو اجتماع کی ان صورتوں میں قائم کئے گئے ہیں۔

بلند یا آہستہ آواز سے قرأت پڑھنے کی حکمت

جیسا کہ اُوپر گذر چکا ہے۔ بلند آواز سے پڑھی جانے والی رات کی نمازیں ہیں اور خاموشی اور آہستہ آواز سے پڑھی جانے والی دن کی ہیں۔ دن کے وقت شور زیادہ ہوتا ہے امام اگر بلند آواز سے سنانا چاہے تو اس پر بوجھ زیادہ پڑے گا۔ اس تکلیف سے بچانا ایک جسمانی حکمت ہے۔ روحانی حکمت یہ ہے کہ دن کے وقت نُور ہوتا ہے ہر شخص دیکھ سکتا ہے اس لئے آواز سے سمجھانے کی ضرورت نہیں۔ لیکن رات کو تاریکی ہوتی ہے کسی کو اندھیرے میں سُوجھتا ہے کسی کو نہیں اس لئے آواز سے سمجھانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ دن کی نمازوں میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب سب کو ہدایت مل جائے تو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر کے ہدایت پر قائم رہو اور جب دُنیا میں تاریکی پھیل جائے تو ایک دوسرے کو بلند آواز سے خبردار کرتے رہو۔ کیا آپ نے دن کے وقت اکٹھے چلنے والے اور رات کے وقت اکٹھے چلنے والے مسافروں کو نہیں دیکھا۔ دن کو چلنے والے مسافر ایک دوسرے کو آواز نہیں دیتے۔ رات کو چلنے والے آوازیں دیتے جاتے ہیں کوئی کہتا ہے دیکھنا گڑھا ہے۔ کوئی کہتا ہے بچنا کیچڑ ہے پانی ہے۔

پس سِرّی قرأت میں روحانی حکمت یہ ہے کہ سہولت اور آسانی نُور کے وقت ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہُوئے چلیں اور جب تاریکی اور بدی پھیل جائے تو اس وقت صرف عمل ہی کافی نہیں

بلکہ تلقین بھی ضروری ہے اور جسم کے ساتھ زبان بھی شامل ہونی چاہیئے۔

علاوہ ازیں اس ہدایت میں اطاعت کا امتحان بھی لیا گیا ہے۔کیونکہ دن ہاؤ ہُو کا وقت ہے دل بولنے کے لئے مچلتا ہے لیکن حکم ہُوا کہ بولنا نہیں۔ رات سکون کے لئے ہے دل بالکل خاموشی کو چاہتا ہے اس لئے ہدایت ملی کہ اس وقت خوب بلند آواز سے قرآن شریف پڑھو اور اطاعتِ الٰہی کے گیت گاؤ۔

رات کی نمازوں میں سے بعض حصّہ کی قرأت بلند آواز میں کی جاتی ہے اور بعض حصہ کی خاموش اور آہستہ۔مغرب کی نماز میں دو رکعت بلند آواز سے ہیں اور ایک رکعت خاموشی سے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کے وقت ایک طرف خاموشی طاری ہو جاتی ہے اور آواز سنائی جا سکتی ہے۔ لیکن ساتھ ہی وہ تاریکی کی ابتداء کا وقت ہوتا ہے اور ہر حالت سے دوسری حالت کی طرف گریز کرتے وقت اعصاب کو ایک صدمہ پہنچتا ہے۔اس لئے بلند آواز کا حصّہ زیادہ رکھا اور خاموشی کا کم اور عشاء کے وقت اور بھی زیادہ آواز کے پہنچانے میں سہولت ہوتی ہے لیکن انسان ابتدائی صدمہ سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے مخلی بالطبع ہونے کا وقت آجاتا ہے۔ اس لئے اس میں دونوں حالتوں کو برابر رکھا ہے۔صبح کے وقت انسان پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے اکثر لوگ قریب میں ہی سو کر اُٹھے ہوتے ہیں اور آواز بھی اچھی طرح سنائی جا سکتی ہے اس لئے دونوں رکعتوں میں قرأت رکھی تاکہ لوگوں میں سُستی نہ پیدا ہو اور غنودگی دُور ہو جائے۔

درحقیقت نمازیں یہ بتایا گیا ہے کہ انسانی رُوح کے کمال کے لئے دوسروں کے ساتھ تعاون، وعظ و تذکیر اور مراقبہ یہ تینوں چیزیں ضروری ہیں۔

مراقبہ کا قائم مقام خاموش نمازیں ہوتی ہیں جن میں انسان اپنے مطلب کے مطابق زور دیتا ہے۔

وعظ و تذکیر کا نشان قرأت ہے جو انسان کو باہمی نصیحت کرنے کی طرف توجہ دلاتی ہے اور تعاون کا نشان جماعت ہے۔ جماعت کے علاوہ جو سب اوقات میں مدّنظر رکھی گئی ہے دوسری دونوں کیفیتوں کو مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے (دن کے وقت کی نمازوں سے جمعہ کی نماز مستثنیٰ ہے اس میں جو قرأت نماز میں بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے وہ اس لئے ہے کہ جمعہ اجتماع اور خاص طور پر وعظ و تذکیر اور تلقین احکام کا دن ہے اس لئے اس میں قرأت بالجہر ضروری تھی)۔

رات کی نمازوں میں سے بعض میں قرأت اور خاموشی کو جمع کر دیا گیا ہے اور بعض میں صرف قرأت کو لے لیا گیا ہے جیسے صبح کی نماز ہے۔ اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب کسی تنزل کی ابتداء ہوتی ہے تو

وعظ و تذکیر اور مراقبہ کے متفقہ نسخے سے قوم کی اصلاح ہوتی ہے۔ لوگ نور سے تازہ تازہ نکلے ہوتے ہیں اور قلب کی حالت پر غور کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ لیکن جس وقت تنزل اپنی انتہا کو پہنچ جائے جیسے رات کی تاریکی ہوتی ہے تو اس وقت لوگوں میں یہ مادہ نہیں رہتا کہ وہ غور کریں تو اس وقت فذکر [illegible] ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطا کی ہو وہ لوگوں کو جگائیں اور [illegible] کا [illegible]۔

چنانچہ قرآن کریم میں بھی اسی زمانہ کے متعلق فرمایا ہے واللیل اذا عسعس والصبح اذا تنفس۔ ایسے زمانہ میں تاریکی کی لمبائی اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے لوگوں کے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ اور لوگوں کو جگانے والے کو زیادہ توجہ دینی پڑتی ہے اس لئے اس وقت میں مراقبہ کا حصہ گھٹا دیا گیا اور وعظ و تذکیر اور عملی تبلیغ پر زیادہ زور دیا گیا۔ ہر حصہ وقتی و ہنگامی تقاضے [illegible]۔

نماز باجماعت کی اہمیت

سوال :۔ باجماعت نماز میں زیادہ ثواب کی وجہ کیا ہے؟

جواب :۔ نماز میں باجماعت کا زیادہ ثواب رکھا ہے اس میں یہ غرض ہے کہ وحدت پیدا ہوتی ہے [illegible] تاکید ہے کہ باہم پاؤں بھی مساوی ہوں اور صف سیدھی ہو اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہوں۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ گویا ایک ہی انسان کا حکم رکھیں اور ایک کے انوار دوسرے میں سرایت کر سکیں۔ وہ تمیز جس سے خودی اور خود غرضی پیدا ہوتی ہے نہ رہے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ انسان میں قوت ہے۔[۲]

سوال :۔ نماز کی پابندی کرانے کے لئے یہ تجویز کی گئی ہے کہ جو مرد دانستہ نماز باجماعت میں غفلت کرے ایک آنہ جرمانہ ادا کرے اور جو عورت دانستہ نماز میں غفلت کرے وہ دو پیسہ اور جو نماز جمعہ میں دانستہ غفلت کرے اُس سے چار آنہ جُرمانہ لیا جائے۔

جواب :۔ جوش تو اچھا ہے اور قابل قدر ہے مگر جرمانہ بدعت ہے وہی نماز مفید ہو سکتی ہے جس کے ادا کرنے میں اگر کسی قسم کی سستی ہو جائے تو خود دل اس پر جرمانہ کرے۔ نماز کی غفلت رُوح کی قربانی سے دُور ہو سکتی ہے پیسوں کی قربانی سے نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے [illegible] کہ نماز باجماعت کے متعلق یہی فرمایا ہے کہ میرا جی چاہتا

---

[۱] : الفضل ۵ ستمبر ۱۹۱۶ء، ۱۹ نومبر ۱۹۱۱ء ؎ [۲] :۔ [illegible] صفحہ ۴۲ ؎

ہے کہ ایسے شخص کا گھر جلا دوں۔ کجا یہ کہ بکلی نماز کا تارک ہو۔ جو شخص جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی کوشش نہیں کرتا اور ہر ایک نماز اس کی جماعت سے رہ جاتی ہے اور اس [illegible] شخص [illegible] داخل ہی نہیں۔ اس کا ظاہری علاج نصیحت ہے اور وعظ ہے اور باطنی علاج دعا ہے جو اس سے بھی نہ سمجھے خلیفہ وقت سے اجازت لے کر اُسے اپنی جماعت سے الگ کر دینا چاہیئے۔ نماز اسلام کا ایک رکن ہے فوج میں لنگڑے آدمی نہیں رکھے جاتے[1]۔

سوال: بعض اوقات صبح کی نماز ایسے وقت میں ہوتی ہے کہ معلوم ہوتا ہے ابھی صبح نہیں ہوئی ایسی صورت میں جماعت کے ساتھ شامل ہونے یا نہ ہونے کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب: آخر دوسرے لوگ وقت سمجھ کر ہی نماز پڑھتے ہوں گے اور یوں ہی اپنی نماز کو ضائع نہیں کرتے ہوں گے۔ اس واسطے ایک شخص کو اپنی رائے باقی جماعت کی رائے پر قربان کر دینی چاہیئے۔ اور علیحدگی نہیں اختیار کرنی چاہیئے۔ حدیث میں آتا ہے[2]

مَن فارق الجماعة شبرًا فيموت ميتة جاهلية۔

(بخاری کتاب الفتن باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ستروں بعدی امورًا صفحہ ۱۰۴۵ جلد ۲)

امامُ الصّلوٰۃ کا تقرر

سوال :- کیا امام کا تقرر مرکز اسلام کے دائرہ اختیار میں ہے ؟

جواب :- امام کے تقرر کا اختیار خلیفہ وقت یا اس کے مقرر کردہ نمائندہ کو ہے ۔ شروع سے ہی نظام اسلامی اسی طرح پر رائج رہا ۔ جو والی یا امیر مرکز سے مقرر کر کے بھجوایا جاتا ہے وہ امام الصلوٰۃ بھی ہوتا ہے ۔ ہاں بعض اوقات ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی جگہ ولایت اور امامت کے لئے دو الگ الگ آدمی بھجوائے گئے ۔ اسی طرح ائمہ کو حکومت کی طرف سے باقاعدہ تنخواہیں دی جاتی تھیں ۔ اگر ان کے تقرر کا اختیار مرکز کو نہ تھا تو مرکز نے انہیں تنخواہیں دینے کی ذمہ داری کس بنا پر لی ۔ علامہ ابن جوزی لکھتے ہیں :-

عن الحسن رحمۃ اللہ علیہ انّ عمر و عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما کانا یرزقان الائمۃ والمؤذنین والمعلمین والقضاۃ ۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مدینہ بھجوایا تاکہ وہ لوگوں کو قرآن کریم پڑھائیں اور نماز کی امامت کرائیں ۔ چنانچہ لکھا ہے :-

"ثمّا انصرف القوم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی لیلۃ العقبۃ بعث معھم مصعب بن عمیرؓ ثم ھاجر الی المدینۃ بعد العقبۃ الاولی لیعلّم القران ویصلی بھم"[2]

الغرض تمام فقہاء امام کے تقرر کو مرکز اسلام کے اختیارات میں شمار کرتے ہیں نیز اس بات کی تصریح کی گئی ہے کہ اگر کہیں امام وقت جائے اور وہاں اس کا نائب بھی ہو تو امام وقت کو نماز کی امامت کرانے کا زیادہ حق ہوگا ۔ چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب المغنی لابن قدامہ میں لکھا ہے :-

ان دخل السلطان بلدًا لہ فیہ خلیفۃ فھو احق من خلیفتہ لان ولایتہ علی خلیفتہ وغیرہ ۔[3]

---

[1] :- سیرۃ عمر بن الخطاب ص ۹۱ ؛ [2] :- اسد الغابہ ص ۳۶۹ ج ۴ ؛ [3] :- المغنی لابن قدامہ ص ۲۰۵ ج ۲ ؛

بہرحال اسلامی مساجد کے نظام میں یہ امر تسلیم شدہ ہے کہ امام الصلوٰۃ کے مقرر کرنے کا اختیار خلیفہ وقت یا اس کے نمائندہ کو حاصل ہے۔

اُجرت پر امام الصلوٰۃ مقرر کرنا

سوال :۔ ایک مسجد کے امام الصلوٰۃ ہیں ان کو کچھ معاوضہ دیا جاتا ہے تاکہ مسجد آباد رہے۔ اس بارہ میں شرعی ہدایت کیا ہے؟

جواب :۔ حضور علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا۔ خواہ احمدی ہو یا غیر احمدی جو روپیہ کے لئے نماز پڑھتا ہے اس کی پروا نہیں کرنی چاہیئے۔ نماز تو خُدا کے لئے ہے اگر وہ چلا جائے گا تو خدا تعالیٰ ایسے آدمی بھیج دے گا جو محض خُدا کے لئے نماز پڑھیں اور مسجد کو آباد کریں۔ ایسا امام جو محض لالچ کی وجہ سے نماز پڑھتا ہے۔ میرے نزدیک خواہ وہ کوئی ہو احمدی ہو یا غیر احمدی اس کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی امام اتقی ہونا چاہیئے۔[۱]

امام الصلوٰۃ مقرر کرنے کی شرائط

امام ایک متقی، پرہیزگار، مبائع مسلمان کو بنانا چاہیئے۔ وہ خُدا کا ہو اور خُدا کے لئے کام کرے نفس کی ملونی یا پیشہ ورانہ ذہنیت اُس میں نہ ہو۔ کسی ایسے شخص کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے۔ جس نے بیعت نہ کی ہو اور نظام سے منسلک نہ ہو۔ کیونکہ ارشاد امامکم منکم کا یہی تقاضہ ہے۔

بعض ائمہ دین سالہاسال مکہ میں رہے لیکن چونکہ وہاں کے لوگوں کی حالت تقویٰ سے گری ہوئی تھی۔ اس لئے کسی کے پیچھے نماز پڑھنا گوارا نہ کیا اور گھر میں پڑھتے رہے۔[۲]

غسال کے پیچھے نماز

ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے سوال کیا کہ غسال کو پیش امام بنانا جائز ہے؟ حضرت نے فرمایا۔ "یہ سوال بےمعنی ہے۔ غسال ہونا کوئی گناہ نہیں۔ امامت کے لائق وہ شخص ہے جو متقی ہو۔ عالم باعمل ہو۔ اگر ایسا ہے تو غسال ہونا کوئی عیب نہیں جو امامت سے روک سکے۔"[۳]

---

[۱] : الحکم ۱۰ نومبر ۱۹۰۵ء، فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۹۹۔
[۲] :۔ فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۲۸، الحکم ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء، الحکم ۳۰ اپریل ۱۹۰۲ء، البدر ۲۳ مئی ۱۹۰۷ء، البدر ۲۳ اپریل ۱۹۰۸ء؛
[۳] :۔ فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۲۹؛

معذور امام

سوال :- کیا معذور شخص امام الصلوٰۃ بن سکتا ہے ؟

جواب :- ایک [illegible]

مقبول ہو۔ جو شخص خود معذور ہے مثلاً بوجہ بیماری وہ رکوع و سجدہ نہیں کر سکتا تو اُس کو امام مقرر نہیں کرنا چاہیئے۔

جس شخص کی امامت کو لوگ پسند نہ کرتے ہوں۔ اگر وہ خود امام بن کر نماز پڑھائے تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ ثواب کی بجائے وہ گناہ کا مرتکب ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے :-

"ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول ثلاثۃ لا یقبل اللہ منھم صلوٰۃ من تقدم قومًا وھم لہٗ کارھون ورجل اتی الصلوٰۃ دبارًا والدبار أن یاتیھا بعد ان تفوتہٗ ورجل اعتبد محررًا۔" [1]

ترجمہ :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ تین شخصوں کی نماز قبول نہیں ہوتی (۱) جو شخص قوم کا امام الصلوٰۃ بنے حالانکہ لوگ اُس کو ناپسند کرتے ہوں۔ دوسرے وہ شخص جو بعد از وقت نماز پڑھنے کا عادی ہے۔ تیسرے وہ شخص جس نے آزاد کو غلام بنا لیا ہو اور اس سے غلاموں کی طرح کام لیتا ہو۔

امام ایسے شخص کو مقرر کرنا چاہیئے جو متقی ہو۔ مسائلِ نماز جانتا ہو۔ عمدہ طریق پر قرأۃ کرتا ہو۔ اکثریت اُسے پسند کرتی ہو۔

سوال :- ایک شخص کا پیشاب بوجہ بڑھاپا یا بیماری نکل جاتا ہے مگر نہایت نیک اور باخدا شخص ہے۔ آیا ایسا شخص امام بن سکتا ہے ؟

جواب :- اصول یہ ہے کہ اگر ایک شخص تقویٰ اور علم میں ممتاز ہو اور امام مقرر ہو یا اُسے امامت کرنے کے لئے کہا جائے تو معذور ہونے کے باوجود بھی وہ امام بن سکتا ہے اس کی امامت کسی درجہ میں بھی مکروہ نہیں۔ تاہم خود ایسے شخص کو جہاں تک اس کی اپنی مرضی کا سوال ہے امام بننے سے بچنا چاہیئے تاکہ دوسرے خواہ مخواہ وہم نہ کریں۔

سیرۃ المہدی میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے لکھتے ہیں :-

---

[1] :- سنن ابی داؤد باب الرجل یؤم القوم وھم لہٗ کارھون ؛

"ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ کسی وجہ سے مولانا عبدالکریم صاحب مرحوم نماز نہ پڑھا سکے۔ حضرت خلیفۃ المسیح اوّل بھی موجود نہ تھے۔ تو حضرت صاحب نے حکیم فضل دین صاحب مرحوم کو نماز پڑھانے کے لئے ارشاد فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ حضور تو جانتے ہیں کہ مجھے بواسیر کا مرض ہے اور ہر وقت ریح خارج ہوتی رہتی ہے مَیں نماز کس طرح سے پڑھاؤں؟ حضور نے فرمایا۔ حکیم صاحب آپ کی نماز باوجود اس تکلیف کے ہو جاتی ہے یا نہیں؟ انہوں نے عرض کیا۔ ہاں حضور۔ فرمایا کہ پھر ہماری بھی ہو جائے گی آپ پڑھائیے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ بیماری کی وجہ سے اخراج ریح جو کثرت کے ساتھ جاری رہتا ہے یہ نواقض وضو میں نہیں سمجھا جاتا۔" [۱]

نابالغ امام

سوال :۔ کیا ایک بچہ دوسرے بچوں کو نماز باجماعت پڑھا سکتا ہے؟

جواب :۔ ایک نابالغ مگر سمجھدار بچہ کی امامت جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں خواہ مقتدی بڑی عمر کے ہوں اور اُن میں کوئی اچھا پڑھا لکھا نہ ہو جماعت کرانا نہ جانتا ہو لیکن چھوٹی عمر کا بچہ سمجھدار ہو۔ قرآن خوب پڑھ سکتا ہو۔ نماز کے مسائل سے واقف ہو تو وہ نابالغ ہونے کے باوجود امام بن سکتا ہے۔

حضرت عمرو بن سلمہؓ بیان کرتے ہیں کہ فتح مکہ کے ایام میں میری عمر چھ سات سال کی تھی اس زمانہ میں بڑی کثرت سے قبائل مسلمان ہو رہے تھے۔ ہمارے قبیلہ میں سب سے پہلے میرا باپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوُا اور اپنے قبیلہ کی نمائندگی میں اسلام قبول کیا۔ واپس آکر اُس نے لوگوں کو حضور کی ہدایات سنائیں کہ اتنی نمازیں فلاں فلاں وقت میں پڑھی جائیں۔ نماز کے وقت اذان دی جائے اور تم میں سے جو زیادہ قرآن جانتا ہو وہ امام بنے۔ میری عمر اگرچہ چھوٹی تھی لیکن سب سے زیادہ مَیں قرآن جانتا تھا کیونکہ مجھے علم کا شوق تھا اور مسلمانوں کے جو قافلے ہمارے قریب سے گزرتے اُن کے پاس جا کر مَیں اُن سے قرآنِ کریم سنتا اور یاد کر لیتا تھا۔ چنانچہ لوگوں نے مجھے ہی امام بنا لیا۔ میری چادر بالکل چھوٹی تھی جب

---

[۱] :۔ سیرۃ المہدی حصہ سوئم صفحہ ۱۱۱ روایت ۶۵۲

میں سجدہ میں جاتا تو بے پردگی ہوتی۔ ایک عورت نے مزاقاً کہا۔ بھائیو! پہلے اپنے امام کا ننگ تو ڈھانکو۔ چنانچہ لوگوں نے مجھے قمیض بنوا دی اور اس وقت قمیض پہننے کی مجھے اس قدر خوشی ہوئی کہ بیان نہیں کر سکتا[1]

عورت اور امامت صلوٰۃ

سوال:۔ کیا عورت امام بن سکتی ہے؟

جواب:۔ عورت کے امام ہونے کا ذکر بعض حدیثوں[2] میں آتا ہے یعنی عورت دوسری عورتوں کی امام بن سکتی ہے۔ اس صورت میں بہتر ہے کہ صرف اقامت کہی جائے۔ اذان کی ضرورت نہیں۔ اس طرح امام عورت کو صف کے درمیان کھڑا ہونا چاہیئے۔ مرد امام کی طرح آگے کھڑی نہ ہو۔ یہ امامت حسب ضرورت صرف شاذ صورتوں میں جائز ہے۔ اسے رواج کی شکل دیدینا اور عورتوں کا اس طرح عادتاً باقاعدہ باجماعت نماز پڑھنا جس میں امام بھی عورت ہو مناسب نہیں۔ قرون اُولیٰ کے مسلمانوں میں اس کی بہت کم مثال ملتی ہے۔

سوال:۔ کیا عورتیں جلسہ سالانہ کے موقع پر زنانہ جلسہ گاہ میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی اقتداء میں نمازِ جمعہ پڑھ سکتی ہیں۔ جبکہ لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ آواز پہنچ رہی ہو؟

جواب:۔ امام کی اقتداء کے لئے ضروری ہے کہ امام مقتدیوں سے آگے یا اُن کے برابر ہو یعنی کسی مقتدی کی پشت امام کی طرف نہ ہو۔ اگر یہ صورت ممکن ہے اور آواز کا رابطہ قائم ہے تو اتنی دُوری اور فاصلہ کے باوجود عورتیں نماز جمعہ ادا کر سکتی ہیں اور یہ فاصلہ جو مردانہ جلسہ گاہ اور زنانہ جلسہ گاہ میں ہے اقتداء اور نماز کے جواز میں حارج نہیں۔

امام الصلوٰۃ پر اعتراض

سوال:۔ اگر کسی کو امام الصلوٰۃ پر اعتراض ہو تو کیا کرے؟

جواب:۔ اگر مقامی جماعت کے لوگ کسی شخص کو بذریعہ انتخاب اپنا امام مقرر کریں یا مرکز کی طرف سے کسی کو امام الصلوٰۃ مقرر کیا جائے تو پھر انفرادی طور پر کسی شخص کا یہ حق نہیں کہ وہ اپنی کسی ناپسندیدگی کی وجہ سے ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے انکار کرے اور عملی اختلاف کا اظہار کرے۔ اپنی علیحدہ نماز پڑھے۔ اگر وہ اس طرح علیحدہ نماز پڑھے گا تو نظام کی خلاف ورزی

---

[1] : بخاری باب مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ زمن الفتح جلد ۲ صفحہ ۶۱۵
[2] : نیل الاوطار صفحہ ۱۶۵ جلد ۳، کشف الغمہ باب الامامہ وصفۃ الائمہ جلد اوّل صفحہ ۲۳۵

کرنے والا اور اپنے نیک اعمال کو ضائع کرنے والا ہوگا۔ اگر کسی امام پر اعتراض ہو تو اس کی مرکز میں شکایت کر کے اُسے امامت کے منصب سے علیحدہ کرانا چاہیئے اور پھر مرکز کی ہدایت کے ماتحت دوسرا امام مقرر کیا جانا چاہیئے۔ لیکن جب تک مرکز کوئی فیصلہ نہ کرے اُسی امام کی اقتداء میں نماز پڑھنی چاہیئے جسے اکثریت نے امام الصلوٰۃ مقرر کیا ہے اور جس کے امام بننے کو وہ پسند کرتی ہے۔ اسی طرح امام کے لئے بھی یہ ہدایت ہے کہ اگر اکثریت اُس کے پیچھے نماز پڑھنا پسند نہیں کرتی تو وہ امام نہ بنے[1]

امام کے کھڑا ہونے کی جگہ

بعض فرقوں کا عقیدہ ہے کہ نماز میں امام آگے نہ کھڑا ہو بلکہ صف کے اندر رہ کر کھڑا ہو۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

"امام کا لفظ خود ظاہر کرتا ہے کہ وہ آگے کھڑا ہو۔ یہ عربی لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں وہ شخص جو دوسرے کے آگے کھڑا ہو۔[2]

سوال:۔ اگر امام اور مقتدی ایک ہی صف میں کھڑے ہو کر نماز ادا کر رہے ہوں تو کیا امام صف میں تھوڑا سا آگے کھڑا ہو؟

جواب۔ اگر امام اور مقتدی ایک ہی صف میں ہوں تو کوئی ضرورت نہیں کہ مقتدی پیچھے ہو۔ حدیثوں سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ کو اپنے ساتھ کھڑا کیا اور اگر امام یہ بتانے کے لئے کہ اصل مقام اس کا آگے ہے۔ کچھ آگے کھڑا ہو جائے تب بھی کوئی حرج نہیں۔" [3]

سوال:۔ اگر اگلی صف میں جگہ نہ ہو تو کیا پیچھے اکیلے کھڑے ہو جانا جائز ہے؟

جواب:۔ صف کے پیچھے اکیلے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مخالفت موجود ہے۔ فرمایا:۔

"ان رجلا صلی خلف الصف وحدہٗ فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یعید الصلوٰۃ[4]

---

[1]:۔ نیز دیکھیں الفضل ۴ دسمبر ۱۹۲۳ء ٭ [2]: البدر ۱۳ فروری ۱۹۰۸ء ٭ [3]: الفضل ۱۰ اگست ۱۹۵۱ء۔

[4]: ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۱۔ باب ماجاء فی الصلوٰۃ خلف الامام وحدہٗ ٭

تاہم ہر حکم اپنے ساتھ کچھ مستثنیات بھی رکھتا ہے۔ پس اگر مجبوری ہو اور اگلی صف میں سے کسی کو پیچھے لاکر اپنے ساتھ کھڑا کرنا مشکل ہو مثلاً سب تشہد میں بیٹھے ہیں اور کسی کو اٹھانا مشکل ہے یا پیچھے اتنی جگہ نہیں کہ دوسرے کو کھڑا کر سکے تو پھر بامر مجبوری اکیلے بھی پیچھے کھڑا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :-

عدم الامر بالاعادة علی من فعل ذالك بعذر۔

یعنی اگر کسی عذر کی وجہ سے پیچھے اکیلے کھڑے ہونے پر مجبور تھا تو نماز دہرانے کی ضرورت نہیں۔ اس کی نماز ہو گئی۔ امام مالک اور علماء حنفیہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ [1]

سوال :- کیا ضرورت کے وقت مسجد کے ستونوں کے درمیانی دروں میں نماز کے لئے صف بنائی جا سکتی ہے ؟

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے پیل پایوں کے بیچ میں (یعنی ستونوں کے درمیانی در میں) کھڑا ہونے کا ذکر آیا کہ بعض احباب ایسا کرتے ہیں تو آپ نے فرمایا :-

" اضطراری حالت میں تو سب جائز ہے۔ ایسی باتوں کا چنداں خیال نہیں کرنا چاہیئے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ خدا کی رضامندی کے موافق خلوصِ دل کے ساتھ اس کی عبادت کی جائے۔ ان باتوں کی طرف کوئی خیال نہیں کرتا "۔ [2]

امام مقتدیوں کا خیال رکھے

سوال :- اگر امام الصلوٰة قرأة بہت لمبی کرے یا سجدہ لمبا کرے نماز بہت لمبی پڑھائے تو کیا ہدایت ہے ؟

جواب :- حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے۔ حضرت معاذ بن جبل کے واقعہ سے اس بارہ میں ہدایت مل سکتی ہے۔ اور وہ واقعہ یہ ہے :-

عن عمرو قال سمعت جابر بن عبد الله قال كان معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ يصلي مع النبي صلى الله عليه وسلم ثم يرجع نيؤم قومه فصلى العشاء فقرأ بالبقرة فانصرف الرجل فكان معاذ ينال منه فبلغ النبي صلى الله عليه وسلم فقال فتّان فتّان فتّان ثلاث مرارٍ..... وامرهٗ بسورتين من اوسط المفصّل۔ [3]

---

[1] : نیل الاوطار ۳/۱۸۵ ؛ [2] : البدر ۱۳ فروری ۱۹۰۸ء ؛ [3] : بخاری کتاب الصلوٰة باب اذا طول الامام وكان للرجل حاجة فخرجَ وصلّى ۱/۹۷ ؛

یعنی حضرت جابر کہتے ہیں کہ معاذ بن جبل کا طریق یہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ کر اپنے قبیلہ میں جاتے اور پھر وہاں اپنے قبیلہ کے لوگوں کو نماز باجماعت پڑھاتے۔ ایک بار عشاء کی نماز میں انہوں نے پوری سورۃ بقرہ پڑھ ڈالی۔ ایک آدمی لمبی قرأت سے اکتا گیا اور درمیان میں نماز چھوڑ کر چلا گیا۔ حضرت معاذ نے اُسے بُرا بھلا کہا کہ تم نے یہ منافقانہ حرکت کی ہے۔ اس جھگڑے کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہوئی تو آپ حضرت معاذ پر سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ اس طرح لوگوں کو فتنے اور آزمائش میں نہ ڈالو۔ عام طور پر آخری پارہ کے نصف آخر کی درمیانہ درجہ کی سورتیں پڑھا کرو۔

ایک اور روایت ہے:۔

"قال قیس اخبرنی ابو مسعود ان رجلاً قال واللہ یا رسول اللہ انی لا تاخر عن صلوٰۃ الغداۃ من اجل فلان مما یطیل بنا فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی موعظۃ اشد غضباً منہ یومئذٍ ثم قال ان منکم منفرین فایکم ما صلی بالناس فلیتجوز فان فیہم الضعیف والکبیر وذا الحاجۃ۔ [1]

یعنی ابو مسعود بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت کی کہ فلاں آدمی لمبی نماز پڑھاتا ہے اس لئے میں صبح کی نماز میں شامل نہیں ہوتا۔ کیونکہ میرے کام کاج کا حرج ہوتا ہے۔ راوی کہتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے وعظ کے دوران کبھی اتنا ناراض ہوتے نہیں دیکھا جتنا اس شکایت پر آپ ناراض ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ تم میں سے بعض عبادت سے نفرت دلانے پر عمل پیرا ہیں جو تم میں سے نماز پڑھائے وہ ہلکی نماز پڑھائے لمبی نہ کرے کیونکہ پیچھے مقتدیوں میں ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ کمزور، بوڑھے، کام والے۔ تمہیں سب کا خیال رکھنا چاہئیے۔

ایک دفعہ حضرت اقدس کی خدمت میں سوال پیش ہوا کہ ایک پیش امام ماہ رمضان میں مغرب کے وقت لمبی سورتیں شروع کر دیتا ہے۔ مقتدی تنگ آتے ہیں کیونکہ روزہ کھول کر کھانا کھانے کا وقت ہوتا ہے۔ دن بھر کی بھوک سے ضعف لاحق حال ہوتا ہے۔ بعض ضعیف ہوتے ہیں اس طرح پیش امام اور مقتدیوں میں اختلاف ہو گیا ہے۔

---

[1] بخاری کتاب الاذان باب تخفیف الامام فی القیام الخ صفحہ ۹۷ جلد اوّل

حضرت اقدس نے فرمایا کہ

"پیش امام کی اس معاملہ میں غلطی ہے۔ اس کو چاہیئے کہ مقتدیوں کی حالت کا لحاظ رکھے اور نماز کو ایسی صورت میں بہت لمبا نہ کرے"۔ [۱]

امام کا انتظار

سوال :۔ امام کے آنے میں کچھ دیر ہو جائے تو کیا ایک شخص اکیلا نماز پڑھ سکتا ہے ؟

جواب :۔ "نماز مل کر پڑھنے کا حکم ہے۔ یعنی یہ کہ اکٹھے ہو کر با جماعت پڑھو۔ اب اگر امام کو آنے میں دیر ہو جائے اور کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ لے تو اس کے لئے ہرگز جائز نہیں ہے۔ شریعت نے ہر نماز کے لئے وقت کا جو اندازہ مقرر کیا ہے کہ فلاں وقت سے لے کر فلاں وقت تک نماز ہو سکتی ہے۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ اگر تھوڑی دیر آگا پیچھا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں اگر یہ مدنظر نہ ہوتا تو شریعت میں خاص وقت مقرر کر دیا جاتا کہ عین فلاں وقت پر فلاں نماز ادا کرو۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا"۔ [۲]

سوال :۔ نمازیوں کے آنے کا انتظار ؟

جواب :۔ اصولاً یہ بات درست ہے کہ نماز با جماعت کے لئے نمازیوں کے جمع ہونے کا انتظار کیا جائے تاکہ جماعت میں کثرت سے لوگ شریک ہو سکیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ جتنے زیادہ نمازی ہوں اتنا زیادہ ثواب ملتا ہے۔ لیکن دوسری طرف آجکل کی مصروفیت اس بات کی مقتضی ہے کہ زیادہ دیر تک لوگوں کو نہ روکا جائے تاکہ اُن میں اُکتاہٹ پیدا نہ ہو۔ اور نماز کے لئے آنے میں جو بشاشت ہے اُس میں کمی نہ آئے۔ اس مصلحت کے پیش نظر نمازوں کے لئے آجکل وقت مقرر کر دیا جاتا ہے کہ فلاں نماز فلاں وقت ہو گی۔ عام حالات میں اُس کی پابندی کرنی چاہیئے۔ اس کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ لوگوں کو وقت کی پابندی کی عادت پڑے گی اور اس طرح وہ دوسروں کا وقت ضائع کرنے کا موجب نہیں بنیں گے۔ تاہم یہ ایک انتظامی امر ہے شرعاً ایسی پابندی ضروری نہیں کہ وقت کو آگے پیچھے نہ کیا جا سکے۔ اگر امام الصلوٰۃ مناسب خیال کریں کہ نمازی تھوڑے آئے ہیں اور مزید انتظار کر لیا جائے تو ان کا یہ فیصلہ جائے اعتراض نہیں بننا چاہیئے اور کسی ایک کو اس پر شدید معترض نہیں ہونا چاہیئے۔ نیز اس امر کا تعلق منتظم کی قوت تمیزی سے بھی ہے حالات کے مطابق وہ اپنی صوابدید پر فیصلہ کر سکتا ہے کہ زیادہ لوگوں کے آنے کے لئے انتظار مناسب

---

[۱] :۔ البدر ۳۱ اکتوبر ۱۹۰۲ء ؛ [۲] :۔ الفضل ۳ جولائی ۱۹۶۳ء ؛

رہے گا یا موجودہ نمازیوں کی الکتاہٹ کے پیشِ نظر وقت پر ہی نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ جو مصلحت کا تقاضا ہو اُس کے مطابق عمل کیا جائے۔

سوال:۔ اگر امام الصلوٰۃ تنہا نماز پڑھ لے اور بعد میں مقتدی آجائیں تو یہ ضروری ہے کہ وہی امام ان مقتدیوں کو نماز پڑھائے یا اس کی اجازت سے دوسرا شخص بھی جماعت کرا سکتا ہے؟

جواب:۔ اگر مقتدیوں میں کوئی پڑھا لکھا شخص ہے جو جماعت کرا سکتا ہے تو پھر بہتر یہی ہے کہ دوسرا شخص ہی نماز پڑھائے کیونکہ اسلام میں برہمنیت اور پادریت کی کوئی گنجائش نہیں۔ البتہ اگر مقتدیوں میں کوئی ایسا شخص نہیں جو امامت کرانا جانتا ہو تو پھر اصل امام جو نماز پڑھ چکا ہے وہی نماز پڑھا سکتا ہے۔ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ بعض صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں اپنی نماز پڑھنے کے بعد اپنے محلہ کی مسجد میں آکر نماز پڑھاتے تھے۔

سوال:۔ ایک شخص اپنے طور پر عشاء کی نماز اور وتر پڑھ چکا ہے۔ پھر جماعت کھڑی ہوگئی۔ کیا وہ جماعت میں شامل ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ ایسا شخص جماعت میں شامل ہو سکتا ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حدیث سے اس کا جواز ثابت ہے

فصل الصلوٰۃ لوقتها ثم ان اقيمت الصلوٰۃ فصل معهم فانها زيادة خير[1]

البتہ ایسا کرنے والا وتر دوبارہ پڑھے۔ روایت میں آتا ہے:۔

"ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اجعلوا اٰخر صلاتكم بالليل وترا۔"[2]

دوسری جماعت

سوال:۔ مسجد میں مقررہ وقت پر نماز باجماعت پڑھی جا چکی ہے تو کیا اس کے بعد آنے والے افراد علیحدہ علیحدہ نماز پڑھیں یا وہ باجماعت نماز پڑھ سکتے ہیں؟

جواب:۔ ایک باقاعدہ مسجد (عام گذرگاہ یا بازار میں نہ ہو) میں اگر ایک دفعہ نماز باجماعت ہو چکی ہو تو بعد میں آنے والے لوگ اپنی علیحدہ نماز پڑھیں۔ تاہم حسبِ ضرورت وہی نماز باجماعت بھی پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔

"اس میں کچھ حرج نہیں حسبِ ضرورت اور جماعت بھی ہو سکتی ہے۔"[3]

---

[1] مسلم باب کراہۃ تاخیر الصلوٰۃ عن وقتها ص۲۳۶ مصری؛

[2]:۔ مسلم باب صلاۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ والوتر رکعۃ من آخر اللیل ص۲۸۹ جزء ۱ مصری، بخاری کتاب الوتر باب یجعل آخر صلوٰتہ وترا ص۱۳۶ جلد اوّل؛

[3]:۔ البدر ۱۰ رجون ۱۹۰۴ء، فتاویٰ ص۲۱؛

البتہ اگر پہلی جماعت میں شامل ہونے میں عمداً سستی کی تو پھر دوسری جماعت مکروہ ہوگی کیونکہ وہ بلاضرورت ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے ہیں:۔

"دوبارہ جماعت منع نہیں ہے البتہ ناپسندیدہ ہے اور وہ بھی مسجد میں مکروہ ہے کیونکہ اس طرح الگ الگ نمازیں ہونے لگیں تو چند آدمی آئیں اور نماز پڑھیں اور چل دیں اور پھر چند اور آئیں اور جماعت کر کے چلے جائیں تو اس طرح جماعت کی اصل غرض جو ہے وہ مفقود ہو جاتی ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو ناپسند فرمایا ہے"۔ [1]

سابقہ ائمہ میں سے امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد غرض چاروں امام بلاضرورت تکرار جماعت کو ناپسند کرتے ہیں۔ [2]

سوال:۔ کیا نماز کھڑے ہوتے ہی سنتیں وغیرہ چھوڑ کر فوراً جماعت میں شامل ہو جانا چاہیئے یا تھوڑی سی بقیہ نماز پوری کر کے انسان پہلی رکعت کے رکوع تک شامل ہو جائے؟

جواب:۔ حدیث میں ہے:۔ اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ۔ کہ جب نماز باجماعت شروع ہو جائے تو پھر کوئی اور نماز جائز نہیں (ہاں اگر کوئی اس کی پہلی فرض نماز رہتی ہو تو جماعت میں شامل ہونے کی بجائے پہلے وہ نماز پڑھے) اس حدیث کو بخاری کے سوا باقی سب ائمہ حدیث نے بیان کیا ہے۔

(۲) مؤطا کی روایت ہے:۔

خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حین اقیمت الصلوٰۃ فرأی ناسًا یصلون رکعتی الفجر فقال اصلوٰتان معًا و نھی ان تصلیا اذا اقیمت الصلوٰۃ [3]

کہ نماز فجر کی اقامت کہی جا چکی تھی اور حضورؐ نماز شروع کرانے لگے کہ آپؐ نے کچھ لوگوں کو دو رکعت سنت پڑھتے دیکھا۔ آپؐ نے فرمایا کیا دو نمازیں ایک وقت میں۔ یعنی آپؐ نے نماز باجماعت کے ہوتے ہوئے دو رکعت سنت پڑھنے سے منع فرمایا۔

بہرحال علماء ظاہر اس بات کے قائل ہیں کہ جب نماز کھڑی ہو تو کسی قسم کی سنتیں پڑھنی جائز نہیں اور اگر کوئی پہلے سے سنتیں پڑھ رہا ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو اُسے فوراً نماز توڑ کر جماعت میں شامل ہو جانا چاہیئے۔ چنانچہ صاحب نیل الاوطار لکھتے ہیں:۔

---

[1]:۔ الحکم ۲۸ مارچ ۱۹۲۰ء ؛ [2]:۔ فقہ مذاہب اربعہ صفحہ ۴۳۶ ؛ [3]:۔ نیل الاوطار صفحہ ۲۴ ؛

قَدْ بَالَغَ اهل الظاهر فقالوا اذا دخل فی رکعتی الفجر او غیرها من النوافل فاقیمت صلوٰۃ الفریضۃ بطلت الرکعتان ولا فائدۃ لهٗ فی ان یسلم منهما ولو لم یبق علیه منهما غیر السلام[1]۔

یعنی اہل ظاہر اس بارہ میں بڑے سخت ہیں۔ اُن کا کہنا ہے کہ اگر انسان سنتیں یا کوئی نفل نماز پڑھ رہا ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے تو اُسی وقت اُس کی نماز خود بخود ٹوٹ جاتی ہے یہاں تک کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ خواہ صرف سلام پھیرنا ہی باقی کیوں نہ رہتا ہو۔

اگرچہ اس بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یا آپ کے خلفاء کی کوئی تصریح نہیں مل سکی۔ تاہم مختلف احادیث پر غور کرنے اور ان کی ثقاہت و سند کو جانچنے کے بعد جو صحیح صورت ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے:۔

(ا) اگر نماز کھڑی ہو تو پھر کسی قسم کی سنتیں شروع نہیں کرنی چاہئیں بلکہ نماز میں شامل ہو جانا چاہیئے۔

(ب) اگر کوئی سنتیں پڑھ رہا ہو اور جماعت کھڑی ہو جائے اور وہ صف کے اندر ہی ہو تو اُسے فوراً نماز ختم کر دینی چاہیئے۔ خواہ صرف تشہد ہی کیوں نہ رہتا ہو۔ ہاں اگر تشہد کے دو چار لفظ رہتے ہوں تو انہیں پورا کرنے اور سلام پھیرنے کی حد تک تاخیر ممکن ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ تشہد سے مراد صرف التحیات ہے۔ ورنہ اگر درود یا دعائیں باقی ہوں تو انہیں پورا کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ فوراً سلام پھیر کر نماز میں شامل ہو جانا چاہیئے۔

(ج) اگر صفوں سے الگ پیچھے یا مسجد کے کسی کونے میں صفوں سے دُور کوئی شخص سنتیں پڑھ رہا ہے اور جماعت کھڑی ہو جائے اور اُسے اُمید ہے کہ وہ فرضوں کی پہلی رکعت کے رکوع میں شامل ہو سکے گا تو پھر سنت کی تکمیل جائز ہے گو ضروری پھر بھی نہیں۔

امام کی اتباع

سوال:۔ کیا اگر امام بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کے لئے کھڑا رہنا جائز ہے؟

جواب:۔ اگر مقررہ امام کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھا سکے تو اُس کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھانا جائز ہے۔ اس صورت میں مقتدی جو قیام پر قادر ہیں کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ اس بارہ میں حضرت

[1] :۔ نیل الاوطار ۳/۸۵ ؛

خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ، فرماتے ہیں:۔

(ا) "چونکہ مجھے نقرس کا دَورہ ہے اس لئے مَیں خطبہ جمعہ کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتا رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتداء میں یہ حکم تھا کہ جب امام کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھا سکے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کریں۔ لیکن بعد میں خُدا تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت آپ نے اس حکم کو بدل دیا۔ اور فرمایا کہ اگر امام کسی معذوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی نہ بیٹھیں بلکہ وہ کھڑے ہو کر ہی نماز ادا کریں۔ پس چونکہ مَیں کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکتا اس لئے مَیں بیٹھ کر نماز پڑھاؤں گا اور دوست کھڑے ہو کر نماز ادا کریں"۔ [1]

(ب) "بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کر رہے ہوں تو پوری اقتداء نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ امام اگر سجدہ سے سر اٹھاتا ہے تو وہ سجدے میں پڑے ہوتے ہیں اور جب امام دوسرے سجدہ میں جانے کے لئے تکبیر کہتا ہے تو وہ پہلے سجدہ سے سر اٹھاتے ہیں۔ ایسے سجدے سجدے نہیں ہوتے کیونکہ امام کی اقتداء میں نہیں ہوتے بلکہ اپنی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہوں گے امام تو ایک منٹ سجدہ کر کے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے ہم دو منٹ سجدہ کریں گے تو زیادہ ثواب ملے گا۔ مگر یہ بات غلط ہے۔ ایسے مواقع پر امام کی اقتداء میں ہی ثواب اور نیکی ہے۔ سجدہ وہی ہے جو امام کے ماتحت ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو لوگ امام کے پیچھے بیٹھے رہتے ہیں یا امام سے آگے چلے جاتے ہیں ان کا سر گدھے کے سر کی طرح بنا دیا جائے گا۔ پس اس سے بچنا چاہیئے۔ نادان اسے نیکی سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ نیکی نہیں۔ نیکی اس میں ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز ادا کرے"۔ [2]

اگر کوئی شخص ایسے وقت میں جماعت میں آکر ملا ہے کہ امام ایک یا دو رکعت پڑھا چکا ہے تو جس وقت امام آخری سلام پھیرے تو ایسے مسبوق کو بقیہ نماز پوری کرنے کے لئے امام کے پہلے سلام کے ساتھ کھڑے نہیں ہو جانا چاہیئے بلکہ دوسرے سلام کہنے کے بعد کھڑے ہونا چاہیئے۔

---

[1]: الفضل ۳ جولائی ۱۹۵۱ء
[2]: الفضل ۳ جولائی ۱۹۶۳ء

امام کی غلطی

اسلامی شریعت نے مسلمانوں کو بتایا کہ اگر امام بھول جائے اور بجائے دو رکعت کے چار رکعت پڑھ لے تو تم بھی اس کے ساتھ چار ہی رکعت ادا کرو اور اگر وہ چار کی بجائے پانچ پڑھ لے تو تم بھی اس کی اتباع کرو۔ [۱]

سوال:۔ امام دو سجدے کر کے کھڑا ہو گیا لیکن مقتدیوں کو پتہ نہ چلا اور وہ پہلے ہی سجدے میں پڑے رہے۔ سجدہ سے اُٹھتے وقت پتہ چلا کہ امام دوسرا سجدہ کرنے کے بعد کھڑا ہو رہا ہے کیا اس سے مقتدیوں کی نماز میں خلل واقع ہوگا؟

جواب:۔ اس صورت میں مقتدی اپنے طور پر دوسرا سجدہ کر کے امام کے ساتھ شامل ہو سکتے ہیں۔ امام کی آواز نہ سنائی دینے کی وجہ سے جو غیر ارادی طور پر تاخیر ہوئی ہے اور مقتدی امام کے ساتھ دوسرا سجدہ نہیں کر سکے بلکہ امام کے دوسرے سجدہ سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے دوسرا سجدہ کیا ہے تو اس کی وجہ سے مقتدیوں کی نماز میں کوئی خلل نہیں پڑیگا۔ نہ تو انہیں دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی سجدہ سہو کرنے کی۔ چنانچہ فقہ کی مشہور کتاب فقہ مذاہب اربعہ میں ہے:۔

(۱) اذا لم يتبع الامام فيه سهوًا او لعذر فان عليه ان يقضيه وحده ان لم يخف فوت ما بعده مع امامه۔ [۲]

(۲) كيفية قضاء ما فاته ان يقضيه فى اثناء صلوٰة الامام ثم يتابعه فيما بقِيَ۔ [۳]

(۳) لا سجود على المأموم فيما يسهو فيه خلف امامه۔ [۴]

نماز میں امام کے سلام سے پہلے سلام پھیرنا

سوال:۔ مقتدیوں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ امام نے سلام پھیر دیا ہے غلطی سے سلام کہدیا اس غلطی کا بعد میں انہیں احساس ہوا۔ اب وہ کیا کریں؟

جواب:۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ آخری رکعت میں التحیات پڑھنے کے بعد اگر ایسا ہو جاوے تو مقتدیوں کی نماز ہو جاتی ہے دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔ [۵]

---

[۱] الفضل ۳۱ اگست ۱۹۱۵ء ؛ [۲] فقہ مذاہب اربعہ صفحہ ۲۲۷ ؛ [۳] ، [۴] فقہ مذاہب اربعہ صفحہ ۴۳۵ ؛ [۵] بدر ۲ مئی ۱۹۰۷ء

نماز باجماعت اور قرأة

سوال :- نمازوں میں سے تین ۳ باآواز بلند پڑھی جاتی ہیں ۲ دو خاموش - علاوہ ازیں چار رکعت والی میں ۲ دو باآواز بلند اور ۲ دو خاموش - اس میں حکمت کیا ہے ؟

جواب :- اصل جواب تو یہ ہے کہ اس فرق میں جو راز اور حکمت ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے اپنے بندوں پر اچھی طرح واضح نہیں فرمایا اور اطاعت اور تسلیم و رضا کے پہلو کو ترجیح دی ہے کہ اٰمَنَّا و صدقنا میں ہی برکت ہے ۔

اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ بلند آواز سے پڑھی جانے والی رات کی نمازیں ہیں اور خاموشی سے پڑھی جانے والی دن کی ہیں - دن کے وقت شور زیادہ ہوتا ہے ۔ امام اگر بلند آواز سے سنانا چاہے تو اس پر زیادہ بوجھ پڑتا ہے - یہ جسمانی حکمت ہے ۔

روحانی حکمت یہ ہے کہ دن کے وقت نور ہوتا ہے ہر شخص دیکھ سکتا ہے رات کو تاریکی ہوتی ہے کسی کو اندھیرے میں سوجھتا ہے کسی کو نہیں - دن کی نمازوں میں اس امر کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب سب کو ہدایت مل جائے تو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کر کے ہدایت پھیلاؤ اور جب دُنیا میں تاریکی پھیل جائے تو ایک دوسرے کو بلند آواز سے خبردار کرتے رہو - کیا آپ نے دن کے وقت اکھٹے چلنے والے اور رات کے وقت اکھٹے چلنے والے مسافروں کو نہیں دیکھا - دن کو چلنے والے مسافر ایک دوسرے کو آواز نہیں دیتے - رات کو چلنے والے آوازیں دیتے جاتے ہیں - کوئی کہتا ہے دیکھنا گڑھا ہے کوئی کہتا ہے بچنا کیچڑ ہے پانی ہے ۔ پس ایک روحانی حکمت یہ ہے کہ سہولت اور آسانی اور نور کے وقت ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہوئے چلیں اور جب تاریکی اور بدی پھیل جائے تو اس وقت صرف عمل ہی کافی نہیں بلکہ تلقین بھی ضروری ہے - جسم کے ساتھ زبان بھی شامل ہونی چاہیئے ۔

رات کی نمازوں میں بعض حصّہ کی قرأت بلند کی جاتی ہے اور بعض حصّہ کی خاموش اس میں کیا راز ہے - اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں ظاہری حکمتیں بھی ہیں اور باطنی بھی مغرب کی نماز میں ۲ دو رکعت بلند آواز سے ہیں اور ایک رکعت خاموشی سے ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مغرب کے وقت ایک طرف خاموشی طاری ہو جاتی ہے اور آواز سنائی جا سکتی ہے لیکن ساتھ ہی وہ تاریکی

کی ابتداء کا وقت ہوتا ہے اور ہر حالت سے دوسری حالت کی طرف گریز کرتے وقت اعصاب کو ایک صدمہ پہنچتا ہے اس لئے بلند آواز کا حصّہ زیادہ رکھا اور خاموشی کا کم۔ اور عشاء کے وقت اور بھی آواز کے پہنچانے میں سہولت ہوتی ہے لیکن انسان ابتدائی صدمہ سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اس کے تخلی بالطبع ہونے کا وقت آجاتا ہے اس لئے اس میں دونوں حالتوں کو برابر برابر رکھا ہے۔

صبح کے وقت انسان پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے اکثر لوگ قریب میں ہی سو کر اُٹھے ہوتے ہیں اور آواز بھی اچھی طرح سنائی جا سکتی ہے اس لئے دونوں رکعتوں میں قرأت رکھی تاکہ لوگوں میں سستی نہ پیدا ہو اور غنودگی دُور ہو۔

ان جسمانی وجوہ کے علاوہ روحانی وجوہ بھی ہیں۔ درحقیقت نماز میں ہم کو یہ بتایا گیا ہے کہ انسانی رُوح کے کمال کے لئے دوسرے کے ساتھ تعاون وعظ و تذکیر اور مراقبہ یہ تین چیزیں ضروری ہیں۔ مراقبہ کا قائم مقام خاموش نمازیں ہو جاتی ہیں جن میں انسان اپنے مطلب کے مطابق زور دیتا ہے۔

وعظ و تذکیر کا نشان قرأت ہے جو انسان کو باہمی نصیحت کرنے کی طرف توجہ دلاتی ہے اور تعاون کا نشان جماعت ہے۔ جماعت کے علاوہ جو سب اوقات میں مدّنظر رکھی گئی ہے دوسری دونوں کیفیتوں کو مختلف اوقات میں اللہ تعالیٰ نے رکھ دیا ہے ان میں دن کے وقت خاموشی کی وجہ بیان ہو چکی ہے۔ دن کے وقت کی نمازوں میں جمعہ کی نماز مستثنیٰ ہے اس میں جو قرأت بلند آواز سے پڑھی جاتی ہے وہ اس لئے ہے کہ جمعہ اجتماع کا دن ہے اس لئے اس میں قرأت بالجہر ضروری تھی تاکہ لوگوں کو احکام اسلام کا علم ہو۔

رات کی نمازوں میں سے بعض میں قرأت اور خاموشی کو جمع کر دیا گیا ہے اور بعض میں صرف قرأت کو لے لیا گیا ہے جیسے صبح کی نماز ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ جب کسی تنزل کی ابتداء ہوتی ہے تو وعظ و تذکیر اور مراقبہ کے متفقہ نسخے سے قوم کی اصلاح ہوتی ہے۔ ابھی لوگ نور سے تازہ تازہ نکلے ہوتے ہیں اور قلب کی حالت پر غور کرنے کے لئے تیار ہوتے ہیں لیکن جس وقت تنزل اپنی انتہاء کو پہنچ جائے جیسے رات کی تاریکی ہوتی ہے تو اس وقت فذکر ان نفعت الذکریٰ کا زمانہ ہوتا ہے اور حکم ہوتا ہے کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے توفیق عطاء کی ہو وہ لوگوں کو جگائیں اور یہ زمانہ انبیاء کا زمانہ ہے۔ چنانچہ قرآن میں بھی اسی زمانہ کے متعلق فرمایا۔

وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۙ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ ایسے زمانہ میں تاریکی کی لمبائی اور نیند کے جمود کی وجہ سے لوگوں کے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ ایسے زمانہ میں لوگوں کو جگانے والا ہی جگا سکتا ہے۔ پس اس زمانہ میں مراقبہ کا حصہ ہٹا دیا گیا۔" ؎۱

"اس سوال کا ایک اور جواب یہ ہے کہ دن کے وقت شور ہوتا ہے اور طبیعتوں میں سکون نہیں ہوتا اس لئے خدا کے کلام کے سنانے سے جو غرض ہوتی ہے کہ دلوں میں رقت پیدا ہو اور خدا کا جلال سامنے آجائے وہ اچھی طرح پوری نہیں ہو سکتی اس لئے دن کی نمازوں میں قرأت بالجہر نہیں ہوتی۔

رات کی نمازوں میں قرأت بالجہر کی یہی حکمت ہے کہ اس وقت خاموشی کا عالم ہوتا ہے۔ طبیعتیں سکون اور اطمینان میں ہوتی ہیں خدا کا کلام سن کر رقت پیدا ہوتی ہے۔ خدا کا کلام تو دن کو پڑھا جائے یا رات کو ہر وقت اثر پیدا کرتا ہے مگر انسانوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں اس لئے ایک ہی بات ایک وقت کچھ اثر رکھتی ہے اور دوسرے وقت میں کچھ اور کسی نے یہ سچ کہا ہے۔ "ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مقامے دارد"۔

اس کے علاوہ اس کا روحانی جواب بھی ہے اور وہ یہ کہ جب تاریکی کا زمانہ ہو اس وقت خوب بلند آواز سے خدا تعالیٰ کے نام کی اشاعت ہونی چاہیئے اور روشنی کے زمانہ میں اگر کم بھی ہو تو بھی کام چل سکتا ہے"۔ ؎۲

سوال:۔ بسم اللہ بلند آواز سے کیوں نہیں پڑھی جاتی؟

جواب:۔ نماز میں سورۃ فاتحہ یا کسی اور سورۃ کی قرأت کے وقت بسم اللہ بلند آواز سے پڑھنا جائز ہے لیکن ضروری نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی بسم اللہ جہراً نہیں پڑھتے تھے۔ اس لئے کسی مقتدی کا یہ خیال کرنا کہ بسم اللہ جہراً نہ پڑھنے سے نماز ناقص ہوتی ہے درست نہیں۔ بخاری اور ترمذی میں واضح حدیث موجود ہے کہ آخر الامر حضور علیہ السلام اور آپ کے صحابہؓ نماز میں اس موقع پر جہراً بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

(الف) عن انسؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و ابابکر و عمر کانوا یفتتحون الصلٰوۃ بالحمد للّٰہ رب العالمین ؎۳

(ب) عن انس قال صلیت خلف رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر و عثمان رضی اللّٰہ عنہم فلم اسمع احدا منھم

؎۱: الفضل ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء ؎۲: الفضل ۱۹ نومبر ۱۹۲۹ء ؎۳: بخاری کتاب الصلوٰۃ ص۱۰۳ و ترمذی ص۳۴

يجهر بسم الله الرّحمٰن الرّحيم"۔ [1]

(ج) "عن عبد الله بن مغفل قال سمعنی أُبَيٌّ وانا فی الصلوٰۃ اقول بسم الله الرّحمٰن الرّحيم فقال لی أی بنی .... قد صليتُ مع النبی صلی الله عليه وسلم ومع ابی بکر وعمر ومع عثمان فلم اسمع احدا منهم يقولها فلا تقلها اذا انت صليت فقل الحمد لله رب العالمين"۔ [2]

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ اس مسئلہ کے بارہ میں فرماتے ہیں :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم جہراً اور آہستہ پڑھنا ہر دو طرح جائز ہے۔ ہمارے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب جوشیلی طبیعت رکھتے تھے بسم اللہ جہراً پڑھا کرتے تھے۔ حضرت مرزا صاحب مسیح موعود علیہ السلام جہراً نہ پڑھتے تھے۔ صحابہ میں ہر دو قسم کے گروہ ہیں۔ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں کہ کسی طرح کوئی پڑھے اس پہ جھگڑا نہ کرو۔" [3]

فاتحہ خلف الامام پڑھنا

سوال :۔ کیا فاتحہ خلف الامام پڑھنا ضروری ہے ؟

حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ سوال نہیں کرنا چاہیئے کہ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے سے نماز ہوتی ہے یا نہیں بلکہ یہ سوال کرنا اور دریافت کرنا چاہیئے کہ نماز میں الحمد امام کے پیچھے پڑھنا چاہیئے یا نہیں۔ سو ہم کہتے ہیں کہ ضرور پڑھنی چاہیئے ہونا یا نہ ہونا خدا تعالیٰ کو معلوم ہے اور ہزاروں اولیاء اللہ حنفی طریق کے پابند تھے اور وہ خلف الامام الحمد نہ پڑھتے تھے۔ جب ان کی نماز نہ ہوئی تو وہ اولیاء کس طرح ہو گئے۔ چونکہ ہمیں امام حنیفہؒ سے ایک طرح کی مناسبت ہے اور ہمیں ان کا ادب ہے ہم یہ فتویٰ نہیں دیتے کہ نماز نہیں ہوتی۔ اس زمانہ میں تمام حدیثیں مدون نہیں ہوئی تھیں اور یہ بھید جو کہ اب کھلا ہے اس واسطے وہ معذور تھے۔ اور اب یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ اب اگر نہیں پڑھے گا تو بے شک اس کی نماز درجہ قبولیت کو نہیں پہنچے گی۔ ہم بار بار اس سوال کے جواب میں کہیں گے کہ الحمد نماز میں خلف امام پڑھنی چاہیئے۔ [4]

سوال :۔ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ہوتی ہے یا نہ ؟

جواب :۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے دوسرے مولویوں کی رائے دریافت کی۔ مختلف اسلامی فرقوں کے مذاہب اس امر کے متعلق بیان کئے گئے۔ آخر حضرت اقدس نے

---

[1] نسائی باب ترک الجہر ببسم اللہ ص۱۴۴ ؛ [2] ترمذی باب ترک الجہر ببسم اللہ ص۳۳ ؛ [3] بدر ۲۳ رمئی ۱۹۱۲ء ؛
[4] تذکرۃ المہدی ص۲۵۳ ، فتاویٰ مسیح موعود ص۴۶ ؛

فیصلہ دیا اور فرمایا:۔

ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ آدمی امام کے پیچھے ہو یا منفرد ہو۔ ہر حالت میں اس کو چاہیئے کہ سورۃ فاتحہ پڑھے۔ مگر امام کو نہ چاہیئے کہ جلدی جلدی سورۃ فاتحہ پڑھے بلکہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھے تاکہ مقتدی سُن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے۔ یا ہر آیت کے بعد امام اتنا ٹھہر جائے کہ مقتدی بھی اس آیت کو پڑھ لے۔ بہرحال مقتدی کو یہ موقع دینا چاہیئے کہ وہ سُن بھی لے اور اپنا پڑھ بھی لے۔ سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ کیونکہ وہ ام الکتاب ہے لیکن جو شخص باوجود اپنی کوشش کے جو وہ نماز میں ملنے کے لئے کرتا ہے رکوع میں ہی آکر ملا ہے اور اس سے پہلے نہیں مل سکا تو اس کی رکعت ہو گئی اگرچہ اس نے سورہ فاتحہ اس میں نہیں پڑھی کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جس نے رکوع پالیا اس کی رکعت ہو گئی۔

مسائل دو طبقات کے ہوتے ہیں ایک جگہ تو حضرت رسول کریمؐ نے فرمایا اور تاکید کی کہ نماز میں سورہ فاتحہ ضرور پڑھیں وہ ام الکتاب ہے اور اصل نماز وہی ہے مگر جو شخص باوجود اپنی کوشش کے اور اپنی طرف سے جلدی کرنے کے رکوع میں ہی آکر ملا ہے اور چونکہ دین کی بنا آسانی اور نرمی پر ہے اس واسطے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی رکعت ہو گئی۔ وہ سورۃ فاتحہ کا منکر نہیں ہے بلکہ دیر میں پہنچنے کے سبب رخصت پر عمل کرتا ہے۔ ..... ہاں جو شخص عمداً سستی کرتا ہے اور جماعت میں شامل ہونے میں دیر کرتا ہے تو اس کی نماز ہی فاسد ہے۔"[1]

سوال:۔ امام سورۃ فاتحہ پڑھ چکا ہے اور پھر کوئی مقتدی آکر شامل ہوا ہے وہ کیا کرے۔ ثناء اور سورۃ فاتحہ وغیرہ پڑھے یا قراۃ سُنے۔

جواب:۔ مقتدی ثناء اور سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے کیونکہ آہستہ آہستہ پڑھنا سُننے کے منافی نہیں۔ ہاں اگر امام رکوع میں چلا گیا ہو اور مقتدی نے ابھی سورۃ فاتحہ ختم نہ کی ہو تو اس صورت میں مقتدی بھی فوراً رکوع میں چلا جائے اور بقیہ سورۃ فاتحہ کو رہنے دے۔

اسی قسم کے ایک سوال کے موقع پر مولوی عبدالکریم صاحب نے فرمایا کہ وہ رکعت اس کی نہیں ہوگی۔ حضرت اقدس نے فرمایا کہ وہ رکعت اس کی ہو گئی۔ بھلا ہم پوچھتے ہیں کہ اگر اس کو موقع ملتا کہ وہ الحمد پڑھ لیتا تو کیا وہ الحمد نہ پڑھتا۔ مولوی صاحب موصوف نے عرض کیا کہ

---

[1]: الحکم ۲۴ر فروری ۱۹۰۱ء۔ فتاویٰ مسیح موعود ص۵۸۔

کیوں نہ پڑھتا۔ اس کا اعتقاد تو یہی ہے کہ الحمد للہ پڑھ لوں۔ اس پر حضرت اقدس نے فرمایا۔ نیّت کے ساتھ بموجب ارشاد نبوی انما الاعمال بالنیات عمل کا دارومدار ہے اس کو اتنی مہلت نہ ملی۔ دل میں تو اس کا اعتقاد ہے وہ رکعت اس کی ضرور ہو گئی۔[1]

جماعت سے رہی ہوئی رکعتیں کیسے پڑھے

سوال:۔ امام نے جب کچھ رکعتیں پڑھ لیں تو ایک شخص آکر شامل ہوا۔ سلام کے بعد وہ مسبوق ان رکعتوں کو کس طرح پڑھے گا۔

جواب:۔ امام کے سلام کے بعد جب وہ بقیہ رکعتوں کو پڑھنے کے لئے اُٹھے گا تو پہلی رکعت میں ثناء، تعوذ، فاتحہ اور سورۃ پڑھے گا۔ دوسری میں فاتحہ اور سورۃ۔ البتہ درمیانی تشہد کے لئے امام کے ساتھ پڑھی ہوئی رکعت بھی محسوب ہو گی۔ مثلاً اگر اس نے امام کے ساتھ ایک رکعت پڑھی ہے تو امام کے سلام کے بعد اُسے ایک رکعت اور پڑھ کر درمیانی تشہد کے لئے بیٹھنا ہو گا۔

اگر کوئی شخص صرف آخری تشہد میں آکر شامل ہو تو اُسے بعد میں بالکل اسی طرح نماز پڑھنی چاہیئے جیسے وہ اکیلا نماز پڑھ رہا ہو۔ یعنی پہلی رکعت میں ثناء، تعوذ، فاتحہ اور سورۃ دوسری رکعت میں فاتحہ اور سورۃ پڑھے گا اور باقی رکعتوں میں صرف فاتحہ۔

سوال:۔ ظہر اور عصر کی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ کوئی دوسری سورۃ بھی پڑھ سکتا ہے؟

جواب:۔ ظہر یا عصر کی پہلی دو رکعتوں میں مقتدی فاتحہ کے علاوہ کوئی اور سورۃ بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں نہ کوئی قباحت ہے اور نہ ہی اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ یعنی اجازت ہے اور پڑھنے پر ثواب کی اُمید کی جا سکتی ہے۔ علامہ ابن رشد نے امام مالکؒ کی طرف یہ قول منسوب کیا ہے انہ یستحسن القرأۃ فیما اسر فیہ الامام۔[2]

یعنی جن نمازوں میں امام آہستہ قرأۃ پڑھتا ہے ان میں مقتدی کے لئے اچھا ہے کہ وہ بھی سورۃ فاتحہ کے علاوہ کوئی اور سورۃ پڑھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے بھی اپنی تفسیر[3] میں ایسا ہی لکھا ہے۔ حضرت امام شافعیؒ سِرّی نمازوں میں مقتدی کے لئے سورۃ کے پڑھنے کو ایسا ہی ضروری سمجھتے ہیں جیسے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔[4]

---

[1] تذکرۃ المہدی ص۲۵۴، فتاویٰ مسیح موعود ص۶۵ ؛ [2] و [4] : بدایۃ المجتہد ص۱۲۰ ج۱ ؛ [3] تفسیر کبیر سورۃ فاتحہ ص۱۱۱ تا ۱۱۳ ؛

لیکن ہمارے مسلک کے مطابق یہ صرف جائز ہے ضروری نہیں۔

نماز میں کسی آیت کا تکرار

سوال:۔ اگر امام جماعت کراتے ہوئے کسی آیت کا تکرار کرے مثلاً سورۃ فاتحہ میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ یا اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ وغیرہ بار بار پڑھے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ کبھی کبھی جبکہ انسان پر خاص کیفیت طاری ہو اور وہ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ یا اس قسم کی کسی اور آیت کو نماز میں بار بار پڑھے تو یہ جائز ہے۔ ہاں اسے عادت نہیں بنانا چاہیئے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کئی بار کسی آیت کو دہرا لیتے تھے ہم نے متعدد دفعہ آپ کو ایسا پڑھتے سُنا ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت " ان تعذبھم فانھم عبادكَ " کو نماز میں بہت دفعہ دہرایا۔ اسی طرح آپ ایک ہی سورۃ کو ایک رکعت میں بتکرار پڑھ لیا کرتے تھے"۔ [1]

آیات کی ترتیب

سوال:۔ کیا ترتیب قرآن ضروری ہے؟

جواب:۔ آیت کے اُلٹنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اس کی ترتیب براہ راست اللہ تعالیٰ کی وحی جلی کے تابع ہے۔ نیز اس سے مفہوم میں بعض اوقات زمین و آسمان کا فرق پڑ جاتا ہے لیکن سورتوں کی ترتیب میں یہ بات نہیں گو یہ ترتیب خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی بتائی ہوئی ہے بہرحال نماز میں سورتوں کے آگے پیچھے پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ البتہ علماء نے اسے ناپسند ضرور کیا ہے۔ چنانچہ فقہ کی کتابوں میں یہ تصریح موجود ہے کہ اگر جان بوجھ کر ایسا کیا جائے تو یہ طرز مکروہ اور تعامل امت کی خلاف ورزی ہے۔ [2]

قرآن کریم جلد جلد پڑھنا

سوال:۔ ایک رکعت میں قرآن شریف ختم کرنے کا رواج ہے کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ بعض لوگ جو ایک رکعت میں قرآن شریف ختم کرنا فخر سمجھتے ہیں وہ درحقیقت لاف مارتے ہیں۔

---

[1] کشف الغمہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ مصری ۔ [2] نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ و فقہ مذاہب اربعہ صفحہ ۴۳۸

دنیا کے پیشہ ور لوگ بھی اپنے اپنے پیشہ پر ناز کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اس طریق سے قرآن ختم نہیں کیا بلکہ چھوٹی چھوٹی سورتوں پر آپؐ نے اکتفا کیا۔ [۱]

امام قرأة میں غلطی کرے

سوال:۔ اگر فرض نماز میں امام کسی سورت کی کوئی آیت یا اُس کا کچھ حصہ بھول جائے تو کیا نماز ہو جائیگی؟

جواب:۔ سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد نماز میں جس قدر قرأت ضروری ہے وہ ایک بڑی آیت یا کم از کم تین چھوٹی آیتیں ہیں اگر کوئی امام اتنی مقدار قرأت پوری کرے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ اس لئے کسی بڑی سورت سے ایک آیت چھوٹ جانے سے نماز میں کچھ حرج واقع نہیں ہوتا۔ رہا یہ کہ اس طرح سورت کے مفہوم میں فرق آجاتا ہے تو اگر سہواً ایسا ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے نسیان اور سہو سے درگذر فرمایا ہے اور اس پر گرفت نہیں کی۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی نماز میں کسی قِسم کا سُقم باقی نہیں رہے گا۔

قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ فاقرؤا ماتیسّر من القرآن کہ جتنا آسانی اور سہولت سے قرآن کریم پڑھا جا سکے نماز میں پڑھ لو۔

حدیث میں ہے:۔

عن ابی سعید انه قال امرنا ان نقرأ بفاتحة الكتاب وماتيسر

یعنی۔ ابوسعیدؓ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں حکم دیا کہ ہم نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھیں اور اُس کے بعد جتنا حصّہ قرآن کا سہولت سے پڑھا جا سکے پڑھیں"۔ [۲]

امام الصلوٰۃ نماز میں غلطی کرے

سوال:۔ امام کے پیچھے صرف عورتیں نماز ادا کر رہی ہیں۔ اگر امام قرآن پڑھنے میں غلطی کرے تو کیا عورت لقمہ دے سکتی ہے؟

جواب:۔ عام حکم یہ ہے کہ اگر امام دوسرے ارکان میں کوئی غلطی کرے تو مرد سُبحان اللہ کہکر اور عورتیں تالی بجاکر امام کو توجہ دلائیں [۳] اور اگر وہ قرأت میں غلطی کرے تو مقتدی اپنی یادداشت کے مطابق لفظ کی تصحیح کر دیں۔ یا اگر وہ پڑھتے پڑھتے رُک گیا ہے تو اگلے الفاظ بتا دیں۔ یہ عام حکم ہے اس میں مرد عورت کی تخصیص نہیں۔ وجہ صاف ظاہر ہے کہ اگر صرف آواز پیدا کرنے سے توجہ دلائی

۱:۔ بدر ۱۹ رجون ۱۹۰۳ء، فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۵۷ :: ۲: نیل الاوطار باب وجوب قرأة الفاتحہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ :: ۳: بخاری کتاب العمل فی الصلوٰۃ باب التصفیق للنساء جلد ۱ صفحہ ۱۶۱ ؛

جا سکتی ہے اور اس سے ضرورت پوری ہو سکتی ہے تو اسی پر اکتفاء کی جائے اور اگر اس سے ضرورت پوری نہیں ہوتی تو آگے قدم بڑھانے یعنی زبان سے غلطی کے درست کر دینے کی اجازت ہے قرأۃ میں غلطی کے درست کر دینے کی حدیث یہ ہے :۔

صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترک آیۃ فقال لہٗ رجل یا رسول اللہ ایۃ کذا وکذا قال فھلا ذکرتنیھا ۔[۱]

یعنی ۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرأت میں ایک آیت بھول گئے ۔ ایک شخص نے نماز کے بعد توجہ دلائی تو آپؐ نے فرمایا ۔ تم نے نماز میں یاد کیوں نہیں کرایا ۔

ایسی ہی ایک روایت حضرت ابن عمرؓ سے بھی ہے ۔

علامہ شوکانی ان احادیث کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

عند نسیان الامام الآیہ فی القرأۃ الجھریۃ یکون الفتح علیہ بتذکیرہ تلک الایۃ کما فی حدیث الباب وعند نسیانہ بغیرھا من الارکان یکون الفتح بالتسبیح للرجال والتصفیق للنساء ۔[۲]

یعنی اگر تو قرأت میں غلطی ہو تو آیت بتا کر تصحیح کر دینی چاہیئے ۔ بتانے والا مرد ہو یا عورت اس سے کچھ فرق نہیں پڑتا ۔ اور اگر کسی اور رکن میں غلطی ہو تو مرد سبحان اللہ کہہ کر اور عورتیں تالی بجا کر اصلاح کی طرف توجہ دلائیں ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ قرأت میں غلطی کی صورت میں مقتدیوں کے لئے بتانا ضروری نہیں بلکہ امام کو چاہیئے کہ اگر تو کسی قدر وہ قرأت پڑھ چکا ہے اور آگے رُک گیا ہے تو درستی کا انتظار کئے بغیر رکوع میں چلا جائے اور اگر ابتداء میں ہی رُک گیا ہے تو کوئی اور آیت یا سورت شروع کر دے ۔ یہ بھی ایک مستحسن صورت ہے ۔

نماز اور زبان

سوال :۔ کیا نماز اپنی زبان میں پڑھنی جائز ہے ؟

جواب :۔ خدا تعالیٰ نے جس زبان میں قرآن شریف رکھا ہے اس کو چھوڑنا نہیں چاہیئے ۔ ہاں اپنی حاجتوں کو اپنی زبان میں خدا تعالیٰ کے سامنے بعد مسنون طریق اور اذکار کے بیان کر سکتے ہیں ۔ مگر اصل زبان کو ہرگز نہیں چھوڑنا چاہیئے ۔ عیسائیوں نے اصل زبان کو چھوڑ کر کیا پھل پایا ۔ کچھ بھی باقی رہا ؟ [۳]

---

[۱] :۔ ابوداؤد

[۲] :۔ نیل الاوطار صفحہ ۳۲۳ جلد ۲ ؛ [۳] :۔ فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۶۵ ، فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۵۲ ؛

سوال :۔آیت لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ ۔ سکاریٰ سے مراد یہ بھی ہے کہ
معانی کا نہ جاننے والا ہو ۔ کیونکہ حتی تعلموا ما تقولون سے یہی امر سمجھا جاتا ہے ۔
جس سے لازم آتا ہے کہ جس طرح مست یا مدہوش آدمی نماز میں شامل ہو تو بے معنے ہے ایسا
ہی معانی کے نہ جاننے والا بھی نماز میں شامل ہو تو بے کار فعل کا مرتکب ہوگا ؟
جواب :۔ یہ مسلک نہ جماعت احمدیہ کا ہے اور نہ ہی امت کے سابقہ علماء میں سے کسی کا ہے یہ درست
ہے کہ ہمیں معانی آنے چاہئیں اور ان کے بغیر نماز ناقص ہے ۔ جو شخص معانی جانتا ہے اور
ان پر غور کرتے ہوئے نماز ادا کرتا ہے اس کی نماز کا درجہ اس شخص کی نماز سے اعلیٰ اور ارفع
ہے ۔ جو نماز میں پڑھی جانے والی آیات اور دعاؤں کے معنے نہیں جانتا لیکن اس کا یہ مطلب
ہرگز نہیں کہ جو شخص معنے نہیں جانتا وہ نماز ہی نہ پڑھے بلکہ اسلام کا حکم تو یہ ہے کہ جو شخص
الفاظ پڑھنا نہیں جانتا یا اسے یہ الفاظ یاد نہیں وہ بھی نماز پڑھے اور خاموشی سے ارکان نماز
ادا کرے ۔ پھر یہ کیسے جائز ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اچھی طرح تلفظ پر قادر ہے لیکن معنے
نہیں جانتا اسے نماز پڑھنے سے روک دیا جائے ۔ دراصل مقصود ایک مجموعی تاثر ہے ۔ جو
روحانیت کی بنیاد ہے اور یہ ہر سمجھدار کو جو نماز کے لئے حاضر ہوتا ہے حاصل ہوتا ہے خواہ
وہ تفصیلی معانی نہ جانتا ہو ۔

بہر حال اس آیت کا پہلا مطلب یہی ہے کہ انسان جو کچھ پڑھے اس کے معنے بھی جانتا ہو
لیکن اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ وہ مُنہ سے کہہ رہا ہے اس کی صحت کا بھی اسے علم ہو
اور تلفظ میں غلطی نہ کر رہا ہو ۔

غرض اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے حالات اور طاقت کے مطابق انسان کو ذمہ دار ٹھہرایا
ہے ۔

ریڈیو پر نماز

سوال :۔ اگر قادیان کی مسجد مبارک میں ریڈیو لگا دیا جائے تو کیا اس پر تمام دوسرے ممالک میں نماز
پڑھی جا سکتی ہے ؟
جواب :۔ نہیں ۔ کیونکہ اس سے دو نقصان واقع ہوتے ہیں ۔ اوّل اگر اس امر کی اجازت دیدی جائے
تو لوگ گھروں میں ہی نماز پڑھ لیا کریں اور مسجدوں میں نہ آئیں اور اس طرح جماعت سے جو اتحاد

اور اخوت پیدا کرنے کی غرض ہے وہ مفقود ہو جاتی ہے ۔

دوسرا نقص یہ واقع ہو سکتا ہے کہ لوگ قرآن کریم یاد کرنا چھوڑ دیں وہ یہی خیال کرلیں کہ ہمیں قرآن کریم یاد کرنے کی کیا ضرورت ہے ۔جب قادیان کی مسجد میں قرآن پڑھا جائے گا تو ہم بھی سُن لیں گے ۔ اس طرح چونکہ قرآن کریم کے علم سے توجہ ہٹ جاتی ہے اس لئے اس طریق پر نمازیں پڑھنا جائز نہیں ۔ [۱]

غیر معمولی علاقوں میں نماز کے اوقات

(۱)۔ نماز کی فرضیت دنیا کے ہر علاقہ میں قائم ہے اور کسی علاقہ کے غیر معمولی حالات کی وجہ سے یہ فرضیت ساقط نہیں ہوسکتی ۔

(ب) غیر معمولی علاقوں میں نماز کے اوقات اندازہ سے مقرر ہوں گے اور اوقات کی پابندی لفظاً نہیں ہوگی ۔

۲ - نماز کے اوقات کے لحاظ سے غیر معمولی علاقے ۔

غیر معمولی علاقوں سے مراد وہ علاقے ہیں :-

(الف) جہاں دن رات چوبیس گھنٹوں سے زیادہ کے ہیں ۔

(ب) جہاں دن رات اگرچہ چوبیس گھنٹوں کے ہیں لیکن ان میں باہمی فرق اتنا کم ہے کہ وہاں قرآن وسنّت کی رُو سے نمازوں کے پانچ معروف اوقات کی واضح تفریق ممکن نہ ہو مثلاً وہ علاقے جہاں شفق شام اور شفق صبح کے درمیان واضح امتیاز نہ ہو سکے ۔ گویا درمیان میں غسق حائل نہ ہو ۔

سال کے جن ایام میں یہ حرج واقع نہ ہو ۔ ان میں معروف شرعی اوقات کی پابندی ضروری ہو جائے گی اور ان ایام کے لئے وہ علاقے غیر معمولی قرار نہیں دیئے جائیں گے ۔

۳ - غیر معمولی علاقوں میں نماز کے اوقات مندرجہ ذیل اصولی ہدایات کی روشنی میں وہاں کے مقامی لوگ باہمی مشورہ سے متعین کریں گے ۔

(الف) مؤقتہ نمازوں کے اصل اوقات وہی ہیں جو طلوع وغروب اور سورج کے دوسرے افقی تغیرات کے مطابق عام معروف طریق سے متعین ہوتے ہیں ۔ اس لئے جن نمازوں میں ممکن ہو اسی طریق کی پابندی کی جائے ۔

---

[۱] : الفضل ۱۴ راپریل ۱۹۳۱ء ؎

(ب) جہاں ایسا ممکن نہ ہو وہاں مقامی حالات کو مدِنظر رکھ کر نمازوں کے اوقات چوبیس گھنٹوں کے اندر اس طرح پھیلائے جائیں کہ وہ پانچوں نمازوں کے معروف اوقات سے حتی الوسع ملتے جلتے ہوں۔ یہ نہ ہو کہ دن یا رات کے کسی ایک حصہ میں وہ اکٹھے اور ایک دوسرے کے بالکل قریب اکٹھے ہو جائیں۔

نمازِ جمعہ

ہفتہ بھر کے سات دنوں میں سے ایک دن کا اسلامی نام جمعہ ہے۔ اس دن ہر شہر اور اس کے مضافات میں رہنے والے مسلمان نہا دھوکر۔ صاف ستھرے اور اُجلے کپڑے پہن کر اور خوشبو لگاکر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ جمعہ کا یہ دن ایک طرح سے مسلمانوں کی عید کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اجتماعی عبادت کے علاوہ اس بابرکت اجتماع کے ذریعہ حلقۂ تعارف وسیع ہوتا ہے۔ اجتماعی مقاصد کے متعلق سوچنے اور باہمی تعاون کے مواقع میسّر آتے ہیں۔ مساوات اسلامی کے مظاہرہ کا موقع ملتا ہے۔ قومی اور جماعتی ضرورتوں کا پتہ چلتا ہے۔ وعظ و تذکیر سن کر رضائے الٰہی کی راہوں پر چلنے کی توفیق ملتی ہے۔

جمعہ کی نماز کا وقت وہی ہے جو ظہر کی نماز کا ہے۔ البتہ امام وقت کی اشد ضروری سفر یا جنگی انداز کی اہم مصروفیت کے پیش نظر چاشت کے بعد اور زوال سے قبل بھی جمعہ پڑھا جا سکتا ہے۔ [1]

نمازِ جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے۔ یہ نماز تمام بالغ تندرست مسلمانوں پر واجب ہے۔ البتہ معذور۔ نابینا۔ اپاہج۔ بیمار اور مسافر۔ نیز عورت کے لئے واجب نہیں۔ ہاں اگر یہ شامل ہوجائیں تو ان کی نماز جمعہ ہوجائے گی۔ ورنہ وہ ظہر کی نمازیں پڑھیں۔

---

[1] (۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نهى عن الصلوٰة نصف النهار حتى تزول الشمس الا يوم الجُمعة ۔ (مسند الشافعی صـ۵۲)

(۲) عن ابی قتادہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه كره الصلوٰة نصف النهار الا يوم الجُمُعَة ۔ (ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ یوم الجمعۃ قبل الزوال جلد ۱ صـ۱۵۵)

(۳) الحنابلة قالوا يبتدی وقت الجُمعة من ارتفاع الشمس قدر رمح و ينتهي بصيرورة ظل كل شيئٍ مثله سوى ظل الزوال. ولكن ما قبل الزوال وقت جواز يجوز فعلها فيه ۔ وما بعد الزوال وقت وجوب يجب ايقاعها فيه وايقاعها فيه افضل ۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ صـ۳۰۵ جلد اوّل)

نماز جمعہ کا طریق

سورج ڈھلنے کے ساتھ ہی پہلی اذان دی جائے۔ امام جب خطبہ پڑھنے کے لئے آئے تو دوسری اذان کہی جائے۔[1]

پہلے خطبہ میں تشہد اور سورہ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حسب موقع ایسی زبان میں ضروری نصائح کی جائیں جس کو لوگوں کی اکثریت سمجھتی ہو۔ اس خطبہ میں لوگوں کو ان کے فرائض کی طرف توجہ دلائی جائے۔ اس کے بعد ایک دو منٹ کے لئے خطیب خاموش ہو کر بیٹھ جائے۔ پھر کھڑے ہو کر دوسرا خطبہ عربی کے مقررہ مسنون الفاظ میں پڑھے۔ دونوں خطبے توجہ سے سننے چاہئیں۔ ان کے دوران میں بولنا جائز نہیں[2] البتہ ضرورت پر ہاتھ یا انگلی کے اشارہ سے کسی کو متوجہ کیا جا سکتا ہے ہاں امام اگر کوئی بات پوچھے تو جواب دینا چاہیئے۔

خطبہ ثانیہ کے بعد اقامت کہکر دو رکعت نماز باجماعت ادا کی جائے۔ نماز میں قرأت بالجہر ہو۔ خطبہ پڑھنے والا ہی نماز پڑھائے البتہ اگر کوئی اشد مجبوری ہو تو امام وقت کی ہدایت پر کوئی دوسرا شخص بھی نماز پڑھا سکتا ہے۔ جمعہ کی نماز سے پہلے اور بعد چار چار رکعت نماز سنت پڑھی جائے۔ بعد میں چار کی بجائے دو رکعت بھی پڑھی جا سکتی ہیں[3]۔ خطبہ کے دوران میں پہنچنے والے شخص کے لئے مناسب ہے کہ وہ صفوں کو پھلانگ کر آگے جانے کی کوشش نہ کرے[4]۔ اگر وہ چاہے تو جلدی جلدی دو رکعت نماز سنت[5] ادا کر سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی وجہ سے آخری قعدہ میں شامل ہو تو وہ بھی دو رکعت نماز پوری کرے کیونکہ اتحادِ نیت کی وجہ سے رکعتوں کی تعداد اتنی ہی رہے گی جتنی امام نے پڑھی ہیں۔ البتہ ثواب ضرور کم ہوگا۔ جمعہ کی نماز کی کوئی قضا نہیں۔ اگر

---

[1]:- ان الاذان یوم الجمعة کان اوّلہ حین یجلس الامام یوم الجمعة علی المنبر فی عهد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وابی بکر وعمر فلما کان فی خلافة عثمان وکثروا امر عثمان یوم الجمعة بالاذان الثالث فاذن بہ علی الزوراء فثبت الامر علی ذالك۔ (بخاری باب التأذین عند الخطبة ص ۱۲۵/۱)

[2]:- ابوداؤد کتاب الصلوٰة باب الکلام والامام یخطب ص ۱۵۸/۱ ؛ [3] ابوداؤد باب الصلوٰة بعد الجمعة وشرح السنة ص ۴۴۹/۳ ؛

[4]:- ابوداؤد کتاب الصلوٰة باب تخطی رقاب الناس یوم الجمعة ص ۱۵۹/۱ ؛ [5] بخاری کتاب الصلوٰة باب من جاء والامام یخطب صلی رکعتین ص ۱۲۷/۱ ؛

وقت کے اندر جمعہ نہ پڑھا جا سکے تو پھر ظہر کی نماز پڑھی جائے۔

خُطبہ ثانیہ کے مسنون الفاظ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ط وَنَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ عِبَادَ اللّٰهِ رَحِمَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ اُذْكُرُوا اللّٰهَ يَذْكُرْكُمْ وَادْعُوْهُ يَسْتَجِبْ لَكُمْ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ط[1]

یعنی ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اس لئے ہم اس کی تعریف کرتے ہیں۔ اور اس سے مدد چاہتے ہیں اور اس کی مغفرت کے طالب ہیں۔ اور اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر توکل کرتے ہیں۔ اور ہم اپنے نفس کے شرور اور اپنے اعمال کے بدنتائج سے اس کی پناہ چاہتے ہیں۔ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اُسے کوئی بھی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کی گمراہی کا وہ اعلان کرے اُسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس نے یہ درسِ توحید ہمیں دیا اُس کے بندے اور اُس کے رسول ہیں۔ اے اللہ کے بندو تم پر اللہ رحم کرے۔ وہ عدل اور انصاف کا حکم دیتا ہے۔ اور قریبی رشتہ داروں سے اچھے سلوک کا ارشاد فرماتا ہے اور بے حیائی۔ بُری باتوں اور باغیانہ خیالات سے روکتا ہے۔ وہ تمہیں اس بناء پر نصیحت کرتا ہے کہ تم میں نصیحت قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرو وہ تمہیں یاد کرے گا۔ اُسے بلاؤ وہ تمہیں جواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا یاد کرنا سب سے بڑی نعمت ہے۔

جمعہ کی فرضیّت واہمیّت

"جمعہ کے بارہ میں خاص ایک سورہ قرآن شریف میں موجود ہے جس کا نام سورۃ الجمعہ ہے اور اس میں حکم ہے کہ جب جمعہ کی بانگ دی جائے تو تم دُنیا کا ہر ایک کام بند کر دو اور مسجدوں میں جمع ہو جاؤ۔

[1] :۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب الرجل یخطب علی قوس صفحہ ۱۵۶ ۔

اور نماز جمعہ اس کی تمام شرائط کے ساتھ ادا کرو۔ اور جو شخص ایسا نہ کرے گا وہ سخت گنہگار ہے۔ اور قریب ہے کہ اسلام سے خارج ہو اور جس قدر جمعہ کی نماز اور خطبہ سننے کی قرآن شریف میں تاکید ہے اس قدر نماز کی بھی نہیں۔" [1]

سوال :۔ جمعہ کے فرض ہونے کی کیا شرائط ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ بڑا شہر ہو۔ مسلمان حکومت ہو تب جمعہ فرض ہوتا ہے شرعی حکم کیا ہے؟

جواب :۔ قرآن کریم میں نماز جمعہ پڑھنے کا حکم ہے۔ فرمایا "اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ۔ (سورۃ جمعہ ۱۰)

یعنی جب تم کو جمعہ کے دن نماز (جمعہ) کے لئے بلایا جائے تو اللہ کے ذکر کے لئے جلدی جایا کرو اور خرید و فروخت کو چھوڑ دیا کرو۔

نیز قرآن و حدیث میں کہیں ایسا ذکر نہیں کہ جمعہ کے فرض ہونے کے لئے ضروری ہے کہ شہر پختہ ہو اور وہاں مسلمان حکومت ہو۔ اس کے برعکس طبرانی کی حدیث سے ثابت ہے کہ شہر ہو یا گاؤں اگر وہاں نماز پڑھانے والا کوئی ایسا پڑھا لکھا آدمی ہے جو امام بن سکے تو وہاں جمعہ واجب ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

عَنْ اُمِّ عَبْدِ اللّٰہِ الدَّوْسِیَّۃِ مَرْفُوْعًا اَلْجُمُعَۃُ وَاجِبَۃٌ عَلٰی کُلِّ قَرْیَۃٍ فِیْھَا اِمَامٌ وَاِنْ لَّمْ یَکُوْنُوْا اِلَّا اَرْبَعَۃً۔ وَفِیْ رِوَایَۃٍ وَاِنْ لَّمْ یَکُوْنُوْا اِلَّا ثَلَاثَۃً رَابِعُھُمُ الْاِمَامُ [2]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ ہر اس گاؤں میں واجب ہے جہاں نماز پڑھانے والا امام ہو خواہ مقتدی چار ہوں یا تین۔

حقیقت یہ ہے کہ بعض علماء نے محض احتیاط کے پیش نظر صرف وجوب کے لئے یہ شرائط بیان کی ہیں۔ کیونکہ جمعہ کے لئے مختلف جگہوں سے بہت سے لوگ جمع ہوتے ہیں اور خاص انتظام کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ کوئی اختلاف اور گڑبڑ پیدا نہ ہو۔ اسلئے کسی منتظم ادارہ (خواہ بادشاہت کی صورت ہو یا جمہوری حکومت کی۔ انجمن کی ہو یا شہر کے بااثر لوگوں کی یونین جس کی لوگ باتیں مانیں) کا ہونا ضروری ہے۔ غرض یہ صرف انتظامی ہدایت ہے تاکہ امن عامہ میں کسی قسم کا خلل

---

[1] :۔ بدر ۱۴ر مارچ ۱۹۰۸ء، فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۱۱۹، الحکم ۲۴ر جنوری ۱۹۰۳ء ۔

[2] :۔ طبرانی و ابن عدی بحوالہ نیل الاوطار صفحہ ۲۳۱ باب انعقاد الجمعۃ باربع و اقامتھا فی القریٰ ۔

واقعہ نہ ہو۔ ورنہ یہ کوئی لازمی شرط نہیں کہ اس کے بغیر جمعہ نہ ہو سکے۔ پس اگر بسہولت انتظام ہو سکے اور کسی گڑبڑ کا خطرہ نہ ہو تو جمعہ کا پڑھنا ضروری ہے خواہ شہر ہو یا کوئی گاؤں وہاں حکومت کا کوئی با اقتدار نمائندہ ہو یا نہ ہو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے ہمیشہ جمعہ پڑھا ہے۔ خواہ آپ کسی شہر میں ہوتے یا گاؤں میں۔ کیونکہ یہ قرآن کریم کا حکم ہے اور قرآن کے ہر حکم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ عمل کرتے تھے۔

غرض جمعہ کا پڑھنا ایک عمومی حکم ہے چنانچہ صحیح مسلم کی روایت ہے:۔

"اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِقَوْمٍ يَتَخَلَّفُوْنَ يَوْمَ الْجُمُعَةِ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ رَجُلاً يُصَلِّي بِالنَّاسِ ثُمَّ اُحْرِقَ عَلٰى رِجَالٍ يَتَخَلَّفُوْنَ عَنِ الْجُمُعَةِ بُيُوْتَهُمْ"۔ [۱]

حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا:۔

اِنَّ اللهَ لَقَدِ افْتَرَضَ عَلَيْكُمُ الْجُمُعَةَ فِيْ مَقَامِيْ هٰذَا فِيْ شَهْرِيْ هٰذَا فِيْ عَامِيْ هٰذَا اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَرِيْضَةً مَكْتُوْبَةً لِمَنْ وَجَدَ اِلَيْهَا سَبِيْلاً ۔ [۲]

ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحُثُّ عَلٰى فِعْلِ الْجُمُعَةِ فِيْ جَمَاعَةٍ اَكْثَرَ مِنْ غَيْرِهَا ۔ [۳]

یہ تمام حوالے اس بات کا بیّن ثبوت ہیں کہ جمعہ جب بھی پڑھا جائے وہ بحیثیت فرض کے ہوگا۔ اس کا نفل ہونا کسی درجہ میں بھی صحیح نہیں۔ اسی طرح نماز جمعہ نماز ظہر کا بدل ہے جس نے جمعہ پڑھا ہے اس کے لئے ظہر کا پڑھنا بلا وجہ ہوگا اور شرعی امور میں عمل بالرائے۔ اور یہ دونوں امر ایک مومن کی شان سے بعید ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل صحابہ کرامؓ کا دستور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کا اجماع اس امر پر شاہد ہیں کہ جمعہ پڑھنے کی صورت میں کسی نے بھی ظہر کی نماز منفرداً یا جماعتی رنگ میں نہیں پڑھی۔ کسی روایت میں بھی اس کا ذکر نہیں آتا۔ بلکہ تمام روایتوں سے یہی پتہ چلتا ہے کہ نماز جمعہ سقوطِ ظہر کا باعث ہے۔ جو شخص اس امر کا مدعی ہے کہ جمعہ پڑھنے کے بعد ظہر کے پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔ یا ظہر کا پڑھنا ضروری ہے

---

[۱] : مسند احمد ص ۲/۲۰۲ ، نیل الاوطار ص ۳/۲۳۱ ؛ [۲] : کشف الغمہ باب صلاۃ الجمعہ ص ۱/۲۴۹ ؛ [۳] : کشف الغمہ ص ۱/۲۴۹ ؛

بارِ ثبوت اس کے ذمہ ہے ۔

یہ امر بے شک درست ہے کہ جمعہ کے وجوب کے لئے بعض ایسی شروط ہیں کہ جن کے بغیر جمعہ صحیح نہیں ہوتا۔ مثلاً جمعہ کے لئے جماعت ایک ایسی حتمی شرط ہے کہ اس کے بغیر جمعہ درست نہ ہوگا ۔ ایک شخص (فردِ واحد) کے لئے جمعہ کا پڑھنا درست نہیں وہ جمعہ کی بجائے ظہر پڑھے اس کے علاوہ بعض اور بھی مناسب شرائط ہیں جو وجوب جمعہ کا باعث بنتی ہیں لیکن ان میں سے بعض کے فقدان کے باوجود اگر کوئی جمعہ پڑھے تو اس کا جمعہ فرض کی صورت میں ادا ہوگا اور وہ ظہر کی نماز کے قائمقام بنے گا۔ مثلاً عورت، مریض، مسافر اور غلام پر جمعہ واجب نہیں لیکن اگر وہ جمعہ پڑھیں تو ان کی طرف سے یہ بحیثیت فرض ادا ہوگا اور ان کے لئے یہ جائز نہ ہوگا کہ وہ اس کے بعد ظہر کی نماز بھی پڑھیں ۔

سفر اور جمعہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

"دوستوں میں یہ اختلاف ہوا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فتویٰ ہے کہ اگر نمازیں جمع کی جائیں تو پہلی، پچھلی اور درمیانی سنتیں معاف ہوتی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ جب نماز ظہر یا عصر جمع ہوں تو درمیانی سنتیں معاف ہوتی ہیں یا اگر نماز مغرب اور عشاء جمع ہوں تو درمیانی اور آخری سنتیں معاف ہو جائیں گی۔ لیکن اختلاف یہ کیا گیا ہے کہ ایک دوست نے بیان کیا کہ وہ ایک سفر میں میرے ساتھ تھے میں نے جمعہ اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھائیں اور جمعہ کی پہلی سنتیں پڑھیں۔ یہ دونوں باتیں صحیح ہیں۔ نمازوں کے جمع ہونے کی صورت میں سنتیں معاف ہو جاتی ہیں یہ بات بھی صحیح ہے اور یہ بھی صحیح کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کی نماز سے قبل جو سنتیں پڑھا کرتے تھے میں نے وہ سفر میں پڑھیں اور پڑھتا ہوں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جمعہ کی نماز سے پہلے جو نوافل پڑھے جاتے ہیں ان کو دراصل رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے اعزاز میں قائم فرمایا ہے۔ سفر میں جمعہ کی نماز پڑھنا بھی جائز ہے اور چھوڑنا بھی جائز ہے۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سفر میں جمعہ پڑھتے بھی دیکھا ہے اور چھوڑتے بھی دیکھا ہے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک مقدمہ پر گورداسپور تشریف لے گئے ہوئے تھے اور آپ نے فرمایا کہ آج

جمعہ نہیں ہوگا کیونکہ ہم سفر پر ہیں۔ ایک صاحب جن کی طبیعت میں بے تکلفی ہے وہ آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ سُنا ہے حضور نے فرمایا کہ آج جمعہ نہیں ہوگا۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل یوں تو ان دنوں گورداسپور میں ہی تھے مگر اس روز کسی کام کے لئے قادیان آئے تھے ان صاحب نے خیال کیا کہ شاید جمعہ نہ پڑھے جانے کا ارشاد آپ نے اس لئے فرمایا ہے کہ مولوی صاحب یہاں نہیں ہیں اس لئے کہا حضور مجھے بھی جمعہ پڑھانا آتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں آتا ہوگا مگر ہم تو سفر پر ہیں۔ ان صاحب نے کہا کہ حضور مجھے اچھی طرح جمعہ پڑھانا آتا ہے اور مَیں نے بہت دفعہ جمعہ پڑھایا بھی ہے۔ آپ نے جب دیکھا کہ ان صاحب کو جمعہ پڑھانے کی بہت خواہش ہے تو فرمایا کہ اچھا آج جمعہ ہوگا۔ تو مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو سفر کے موقع پر جمعہ پڑھتے بھی دیکھا ہے اور چھوڑتے بھی اور جب سفر میں جمعہ پڑھا جائے تو مَیں پہلی سنتیں پڑھا کرتا ہوں اور میری رائے یہی ہے کہ وہ پڑھنی چاہئیں کیونکہ وہ عام سے مختلف ہیں اور وہ جمعہ کے احترام کے طور پر ہیں" [1]

غرض جمعہ کی نماز ہر جگہ ہوسکتی ہے۔ سفر میں بھی اور حضر میں بھی۔ نہ اس کے لئے شہر کا ہونا شرط ہے نہ اقامت۔ جوازِ جمعہ کے لئے صرف ایک شرط ہے کہ امن و امان اور نظم و ضبط قائم رکھا جاسکے۔ لوگوں میں تمدن اور مل جل کر رہنے کا شعور ہو تاکہ زیادہ لوگوں کے جمع ہونے کی وجہ سے گڑبڑ کا خطرہ نہ ہو۔

البتہ ایک بات ضروری ہے وہ یہ ہے کہ جمعہ فرض اُسی وقت ہوگا جبکہ انسان مقیم ہو تندرست ہو حالات پُرامن ہوں اور اتنے لوگ جمع ہوسکیں جو جماعت کے لئے ضروری ہیں ورنہ بصورت دیگر جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز بھی پڑھی جاسکتی ہے۔

جمعہ کی نماز فرض ہونے کے معنے یہ ہیں کہ جمعہ ضروری ہوگا۔ اور اس کی بجائے ظہر کی نماز جائز نہ ہوگی۔ امام بیہقی کی روایت ہے کہ والئ بحرین نے حضرت عمرؓ کی خدمت میں لکھا کہ جمعہ کے لئے آیا کسی خاص مقام شہر گاؤں وغیرہ کی شرط ہے یا نہیں۔ اس پر آپ نے اس والی کو لکھا کہ تم جہاں بھی ہو وہیں جمعہ پڑھ سکتے ہو۔ یعنی اس کے لئے سفر یا حضر کی کوئی شرط نہیں۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

" ان اجمعوا حیث ماکنتم " [2]

اسی طرح بیہقی کتاب الجمعہ میں روایت ہے:۔

---

[1]: الفضل ۲۲ جنوری ۱۹۴۳ء و ۱۶ اکتوبر ۱۹۴۶ء

[2]: ازالۃ الخفاء ص۹۲ ۔ فقہ عمر ص۵۳

"الجمعة واجبة على كل قرية وان لم يكن فيها الا اربعة ۔" [1]

ظاہر ہے کہ اس جواب کے بعد یہ بحث بے کار ہو جاتی ہے کہ شہر کی کیا حدود ہیں اور اس کے مضافات کیا ہیں۔

فوجی نقل و حرکت کے دوران میں جمعہ کی نماز کے بارہ میں ہدایت یہ ہے کہ اگر فوج مع امیر عساکر کسی ایسی جگہ پڑاؤ ڈالے ہوئے ہو جو قریہ یا شہر کا حکم رکھتی ہو اور وہاں جمعہ پڑھا جا سکتا ہو تو وہاں فوج بھی جمعہ کی نماز پڑھے ورنہ ضروری نہیں۔ ابراہیم نخعیؒ کہتے ہیں:۔

"كَانُوْا لَا يَجْمَعُوْنَ فِيْ الْعَسَاكِرِ" [2]

کیا جمعہ کی نماز دو آدمیوں سے ہو سکتی ہے

سوال:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں سوال ہوا کہ کسی گاؤں میں اگر دو احمدی ہوں۔ یا ایک مرد اور کچھ عورتیں ہوں تو وہ بھی جمعہ پڑھ لیا کریں یا نہ؟

جواب:۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے مولوی محمد احسن صاحب سے خطاب فرمایا تو انہوں نے عرض کیا کہ دو سے جماعت ہو جاتی ہے اس لئے جمعہ بھی ہو جاتا ہے۔

آپ نے فرمایا:۔ ہاں پڑھ لیا کریں۔ فقہاء نے تین آدمی لکھے ہیں اگر کوئی اکیلا ہو تو وہ اپنی بیوی وغیرہ کو پیچھے کھڑا کر کے تعداد پوری کر سکتا ہے۔ [3]

صاحب نیل الاوطار اس بارہ میں فقہاء اسلام کے مسلک پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

من قال انها تصح باثنين فاستدل بان العدد واجب بالحديث والاجماع ورأى انه لم يثبت دليل على اشتراط عدد مخصوص و قد صحت الجماعة فی سائر الصلوٰت باثنين ولا فرق بينها وبين الجماعة ولم يأت نص من رسول الله صلى الله عليه وسلم بان الجمعة لا تنعقد الا بكذا وهذا القول هو الراجح عندی۔ [4]

---

[1] :۔ سنن الکبریٰ بیہقی ص۱۷۹/۳ ؛ [2] :۔ اوجز المسالک شرح موطا امام مالکؒ ص۳۵۲/۱ ؛

[3] :۔ الحکم ۱۰ مارچ ۱۹۰۵ء، بدر ۵ ستمبر ۱۹۰۷ء، الفضل ۲۰ مئی ۱۹۱۵ء، ۱۹ جنوری ۱۹۲۳ء، فتاویٰ مسیح موعود ص۱۲۰ ؛

[4] :۔ نیل الاوطار ص۲۳۲/۳ باب انعقاد الجمعہ باربعین واقامتها فی القریٰ ؛

سوال :۔ کیا عورتیں علیحدہ جمعہ کی نماز پڑھ سکتی ہیں اور اس کا طریق کیا ہو گا۔ نماز باجماعت کی صورت میں عورت اقامت کہہ سکتی ہے؟

جواب :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خلفاء کے زمانہ میں ہمیں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی کہ عورتوں نے الگ جمعہ یا عید کی نماز پڑھی ہو۔ سنت بھی یہی ہے کہ مرد اور عورتیں مل کر ایک جگہ جمعہ یا عید پڑھیں۔ تاہم عورتیں چونکہ بوقت ضرورت الگ نماز باجماعت پڑھ سکتی ہیں اس لئے اصولی طور پر باجازت مرکز حسب ضرورت کبھی کبھی ان کے لئے علیحدہ جمعہ یا عید کی نماز پڑھنے میں بھی بظاہر کوئی حرج نہیں بشرطیکہ اسے ایک مستقل عادت نہ بنا لیا جائے۔ جمعہ یا نماز باجماعت کی صورت میں عورت اقامت بھی کہہ سکتی ہے لیکن ان میں جو عورت امامت کرائے وہ صف کے آگے کھڑی ہونے کی بجائے پہلی صف کے درمیان میں کھڑی ہو[۱]۔ اسی قسم کے ایک سوال کے ضمن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :۔

(۱) "اگر کوئی خاص مجبوری ہو تو اس کی بناء پر عورتوں کو علیحدہ اکٹھے ہو کر جمعہ پڑھنے کی اجازت دی جا سکتی ہے تاکہ اُن میں دینی رُوح قائم رہے لیکن اگر عام حالات میں بھی ایسا کرنے کی اجازت دے دی جائے تو مردوں اور عورتوں میں اختلاف پیدا ہونے کا امکان ہے۔ مَردوں کے خیالات اور طرف جا رہے ہوں گے عورتوں کے اور طرف اس لئے عام حالات میں حکم یہی ہے کہ مرد اور عورتیں ایک مقام پر جمعہ کا فریضہ ادا کریں" [۲]

(۲) علامہ ابن قدّامہ اپنی مشہور کتاب المغنی میں لکھتے ہیں :۔

قال ابن المنذر اجمع کل من نحفظ عنہ من اھل العلم ان لا جمعۃ علی النساء واجمعوا علی انھن اذا حضرن فیصلین الجمعۃ ان ذلک یجزی عنھن لان اسقاط الجمعۃ للتخفیف عنھن فاذا تحملوا المشقۃ وصلوا اجزاھم کالمریض۔ [۳]

---

۱ :۔ قیام اللیل باب المرأۃ تؤم النساء بشیخ محمد بن نصر المروزی ص۱۲۳ ؛

۲ :۔ الفضل ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۸ء ؛ ۳ :۔ المغنی لابن قدامہ ص۳۴۳/۲ ؛

خطبہ کھڑے ہوکر دینا چاہیئے

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:۔

۱۔ اسلامی سنّت تو یہی ہے کہ خطبہ کھڑے ہوکر پڑھا جائے مگر میں کچھ دنوں سے بیمار ہوں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ (حضور اس وقت کرسی پر بیٹھے تھے)

۲۔ چونکہ مجھے نقرس کا دورہ ہے اس لئے مَیں خطبہ جمعہ کھڑے ہوکر نہیں پڑھ سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتداء میں یہ حکم تھا کہ جب امام کھڑے ہوکر نماز نہ پڑھا سکے تو مقتدی بھی بیٹھ کر نماز پڑھا کریں۔ لیکن بعد میں خدا تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت آپ[ؐ] نے اس حکم کو بدل دیا اور فرمایا[۱] کہ اگر امام کسی معذوری کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی نہ بیٹھیں بلکہ وہ کھڑے ہوکر ہی نماز ادا کیا کریں۔ پس چونکہ میں کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھا سکتا اس لئے مَیں بیٹھ کر نماز پڑھاؤں گا اور دوست کھڑے ہوکر نماز ادا کریں[۲]"۔

خُطبہ کا اختصار

سوال:۔ کیا یہ ہدایت ہے کہ جتنا وقت خطبہ پر لگے اس سے آدھا وقت نماز پر صرف ہو؟

جواب:۔ عام اصول یہ ہے کہ خطبہ چھوٹا اور نماز لمبی ہو۔ سوائے اس کے کہ کوئی خاص قومی ضرورت لمبے خطبہ کی مقتضی ہو۔ یا خلیفۂ وقت خود ایسا کرنا ضروری سمجھیں کیونکہ خلیفۂ وقت قوم کی بہبود کے مرکزی ذمہ وار ہوتے ہیں اور جماعت کا وقت ان کے وقت کے تابع ہوتا ہے۔ یہ ایک مخصوص حق ہے جس کا کوئی دوسرا علی الاطلاق حقدار نہیں۔ خطبہ کے بارہ میں عام ہدایت اس حدیث سے ظاہر ہے:۔

۱:۔ انما جعل الامام لیؤتم بہ ...... اذا صلّی جالسًا فصلوا جلوسًا اجمعون قال ابوعبداللہ قال الحمیدی قولہ واذا صلی جالسًا فصلوا جلوسًا ھو فی مرضہ القدیم ثم صلی بعد ذلک النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالسًا والناسُ خلفہ قیامٌ لم یأمرھم بالقعود وانما یؤخذ بالاٰخر فالاٰخر من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب انما جعل الامام لیؤتم بہ ص۹۵)

۲۔ عن عائشۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی مرضہ وابوبکر یصلی بالناس فصلی جنب ابی بکر والناس یاتمّون بابی بکر وابوبکر یأتم بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب اذا صلی الامام قاعدا ص۴۹)

۲ ؎:۔ الفضل یکم اپریل ۱۹۱۵ء و ۳ رجولائی ۱۹۵۱ء؛

عَنْ عَمَّارِ بْنِ يَاسِرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ طُوْلَ صَلٰوةِ الرَّجُلِ وَقِصَرَ خُطْبَتِهٖ مَئِنَّةٌ مِنْ فِقْهِهٖ فَاَطِيْلُوا الصَّلٰوةَ وَاقْصُرُوا الْخُطْبَةَ ۔ ؎۱

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

"گو رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں خطبہ کا یہی طریق تھا کہ جمعہ کی نماز جو دو رکعت ہوتی ہے اس کی نسبت مختصر ہوتا مگر اس زمانہ کی ضروریات کو مدّنظر رکھ کر خطبہ لمبا کیا جاتا ہے۔ مختصر خطبہ پڑھنا سنّت یا فرض نہیں کیونکہ عرب میں رواج تھا کہ بڑی سے بڑی نصیحت کو چھوٹے سے چھوٹے فقرے میں ادا کر دیتے تھے ہمارے ملک میں لوگ لمبی گفتگو سے مطلب سمجھتے ہیں۔ مگر عرب میں کوشش کی جاتی تھی کہ وسیع مضمون کو ۲ دو جملوں میں ادا کیا جائے۔ چونکہ خطبہ سے غرض اصلاح ہے اسلئے ملک کی حالت کو مدّنظر رکھ کر لمبا خطبہ بیان کرنا پڑتا ہے مگر جس طرح چھوٹا خطبہ پڑھنا فرض نہیں اِسی طرح لمبا خطبہ پڑھنا بھی فرض نہیں"۔ ؎۲

سوال :۔ نماز جمعہ کے وقت دو خطبے ہوتے ہیں ایک تو لمبا جو اُردو یا جونسی زبان میں چاہیں پڑھیں دوسرا جو عربی میں ہوتا ہے۔ کیا دوسرا خطبہ پڑھنے کی بجائے ہم دعائیں یا صرف درود شریف پڑھ سکتے ہیں ؟

جواب :۔ دوسرا خطبہ وہی مسنون عربی کا ہی پڑھنا ضروری ہے جو خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہُوا ہے۔ ؎۳

سوال :۔ دوسرے خطبہ میں عربی کا آدھا حصّہ پڑھنے کے بعد دس پندرہ منٹ تک جماعتی کاموں کے متعلق باتیں کرنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ دوسرا خطبہ خالصتہً قرآنی آیات اور ادعیہ ماثورہ پر مشتمل ہو تو زیادہ بہتر ہے۔ خلیفہ وقت کا عمل ایک استثنائی صورت ہے لیکن عام ہدایت یہی ہے کہ کوئی ضروری بات بامر مجبوری دوسرے خطبہ میں بیان کی جا سکتی ہے۔ لمبی چوڑی باتیں کرنا مناسب نہیں۔ خلفاء راشدین کے طریق عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے۔ اور جنہوں نے حضرت خلیفۃ المسیح کے خطبات جمعہ متعدد بار

؎۱ :۔ مسلم کتاب الجمعہ باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ صفحہ ۳۳۷، ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اقصار الخطبہ ص

؎۲ :۔ الفضل ۱۱ جنوری ۱۹۲۴ء ؎۳ :۔ الفضل ۱۰ اگست ۱۹۵۱ء

سنتے ہیں وہ اس رائے کی تائید کریں گے۔ کہ دوسرے خطبہ کے دَوران میں لمبے چوڑے اعلانات کے لئے یہ کوئی مناسب موقع نہیں ہے۔

سوال:۔ خلیفۂ وقت کے علاوہ اگر جمعہ یا عید میں ایک آدمی خطبہ دے اور دوسرا آدمی نماز پڑھائے تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب:۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کا اس بارہ میں جو عمل تھا اس کی وضاحت مندرجہ ذیل نوٹ سے ہو جاتی ہے:۔

"قادیان ۲۷ نبوت ۱۳۲۱ھش۔ آج حضور نے خطبہ جمعہ پڑھا جس کے لئے حضور آرام کرسی پر بیٹھ کر جسے چند دوستوں نے اٹھایا ہوا تھا مسجد میں تشریف لائے اور بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ نماز حضور نے بیٹھ کر پڑھی جو حضرت مولوی شیر علی صاحب نے پڑھائی۔" [1]

خلفاء کے علاوہ دوسرے افراد جو امام الصلوٰۃ ہوں مثلاً امیر مقامی۔ پریذیڈنٹ۔ مربی۔ وہ کیا کریں۔ اس بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اِس نوٹ کے ساتھ استصواب کیا گیا کہ "جماعت احمدیہ کا یہ مسلک تو عملاً مسلّم ہے کہ خلیفۂ وقت بیماری یا کسی اور وجہ سے اگر مناسب خیال فرمادیں تو خود خطبہ جمعہ یا خطبہ عید ارشاد فرمادیں اور نماز جمعہ عید پڑھانے کے لئے کسی اور کو حکم دیں۔"

خلیفۂ وقت کے علاوہ کسی اور کے لئے بھی یہ جائز ہے کہ خطبہ ایک شخص دے اور نماز دوسرا شخص پڑھائے۔" اس پر حضور نے فرمایا:۔

"صرف خلیفۂ وقت۔ اس کی ذمہ واری کے پیش نظر۔" [2]

سوال:۔ مسجد تین منزلہ ہے بعض اوقات لاؤڈ سپیکر نہ ہونے کی وجہ سے تینوں منزلوں میں امام کی آواز نہیں پہنچتی۔ کیا تینوں منزلوں میں تین امام جدا جدا خطبہ دے سکتے ہیں جبکہ نماز ایک ہی امام کے پیچھے ادا کی جائے؟

جواب:۔ ایک ہی مسجد میں ایک ہی وقت میں دو یا زیادہ اشخاص کا مستقلاً خطبہ پڑھنا تعامل کے خلاف ہے۔ اس کی بجائے بہتر صورت یہ ہے کہ خطیب اپنے نقیب مقرر کر دے جو اس کی آواز دوسری منزل کے نمازیوں تک پہنچائیں۔ آخر نماز میں بھی تو اسی طریق کے مطابق تکبیرات کی آواز پہنچائی جاتی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ خطبہ بالکل مختصر کر دیا جائے۔ جیسا کہ مرکزی مسجد میں حضرت امیر المؤمنین کی ہدایت ہے کہ خطیب دس پندرہ منٹ سے زیادہ کا خطبہ نہ دے۔

---

[1] :۔ الفضل ۲۹ نومبر ۱۹۴۲ء و ۲۷ جنوری ۱۹۴۵ء ؛ [2] :۔ رجسٹر فتاویٰ افتاء فتویٰ ۱۱۱ مورخہ ۲۱/۲/۱۹۷۲ ؛

ایک تدبیر (بشرطیکہ بات پہنچانی ضروری ہو) یہ ہوسکتی ہے کہ خطیب اپنا خطبہ لکھ لے اور نچلی منزل والا مقرر اس وضاحت کے ساتھ یہ لکھے ہُوئے الفاظ دہرائے کہ اُوپر اصل خطیب یہ باتیں بیان کر رہے ہیں -

نماز جمعہ اور ریڈیو

سوال :۔ کیا امام الصلوٰۃ کی موجودگی میں ریڈیو پر نشر ہونے والی نماز جمعہ اور خطبہ جمعہ کی تتبع میں نماز ادا کی جاسکتی ہے ؟

جواب :۔ نماز باجماعت کی طرح خطبہ جمعہ اور نماز جمعہ ایک مخصوص اسلامی عبادت ہے جس کے معین شرائط - ارکان اور آداب ہیں - جن کے بغیر یہ عبادت صحیح نہیں ہوسکتی - فرض جمعہ کی ادائیگی کا ایک حصّہ امام کا سامنے ہونا - اس کا خطبہ دینا اور اس کے بعد جمعہ کی نماز پڑھانا ہے - جس طرح ایک شخص لیٹے ہُوئے اللہ تعالیٰ کا تصوّر کرے اس کی خشیّت اور محبت دل میں پیدا کرے تو اس کی اس حالت کو نماز نہیں کہہ سکتے - اسی طرح موجود امام کے بغیر خطبہ سُننے اور دوسرے شہر سے آنے والی آواز کی اقتداء میں نماز پڑھنے کو نماز جمعہ ادا کرنا نہیں کہہ سکتے -
اسلام کی مخصوص عبادات میں اپنے طور پر کسی قسم کی تبدیلی کو جائز تسلیم نہیں کیا گیا - امّتِ مسلمہ کا یہ اجتماعی فیصلہ ہے اس میں تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں - اگر کسی علاقہ کے لوگوں کو شوق ہو کہ وہ ریڈیو پر نشر ہونے والے خطبہ جمعہ یا نماز جمعہ کو سُنیں تو وہ سُن سکتے ہیں لیکن اپنا جمعہ وہ الگ پڑھیں گے - مثلاً پہلے پروگرام سُن لیں بعد میں جمعہ ادا کریں - یا پہلے اپنا جمعہ پڑھ لیں بعد میں نشر ہونے والا پروگرام سُن لیں - اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اپنے طور پر جمعہ مسنون طریق کے مطابق وہ بہر حال پڑھیں گے - خطبہ مختصر ہوسکتا ہے جو تشہد، درود شریف اور الحمد پر مشتمل ہو - نماز بھی الگ پڑھنی چاہیئے جو موجود امام پڑھائے - ریڈیو پر نشر ہونے والے اس قسم کے پروگرام سُننے میں انسان کی اپنی خواہش اور شوق کا دخل ہے اور اگر ازدیادِ علم و ایمان مقصد ہو تو اس کا ثواب بھی ملے گا - لیکن اس ثواب کو جمعہ کی عبادت کے ادا ہونے کے قائمقام نہیں کہہ سکتے -

سوال :۔ خطبہ جمعہ ہو رہا ہو تو چار رکعت پڑھی جائیں یا دو - نیز خطبہ اولیٰ میں پڑھنی چاہئیں یا خطبۂ ثانیہ میں ؟

جواب :۔ جو شخص خطبہ کے دوران آئے وہ صرف دو رکعت نماز ادا کرے اور وہ بھی ہلکی ہلکی۔ چار رکعت ادا کرنا درست نہیں۔

دونوں خطبے ایک سے ضروری ہیں۔ دونوں آرام اطمینان اور توجہ سے سننے چاہئیں۔ اگر کسی نے خطبہ کے دوران میں سنتیں ادا کرنی ہیں تو وہ کسی وقت ادا ہو سکتی ہیں۔ پہلے خطبہ میں بھی اور دوسرے میں بھی۔ تاہم بہتر یہ ہے کہ مسجد میں آتے ہی پہلا کام دو رکعت ادا کرنے کا ہے۔ اس سے بھی بہتر صورت یہ ہے کہ دو رکعت گھر پر ہی ادا کر کے آئے اور مسجد میں اطمینان سے بیٹھ کر خطبہ سنے۔ [1]

وہ حدیث جس کی بناء پر دورانِ خطبہ دو رکعت سنّت پڑھنے کی اجازت ہے یہ ہے :۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ وَالْإِمَامُ يَخْطُبُ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ وَلْيَتَجَوَّزْ فِيْهِمَا ۔ [2]

خطبہ کے دوران میں بولنا

"جب امام بلائے تو بولنا جائز ہے ورنہ خطبہ کے دوران میں بولنا سخت غلطی اور گناہ عظیم ہے۔ اگر دعا کرنی ہو تو آہستگی سے کرنی چاہیئے کہ دوسرے کو یہ دھوکا نہ لگے کہ کوئی بول رہا ہے۔ بعض جگہوں سے اطلاع آتی ہے کہ لوگ خطبہ کے دوران میں بول پڑتے ہیں یہ غلطی ہے اور گناہ ہے اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے۔" [3]

سوال :۔ کیا جمعہ کے روز جمعہ کے دوران پانی پینا یا پانی طلب کرنا وغیرہ جائز ہے؟

جواب :۔ تین باتیں اصولی ہیں :۔

اوّل :۔ یہ کہ خطبہ کے وقت مکمل سکوت اختیار کیا جائے۔ توجہ اور غور سے خطبہ سنا جائے یہ بات قریب قریب واجب ہے۔

دوسرے :۔ یہ کہ خطیب حتی الوسع سامعین کا خیال رکھے۔ انہیں اس واجب عبادت کی انجام دہی کے لئے زیادہ دیر نہ بٹھائے کہ وہ پریشان حال ہو جائیں۔ اور "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" کے مصداق بنیں۔

---

[1] :۔ الفضل ۲۴ر جنوری ۱۹۴۲ء و ۱۴ر اکتوبر ۱۹۲۶ء ۔ [2] :۔ مسلم کتاب الجمعہ باب التحیۃ والامام یخطب صفحہ ۳۳۹/۱ ۔
[3] :۔ الفضل مؤرخہ ۲۶/۲۹ر جون ۱۹۲۴ء ۔

تیسرے:۔ یہ کہ لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا[1] کی رعایت اللہ تعالیٰ نے عطا کی ہوئی ہے اور خطبہ چونکہ کلام اشارہ اور توجہ کے لحاظ سے بالکل ایسا نہیں جیسی نماز۔ اس لئے حسب ضرورت بامر مجبوری اس میں کوئی بات سمجھانے کے لئے انسان اشارہ کر سکتا ہے امام سے مخاطب ہو سکتا ہے یا امام اُسے مخاطب کر سکتا ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔ خطبہ ہو رہا تھا کہ ایک شخص آیا اور اُس نے زور زور سے کہنا شروع کیا "یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلَکَ الْمَالُ وَجَاعَ الْعِیَالُ فَادْعُ اللّٰہَ لَنَا فَرَفَعَ یَدَیْہِ وَمَا نَرٰی فِی السَّمَاءِ قَزَعَۃً فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مَا وَضَعَھَا حَتّٰی ثَارَ السَّحَابُ اَمْثَالَ الْجِبَالِ ثُمَّ لَمْ یَنْزِلْ مِنْ مِنْبَرِہٖ حَتّٰی رَأَیْتُ الْمَطَرَ یَتَحَادَرُ عَلٰی لِحْیَتِہٖ فَمُطِرْنَا یَوْمَنَا ذٰلِکَ وَمِنَ الْغَدِ وَمِنْ بَعْدِ الْغَدِ وَالَّذِیْ یَلِیْہِ حَتَّی الْجُمُعَۃِ الْاُخْرٰی فَقَامَ ذٰلِکَ الْاَعْرَابِیُّ اَوْ قَالَ غَیْرُہٗ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ تَھَدَّمَ الْبِنَاءُ وَغَرِقَ الْمَالُ فَادْعُ اللّٰہَ لَنَا فَرَفَعَ یَدَیْہِ فَقَالَ اَللّٰھُمَّ حَوَالَیْنَا وَلَا عَلَیْنَا فَمَا یُشِیْرُ بِیَدِہٖ اِلٰی نَاحِیَۃٍ مِنَ السَّحَابِ اِلَّا انْفَرَجَتْ وَصَارَتِ الْمَدِیْنَۃُ مِثْلَ الْجَوْبَۃِ........[2]

یعنی۔ اے اللہ کے رسولؐ مویشی ہلاک ہو گئے۔ فصلیں تباہ ہو گئیں بارانِ رحمت کے لئے دُعا کیجئے۔ حضورؐ نے خطبہ کی حالت میں ہی اُسی وقت دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے اور خُدا کے حضور بارانِ رحمت کے لئے دُعا کی۔ پس اس قسم کی احادیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ اگر زیادہ گڑبڑ کی صورت نہ ہو اور اشد مجبوری ہو تو انسان پانی پینے کے لئے جا سکتا ہے۔ پنکھا کرنے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔ تاہم مقامی انتظامیہ کو اس قسم کے انتظام کے لئے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرنا چاہیئے تاکہ افراد خود بخود بے لگامی میں ایسا اقدام نہ کریں۔

سوال:۔ اگر مقتدی کو جمعہ کی نماز میں صرف التحیات کا حصہ ملے تو کیا وہ بعد سلام امام نماز ظہر ادا کرے یا ۲ دو رکعت پڑھے؟

جواب:۔ خطبہ جمعہ کا سُننا اور جمعہ کی پوری نماز باجماعت ادا کرنا ہی اصل جمعہ ہے۔ جو شخص سُستی کرتا ہے اور آخری وقت میں جبکہ امام تشہد میں بیٹھا ہے آکر شامل ہوتا ہے وہ بہت بڑی بھلائی

---

[1] :۔ سورہ بقرہ: ۲۸۷ ؂ [2] :۔ بخاری باب الاستسقاء فی الجمعۃ صفحہ ۱۲۷ ؂

سے محروم ہے اور اس نے اپنے لئے خسرانِ مبین کے سوا کچھ حاصل نہیں کیا۔ تاہم چونکہ وہ امام کے ساتھ شامل ہو گیا ہے اس لئے امام کی نیت کے مطابق اُسے دو[۲] رکعت ہی پڑھنی چاہئیں۔ نہ کہ ظہر کی چار رکعت[۱]

جمعہ اور عید کا اجتماع

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا۔ جب جمعہ اور عید جمع ہو جائیں تو اجازت ہے کہ جو لوگ چاہیں جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز ادا کر لیں۔ مگر فرمایا ہم تو جمعہ ہی پڑھیں گے[۲]

کل بھی میرے پاس ایک مفتی صاحب کا فتویٰ آیا تھا کہ بعض دوست کہتے ہیں کہ اگر جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز ہو جائے تو قربانیوں میں ہم کو سہولت ہو جائے گی اور انہوں نے اس قسم کی حدیثیں لکھ کر ساتھ ہی بھجوا دی تھیں۔ مَیں نے ان کو یہی جواب دیا تھا کہ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ جمعہ اور عید جب جمع ہو جائیں تو جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھنے کی اجازت ہے مگر ہم تو وہی کریں گے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اگر کوئی جمعہ کی بجائے ظہر پڑھنا چاہے تو اسے اجازت ہے مگر ہم تو جمعہ ہی پڑھیں گے۔ مَیں بھی یہی کہتا ہوں کہ جو شخص چاہے آج جمعہ کی بجائے ظہر پڑھ لے مگر جو ظہر پڑھنا چاہتا ہے وہ مجھے کیوں مجبور کرتا ہے کہ مَیں بھی جمعہ نہ پڑھوں۔ مَیں تو وہی کروں گا جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ کہ جمعہ ہی پڑھیں گے۔

ہمارا رب کیسا سخی ہے کہ اس نے ہمیں دو دو عیدیں دیں۔ یعنی جمعہ بھی آیا اور عید الاضحیٰ بھی آئی۔ اور اس طرح دو عیدیں خدا تعالیٰ نے ہمارے لئے جمع کر دیں۔ اب جس کو دو دو چپڑی ہوئی چپاتیاں ملیں وہ ایک کو ردّ کیوں کرے گا۔ وہ تو دونوں لے گا۔ سوائے اس کے کہ اسے کوئی خاص مجبوری پیش آجائے اور اسی لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ اگر کوئی مجبور ہو کر ظہر کی نماز پڑھ لے جمعہ نہ پڑھے تو دوسرے کو نہیں چاہیئے کہ اس پر طعن کرے اور اگر بعض لوگ ایسے ہوں جنہیں دونوں نمازیں ادا کرنے کی توفیق ہو تو دوسرے کو نہیں چاہیئے کہ ان پر اعتراض کرے اور کہے کہ انہوں نے رخصت سے فائدہ نہ اٹھایا۔"[۳]

---

[۱]: الحنفیة قالوا من ادرک الامام فی ای جزء من صلاته فقد ادرک الجمعة ولو فی تشہد سجود السہو۔ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ صفحہ ۳۰۲ جلد ۱
[۲]: "قال اجتمع عیدان فی یومکم هذا فمن شاء اجزاه من الجمعة وانا مجتمعون ان شاء الله" ابن ماجہ باب اذا اجتمع العیدان فی یوم۔ صفحہ ۹۳
[۳]: الفضل ۱۵ ؍ مارچ ۱۹۳۸ء، ۱۵ ؍ فروری ۱۹۳۹ء

۲ ۔ اگر عید اور جمعہ اکٹھے ہو جائیں تو یہ جائز ہے کہ جمعہ کی بجائے ظہر کی نماز پڑھ لی جائے اور یہ بھی جائز ہے کہ عید اور جمعہ دونوں پڑھ لئے جائیں ۔ کیونکہ ہماری شریعت نے ہر امر میں سہولت کو مدِّنظر رکھا ہے ۔ چونکہ عام نمازیں اپنے اپنے محلوں میں ہوتی ہیں لیکن جمعہ کی نماز میں سارے شہر کے لوگ اکٹھے ہوتے ہیں ۔ اسی طرح عید کی نماز میں بھی سب لوگ اکٹھے ہوتے ہیں ۔ اور ایک دن میں دو ایسے اجتماع جن میں دُور دُور سے لوگ آکر شامل ہوں مشکلات پیدا کر سکتے ہیں ۔ اس لئے شریعت نے اجازت دی ہے کہ اگر لوگ برداشت نہ کر سکیں تو جمعہ کی بجائے ظہر پڑھ لیں ۔ بہرحال اصل غرض شریعت کی یہ ہے کہ مسلمان اپنی زندگی میں زیادہ سے زیادہ عرصہ کیلئے اکٹھے بیٹھ سکیں کیونکہ اسلام صرف دل کی صفائی کے لئے نہیں آیا ۔ اسلام قومی ترقی اور معاشرت کے ارتقاء کے لئے بھی آیا ہے اور قوم اور معاشرت کا پتہ بغیر اجتماع میں شامل ہونے کے نہیں لگ سکتا “۔ [1]

۳ ۔ ایسا بھی جائز ہے کہ اگر جمعہ اور عید ایک روز جمع ہو جائیں تو عید کی نماز کے بعد نہ جمعہ پڑھا جائے اور نہ ظہر بلکہ عصر کے وقت میں عصر کی نماز پڑھی جائے ۔ چنانچہ عطاء بن ابی رباح کہتے ہیں کہ ایک بار جمعہ اور عید الفطر دونوں ایک دن میں اکٹھے ہو گئے ۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے فرمایا ۔ ایک دن میں دو عیدیں جمع ہو گئی ہیں ان کو اکٹھا کر کے پڑھا جائے گا ۔ چنانچہ آپ نے دونوں کے لئے دو رکعتیں دوپہر سے پہلے پڑھیں ۔ اس کے بعد عصر تک کوئی نماز نہ پڑھی ۔ یعنی اُس دن صرف نماز عصر ادا کی ۔ [2]

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار اس روایت کے مطابق عمل کیا اور عید کی نماز کے بعد عصر کی نماز ادا فرمائی ۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔

قال عطاء اجتمع یوم جمعۃ ویوم فطر علی عھد ابن الزبیر فقال عیدان اجتمعا فی یوم واحد فجمعھما جمیعا فصلاھما رکعتین بکرۃ لم یزد علیھما حتی صلی العصر ۔

جمعہ کے بعد احتیاطی نماز

سوال :۔ بعض لوگ جمعہ کے بعد احتیاطی پڑھتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ قرآن شریف کے حکم سے جمعہ کی نماز سب مسلمانوں پر فرض ہے جب جمعہ کی نماز پڑھ لی تو حکم ہے کہ

---

[1] :۔ المصلح ۲۰ راکتوبر [illegible] ؛ [2] :۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا وافق یوم الجمعۃ ویوم العید صـ۱۵۳ ؛

جاؤ اب اپنے کاروبار کرو۔ بعض لوگ خیال کرتے ہیں کہ انگریزوں کی سلطنت میں جمعہ کی نماز اور خطبہ نہیں ہو سکتا کیونکہ بادشاہ مسلمان نہیں ہے۔ تعجب ہے کہ خود بڑے امن کے ساتھ خطبہ اور نماز جمعہ پڑھتے بھی ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ نہیں ہو سکتا۔ پھر کہتے ہیں کہ احتمال ہے کہ جمعہ ہؤا یا نہیں۔ اس واسطے ظہر کی نماز بھی پڑھتے ہیں اور اس کا نام احتیاطی رکھا ہے ایسے لوگ ایک شک میں گرفتار ہیں ان کا جمعہ بھی شک میں گیا اور ظہر بھی شک میں گئی نہ یہ حاصل ہؤا نہ وہ۔ اصل بات یہ ہے کہ نماز جمعہ پڑھو اور احتیاطی کی کوئی ضرورت نہیں[1]

نمازِ عیدین

ماہ رمضان گزرنے پر یکم شوال کو افطار کرنے اور روزوں کی برکات حاصل کرنے کی توفیق پانے کی خوشی میں عید الفطر اور دسویں ذوالحجہ کو حج کی برکات میسّر آنے کی خوشی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی کی یاد میں عید الاضحیہ منائی جاتی ہے۔ نماز عید کا اجتماع ایک رنگ میں مسلمانوں کی ثقافت اور دینی عظمت کا مظہر ہوتا ہے اس لئے اس میں مرد۔ عورت۔ بچے سبھی شامل ہوتے ہیں[2]

عید کے دن نہا[3] کر عمدہ لباس پہنا جائے خوشبو لگائی جائے۔ اچھا کھانا تیار کیا جائے۔ عید الفطر ہو تو عید کی نماز کے لئے جانے سے پیشتر مساکین اور غرباء کے لئے فطرانہ ادا کیا جائے خود بھی کچھ کھا پی کر عید کی نماز کے لئے جائے لیکن اگر قربانیوں کی عید ہو تو نماز سے فارغ ہونے کے بعد واپس آکر کھانا زیادہ بہتر ہے[4]۔ اسی طرح عید کی نماز کے لئے آنے اور جانے کا راستہ مختلف ہو تو یہ مستحب ہے اور زیادہ ثواب کا موجب ہے[5]

دونوں عیدوں پر عید کی دو رکعت نماز کسی کھلے میدان یا عید گاہ میں زوال سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ حسب ضرورت عید کی نماز جامع مسجد میں بھی ادا کی جا سکتی ہے۔

عید کی نماز باجماعت ہی پڑھی جا سکتی ہے۔ اکیلے جائز نہیں۔ نماز عید کی پہلی رکعت میں ثناء

---

[1]:۔ الحکم ۱۰ اگست ۱۹۰۱ء۔ فتاویٰ مسیح موعود ص۱۲۱ ؛ [2]:۔ ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب خروج النساء فی العیدین ص۷۱ ؛

[3]:۔ ابن ماجہ باب ما جاء الاغتسال فی العیدین ص۹۳ ؛

[4]:۔ ترمذی باب فی الاکل یوم الفطر قبل الخروج ابواب العیدین ص۷۱ ؛

[5]:۔ ترمذی ابواب العیدین باب فی خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی العید فی طریق الخ ص۷۱ ؛

کے بعد اور تعوذ سے پہلے امام سات تکبیریں بلند آواز سے کہے اور مقتدی آہستہ آواز سے یہ تکبیرات کہیں ۔ امام اور مقتدی دونوں تکبیرات کہتے ہوئے ہاتھ کانوں تک اٹھائیں اور کھلے چھوڑ دیں[۱] تکبیرات کے بعد امام اَعُوذ اور بسم اللہ پڑھے ۔ اس کے بعد سورۃ فاتحہ اور قرآن کریم کا کوئی حصہ بالجہر پڑھ کر پہلی رکعت مکمل کرے ۔ پھر دوسری رکعت کے لئے اٹھتے ہی پانچ تکبیریں پہلی تکبیرات کی طرح کہے اور پھر یہ رکعت مکمل ہونے پر تشہد ۔ درود شریف اور مسنون دعاؤں کے بعد سلام پھیرے ۔ اس کے بعد امام خطبہ پڑھے ۔ جمعہ کی طرح عید کے بھی ۲ دو خطبے[۲] ہوتے ہیں ۔ اگر عید کی نماز پہلے دن زوال سے پہلے نہ پڑھی جا سکے تو عید الفطر دوسرے دن اور عید الاضحیہ تیسرے دن تک زوال سے پہلے پڑھی جا سکتی ہے[۳]

دونوں عیدوں کی نماز ایک جیسی ہے فرق صرف یہ ہے کہ بڑی عید کی نماز ختم ہونے کے بعد امام اور مقتدی کم از کم تین بار بلند آواز سے تکبیرات کہیں ۔ اسی طرح نویں ذوالحجہ کی فجر سے تیرہویں[۴] کی عصر تک باجماعت فرض نماز کے بعد باآواز بلند یہی تکبیرات کہی جائیں ۔ یہ تکبیرات مندرجہ ذیل ہیں :-

اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۔ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ ۔

یعنی اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اس کے سوا اور کوئی معبود نہیں ۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اللہ سب سے بڑا ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے ہی سب تعریفیں ہیں ۔

---

[۱] :- روایت ہے کہ :- "اَن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یکبر فی العیدین فی الاولیٰ سبعًا قبل القراءۃ وفی الاٰخرۃ خمسًا قبل القراءۃ ۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیدین کی پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہا کرتے تھے ۔ (ترمذی صـ ؎ ، ابن ماجہ باب کم یکبر الامام فی صلوٰۃ العیدین صـ۹۱) ۔

[۲] :- ابن ماجہ باب ماجاء فی الخطبۃ فی العیدین صـ۹۱ ۔

[۳] :- ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا لم یخرج الامام للعید من یومہ ۔ الخ صـ۱۶۴

[۴] :- الف ۔ عن علی أنہ کان یکبر بعد صلوٰۃ الفجر یوم عرفۃ الی صلوٰۃ العصر من آخر ایام التشریق ویکبر بعد العصر ۔ رواہ ابن ابی شیبۃ فی مصنفہ ۔ واخرجہ الحاکم فی المستدرک صـ۲۹۹ ، نصب الرایہ صـ۲۲۳ ج۲

ب ۔ ایام التشریق ۔ ھی الحادی عشر والثانی عشر والثالث عشر من ذی الحجۃ حاشیہ شرح وقایہ صـ۲۴۵ ج۱

نوٹ :۔ عیدالاضحیہ کی نماز کے لئے آتے ہوئے اور واپس جاتے ہوئے بھی یہ تکبیرات بلند آواز سے کہنا مسنون ہے[1]

نماز عید

سوال :۔ کیا عید کی نماز ضروری ہے؟

جواب :۔ عید کی نماز سنّت مؤکدہ ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ عید کے لئے عام لوگوں کے علاوہ عورتیں اور بچے بھی آئیں۔ البتہ حائضہ عورتیں نماز میں شامل نہ ہوں وہ الگ بیٹھ کر تکبیر و تحمید میں مشغول رہیں۔

عید کی نماز باجماعت ہی ہو سکتی ہے یہ اکیلے جائز نہیں۔ تکبیر تحریمہ کے بعد ثناء پڑھ کر پہلی رکعت میں سات تکبیریں کہی جائیں۔ امام بلند آواز سے یہ تکبیریں کہے اور مقتدی آہستہ آہستہ ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ کانوں تک بلند کر کے سیدھے چھوڑ دیئے جائیں باندھے نہ جائیں۔ جب امام قرأت شروع کرلے تو پھر ہاتھ باندھ لئے جائیں۔ دوسری رکعت میں قرأت سے پہلے اسی طرح پانچ تکبیریں کہی جائیں۔ اگر امام یہ تکبیریں نہ کہے اور بھول جائے تو اس غلطی کے تدارک کے لئے سجدہ سہو کرنا ضروری ہوگا۔ عید کی نماز کا وقت صبح اندازاً نیزہ برابر سورج نکل آنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور دوپہر یعنی زوال سے قبل تک رہتا ہے۔ تاہم جلد نماز پڑھنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔

سوال :۔ تکبیرات عیدین کتنی ہیں۔ جماعتی مسلک کیا ہے؟

جواب :۔ جماعتِ احمدیہ کا مسلک جو تواتر عملی کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی ہے کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہی جاویں۔ ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ کانوں تک اُٹھائے جائیں اور پھر کھلے چھوڑ دیئے جائیں۔ ساتویں یا پانچویں تکبیر کے بعد سینہ پر ہاتھ باندھے جائیں اس کے بعد تعوّذ اور بسم اللہ کے ساتھ قرأۃ شروع کی جائے۔

اس بارہ میں صحابہ کرامؓ کا عمل اور ان کے اقوال سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ اور عبداللہ بن عمرؓ کا طریق عمل یہ تھا کہ پہلی رکعت میں سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہا کرتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پہلی رکعت میں تین تکبیریں قرأۃ سے پہلے اور دوسری رکعت میں

---

[1] :۔ عن ابن عمر انہ کان اذا غدا الیوم الفطر و یوم الاضحی یجھر بالتکبیر حتّی یأتی المصلی (دار قطنی صفحہ ۱۸۰، بیہقی صفحہ ۲۷۹)

تین تکبیریں قرأۃ کے بعد اور رکوع سے پہلے کہتے تھے۔

اس سلسلہ میں یہ امر مدّنظر رکھنا چاہیئے کہ صحابہ کرامؓ کے اس قسم کے عمل کے متعلق اصول یہ ہے کہ صحابہؓ کے یہ اعمال ان کی ذاتی رائے کی بناء پر نہیں بلکہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی عمل یا حضور کے کسی ارشاد سے یہ امر اخذ کیا ہے۔ بہرحال جماعت احمدیہ کا مسلک حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کے مطابق ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر کسی احمدی نے دوسری رکعت میں سہواً یا کسی اور وجہ سے قرأۃ کے بعد تکبیریں کہی ہیں تو یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ اس کا عمل اسلامی روایات کے خلاف اور ناجائز ہے۔ البتہ اس طریق کو دستور العمل نہیں بنانا چاہیئے کیونکہ ایسا کرنا عبادات میں جماعت کی عملی یکجہتی کے خلاف ہے۔

سوال:۔ نمازِ عید کی تکبیروں کا ثبوت کیا ہے؟

جواب:۔ کسی مسئلہ کا ثبوت دو۲ طرح سے ہوتا ہے یا تو قرآن کریم میں اس کا ذکر ہو یا حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی وضاحت کی گئی ہو۔ چنانچہ عیدین کی تکبیرات کی تعداد کا ثبوت قرآن کریم سے اجمالاً اور حدیث رسولؐ سے تفصیلاً ہمیں ملتا ہے۔ ترمذی و ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہلی رکعت میں سات اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں قرأت سے پہلے کہا کرتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَبَّرَ فِي الْعِيدَيْنِ فِي الْأَوَّلِ سَبْعًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ وَفِي الْآخِرَةِ خَمْسًا قَبْلَ الْقِرَاءَةِ۔ [1]

سوال:۔ عید کی نماز کے بعد امام ایک خطبہ پڑھے یا جمعہ کی طرح دو۲ خطبے۔ خطبہ کے بعد دعا کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب:۔ عیدین میں بھی اسی طرح دو۲ خطبے پڑھنے چاہئیں جس طرح جمعہ میں دو۲ خطبے ہوتے ہیں۔ حدیث سے ایسا ہی ثابت[2] ہے۔

ایک اور حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

---

[1]:۔ ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب التکبیر فی العیدین ص۹۰ جلد اوّل، ابنِ ماجہ باب ماجاء فی کم یکبر الامام فی صلوٰۃ العیدین ص۹۱؛ [2]:۔ عن جابر قال خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم فطر او اضحی فخطب قائما ثم قعد قعدۃ ثم قام۔ (ابن ماجہ باب فی الخطبۃ فی العیدین ص۹۱)؛

عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ اَلسُّنَّةُ اَنْ يَخْطُبَ الْاِمَامُ فِي الْعِيْدَيْنِ خُطْبَتَيْنِ يَفْصِلُ بَيْنَهُمَا بِجُلُوْسٍ۔ رواہ الشافعی۔[1]

دوسرے خطبہ کے بعد ہاتھ اُٹھا کر دُعا کرنا ضروری نہیں یعنی یہ جزوِ خطبہ نہیں تاہم اگر کوئی اس طرح ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگے تو یہ جائز ہے اور مرکز میں اس کے مطابق عمل ہے۔ لیکن اس کا التزام حدیث اور سنّت سے ثابت نہیں اس لئے دوسرے خطبہ کے بعد اگر کسی جگہ ہاتھ اُٹھا کر دُعا نہ مانگی جائے تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔

قربانی کے مسائل

قربانی صاحبِ استطاعت کے لئے سنتِ مؤکدہ[2] اور واجب ہے اور اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ قربانی دینے والا اشارہ کی زبان میں اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جس طرح یہ جانور جو مجھ سے ادنیٰ ہے میرے لئے قربان ہو رہا ہے۔ اسی طرح اگر مجھ سے اعلیٰ چیزوں کے لئے میری جان کی قربانی کی ضرورت پڑے گی تو میں اُسے بخوشی قربان کر دوں گا۔ غرض قربانی ایک تصویری زبان ہے۔ جس کا مفہوم یہ ہے کہ جانور ذبح کرنے والا اپنے نفس کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار ہے۔

قربانی کے لئے اُونٹ، گائے، بکری، بھیڑ، دنبہ۔ ان میں سے کوئی سا جانور ذبح کیا جا سکتا ہے اُونٹ اور گائے سات آدمیوں کی طرف سے اور بھیڑ بکری وغیرہ ایک آدمی کی طرف سے کافی ہے اور انسان قربانی کی نیّت میں اپنے کنبہ کو بھی شامل کر سکتا ہے[3]

اونٹ تین سال۔ گائے دو سال اور بھیڑ بکری وغیرہ ایک سال کی کم از کم ہونی چاہیئے۔ دُنبہ اگر موٹا تازہ ہو تو چھ ماہ کا بھی جائز ہے۔ قربانی کا جانور کمزور اور عیب دار نہیں ہونا چاہیئے۔ لنگڑا۔ کان کٹا۔ سینگ ٹوٹا اور کانا جانور جائز نہیں۔ اسی طرح بیمار اور لاغر کی قربانی بھی درست نہیں[4]

---

[1]: نیل الاوطار باب خطبۃ العید واحکامھا ص۳۰۵؎

[2]: عن ابن سیرین قال سألت ابن عمر عن الضحایا أواجبۃ ھی قال ضحی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم والمسلمون من بعدہ وجرت بہ السنۃ (ابن ماجہ ص۲۲۶) ؛ [3]: ترمذی ابواب الاضاحی باب فی الاشتراک فی الاضحیہ ص۱۸۱، ابن ماجہ ص۲۲۶ باب من ضحی بشاۃ عن اھلہ ؛ [4]: جامع ترمذی باب مالا یجوز من الاضاحی ص۲۷۵؎

قربانی کا وقت دس[1] ذی الحجہ کو عید کی نماز کے بعد سے لے کر بارہ[12] ذی الحجہ کو سورج کے غروب ہونے سے پہلے تک رہتا ہے ۔ قربانی کا گوشت صدقہ نہیں ۔ انسان خود بھی کھا سکتا ہے اور دوستوں کو بھی کھلا سکتا ہے ۔ غریبوں کو بھی اس میں سے کھلانا چاہیئے۔ بہتر ہے کہ تین حصے کرے ۔ ایک حصہ خود رکھے ۔ ایک رشتہ داروں میں تقسیم کرے اور ایک حصہ غریبوں میں تقسیم کرے ۔

عقیقہ

بچہ کی پیدائش پر ساتویں روز سر کے بال اتروانا اور ان بالوں کے برابر چاندی یا سونا بطور صدقہ دینا نام رکھنا اور عقیقہ کرنا مسنون[2] ہے ۔ حدیث میں اس کی فضیلت بیان ہوئی ہے ۔ عقیقہ سے مراد جانور کا ذبح کرنا ہے ۔" لڑکے کی صورت میں دو بکرے یا دُنبے اور لڑکی کی صورت میں ایک بکرا یا دُنبہ[3] وغیرہ ذبح کرنا چاہیئے ۔ جانور اچھی عمر کا موٹا تازہ ہو گو اس کے لئے عمر کی وہ شرط لازمی نہیں جو قربانی کے جانور کیلئے ہے ۔

عقیقہ کا گوشت انسان خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسرے دوست احباب اور رشتہ داروں کو بھی دے سکتا ہے ۔ پکا کر دعوت بھی کر سکتا ہے ۔ غریبوں کو بھی اس میں سے حصہ دینا چاہیئے ۔ اگر بامر مجبوری دو جانور ذبح نہ کر سکے تو ایک پر بھی کفایت کر سکتا ہے ۔

نمازیں جمع کرنا

بیماری ۔ سفر ۔ بارش ۔ طوفان باد و باراں ۔ سخت کیچڑ ۔ سخت اندھیرے میں جبکہ مسجد میں بار بار آنے جانے کی دقّت کا سامنا ہو ۔ اسی طرح کسی اہم دینی اجتماعی کام کی صورت میں ظہر و عصر ۔ مغرب اور عشاء کی نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے ۔ جماعت سے بھی اور اکیلے بھی ۔ جمع تقدیم یعنی ظہر کے وقت میں ظہر اور عصر اور جمع تاخیر یعنی عصر کے وقت میں ظہر اور عصر دونوں صورتیں جائز ہیں ۔ اسی طرح مغرب کے وقت میں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھنا جمع تقدیم ہے اور عشاء کے وقت میں مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھنا جمع تاخیر ہے[4] نمازیں جمع کرنی ہوں تو ایک آذان کافی ہے البتہ اقامت ہر ایک نماز کے لئے الگ الگ ہوگی ۔

---

[1] :۔ ترمذی باب کراہیۃ اکل الاضحیۃ فوق ثلثۃ ایام ص۱۸۲ ؛ [2] :۔ ابن ماجہ باب العقیقہ ص۲۲۸ ؛

[3] :۔ ابن ماجہ باب العقیقہ ص۲۲۸ ؛

[4] :۔ ترمذی باب فی التطوع فی السفر ص۷۲ ؛

باجماعت نمازیں جمع کرنے کی صورت میں اگر امام پہلی نماز پڑھانے کے بعد دوسری نماز پڑھا رہا ہو تو جو شخص بعد میں مسجد میں آئے اگر اسے معلوم ہو جائے کہ امام کونسی نماز پڑھا رہا ہے تو پھر وہ پہلے اس نماز کو ادا کرے جو امام پڑھا چکا ہے۔ اس کے بعد امام کے ساتھ شامل ہو لیکن اگر اسے معلوم نہیں ہو سکا کہ کونسی نماز ہو رہی ہے اور وہ یہ سمجھ کر شامل ہو جاتا ہے کہ امام کی یہ پہلی نماز ہے تو امام کی نیت کے مطابق اس کی نماز ہو جائے گی اور پھر بعد میں وہ پہلی نماز پڑھ لے۔ بہر حال علم ہو جانے کی صورت میں نمازوں کی ترتیب کو قائم رکھنا ضروری ہے خواہ جماعت ملے یا نہ ملے۔ ؎۱

سوال:۔ اگر کسی شخص کی نماز ظہر یا عصر رہ گئی ہو اور امام مغرب کی نماز پڑھا رہا ہو تو اس کو کونسی نماز پڑھنی چاہیئے۔ جماعتی مسلک کیا ہے۔

جواب:۔ صورت مذکور کے مطابق بعد میں آنے والے کو اگر یاد ہے کہ اس کی ظہر یا عصر کی نماز رہ گئی ہے یا نماز جمع کی صورت میں اُسے علم ہے کہ امام فلاں نماز پڑھا رہا ہے تو اُسے چاہیئے کہ پہلے وہ نماز پڑھے جو اس کی رہ گئی ہے کیونکہ اصولاً نمازوں میں ترتیب کو قائم رکھنا ضروری ہے۔ خواہ اس صورت میں وہ نماز باجماعت میں شامل نہ ہو سکے۔ البتہ اگر اُسے یاد نہیں کہ اس کی ظہر یا عصر کی نماز رہ گئی ہے یا علم نہیں کہ کونسی نماز ہو رہی ہے اور وہ شامل ہو جاتا ہے تو جو نماز امام کی ہے وہی اس کی ہو جائے گی اور رہی ہوئی نماز وہ بعد میں پڑھ لے کیونکہ بھول اور سہو معاف ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"میں نے خود حضرت مسیح موعود علیہ السّلام سے سُنا ہے کہ اگر امام عصر کی نماز پڑھ رہا ہو اور ایک شخص مسجد میں آئے جس نے ابھی ظہر کی نماز پڑھنی ہو۔ یا عشاء کی نماز ہو رہی ہو اور ایک شخص مسجد میں آجائے جس نے ابھی مغرب کی نماز پڑھنی ہو اُسے چاہیئے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو یا مغرب کی نماز پہلے علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ جمع بین الصلوٰتین کی صورت میں بھی اگر کوئی شخص بعد میں مسجد میں آتا ہے جبکہ نماز ہو رہی ہو تو اس کے متعلق بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی فتویٰ ہے کہ اگر اُسے پتہ لگ جاتا ہے کہ امام عصر کی نماز پڑھ رہا ہے تو اُسے چاہیئے کہ وہ پہلے ظہر کی نماز علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ اسی طرح اگر اُسے پتہ لگ جاتا ہے کہ امام عشاء کی نماز پڑھ رہا ہے تو وہ پہلے مغرب کی نماز علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ لیکن اگر اُسے معلوم نہ

؎۱:۔ الفضل ۱۰ رجون ۱۹۳۲ء ، الفضل ۸ ستمبر ۱۹۴۲ء

ہو سکے کہ کونسی نماز پڑھی جا رہی ہے اور وہ جماعت کے ساتھ شامل ہو جائے۔ ایسی صورت میں جو امام کی نماز ہوگی وہی نماز اس کی ہو جائے گی بعد میں وہ اپنی پہلی نماز پڑھ لے۔ مثلاً اگر عشاء کی نماز ہو رہی ہو اور ایک ایسا شخص مسجد میں آجاتا ہے جس نے ابھی مغرب کی نماز پڑھنی ہے تو اگر اُسے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ عشاء کی نماز ہے تو وہ مغرب کی نماز پہلے علیحدہ پڑھے اور پھر امام کے ساتھ شامل ہو۔ لیکن اگر اُسے معلوم نہ ہو سکے کہ یہ کونسی نماز ہو رہی ہے تو وہ امام کے ساتھ شامل ہو جائے اس صورت میں اس کی عشاء کی نماز ہو جائے گی۔ مغرب کی نماز وہ بعد میں پڑھ لے۔ یہی صورت عصر کے متعلق ہے۔" [۱]

نمازوں کا جمع کرنا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۳ر دسمبر ۱۹۰۱ء میں تقریر کرتے ہُوئے فرمایا:۔

" دیکھو ہم بھی رخصتوں پر عمل کرتے ہیں نمازوں کو جمع کرتے ہُوئے کوئی دو ماہ سے زیادہ ہو گئے ہیں بسبب بیماری کے اور تفسیر سورۃ فاتحہ کے لکھنے میں بہت مصروفیت کے سبب ایسا ہو رہا ہے اور ان نمازوں کے جمع کرنے میں تُجْمَعُ لَہُ الصَّلٰوۃُ [۲] کی حدیث بھی پوری ہو رہی ہے کہ مسیح موعود کی خاطر نمازیں جمع کی جائیں گی۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسیح موعود نماز کے وقت پیش امام نہ ہوگا بلکہ کوئی اور ہوگا اور وہ پیش امام مسیح کی خاطر نمازیں جمع کرائے گا۔" [۳]

سوال :۔ کن حالات میں نماز جمع ہو سکتی ہے ؟

جواب :۔ سخت خطرہ ہو۔ سفر ہو۔ بارش ہو۔ بیماری ہو۔ سخت سردی ہو۔ کیچڑ اور سخت اندھیرا ہو کوئی اہم دینی اجتماع ہو یا اسی قسم کی کوئی اور اہم دینی مصروفیت ہو۔ جس کی وجہ سے نمازیوں کو دوبارہ جمع ہونے میں خاص تکلیف کا سامنا کرنا پڑتا ہو۔

یہ فیصلہ کرنا کہ آیا ان حالات میں سے کوئی حالت ایسی ہے کہ نمازیں جمع کر لی جائیں دراصل امام اور مقتدیوں کی رائے پر منحصر ہے۔ اگر مقتدیوں کی اکثریت صورت حال کے اس اقتضاء کو مانتی ہو تو امام کو ان کی رائے کا احترام کرنا چاہیئے۔ اسی طرح اگر امام کی رائے ہو اور وہ نماز شروع کر دے تو مقتدیوں کو اس کی اقتداء کرنی چاہیئے۔

---

[۱]:۔ الفضل ۲۷ر جون ۱۹۴۸ء ؛ [۲]:۔ مسند احمد ج۲ ص۲۹۰ ؛ [۳]:۔ فتاویٰ مسیح موعود ص۴۶ ؛

بہر حال جب نمازیں جمع کرنے کا فیصلہ ہو جائے تو پھر سب مقتدیوں کو اس کی پابندی کرنی چاہیئے۔ کسی فردِ واحد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ عملی اختلاف کرے اور ساتھ نماز نہ پڑھے ہاں نرمی اور دلیل کے ساتھ اپنی رائے کا اظہار کر سکتا ہے کہ اس کے نزدیک یہ فیصلہ درست نہیں۔ بہر حال یہ فیصلہ کرنا کہ آیا حالت ایسی ہے کہ نماز جمع کی جائے یا نہ کی جائے اس کا تعلق دراصل انہی لوگوں سے ہے جن کو اس صورت حال سے واسطہ پڑا ہے۔ ان کی رائے ہی فیصلہ کُن ہوگی۔

سوال:۔ نماز کے وقت سخت گھرے بادل ہوں اور بارش ہونے کا کافی امکان ہو تو کیا ظہر اور عصر یا مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کی جا سکتی ہیں؟

جواب:۔ جمع نماز کی اصل بُنیاد حرج سے بچنا ہے۔ اگر امام الصلوٰۃ اور اس کے ساتھ نمازیوں کی اکثریت کی یہی رائے ہو کہ آسمان کی حالت کے پیشِ نظر نمازیں جمع کر لینی چاہئیں تو ایسا کرنا جائز ہے غرض اس بارہ میں مناسب فیصلہ موجود لوگوں کی اکثریت بشمول امام کر سکتی ہے۔ اور جب یہ فیصلہ ہو جائے تو پھر کسی فردِ واحد کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ نمازمیں تخلف کرے۔ خواہ اس کی رائے میں یہ فیصلہ غلط ہی کیوں نہ ہو۔

سوال:۔ کیا سردی کی وجہ سے نماز جمع ہو سکتی ہے جبکہ کوئی بارش نہ ہو رہی ہو اور نہ ہی بارش کے آثار ہوں؟

جواب:۔ حدیث میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں بارش اور مرض کے بغیر نمازیں جمع کرائیں[1]۔ حضرت ابن عباسؓ جو اس حدیث کے راوی ہیں اُن سے پوچھا گیا کہ آخر اس کی وجہ کیا تھی تو آپ نے جواب دیا۔ مقصد یہ تھا کہ لوگ حرج سے بچ جائیں اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ بارش اور مرض کے علاوہ بھی بعض اور مشکلات یا دینی مصروفیات نماز جمع کرنے کا موجب بن سکتی ہیں اسی پر ہم شدید سردی کو بھی قیاس کر سکتے ہیں لیکن کوشش یہ ہونی چاہیئے کہ اس بہانے سے لوگوں میں نماز جمع کرنے کی عام عادت جڑ نہ پکڑ سکے اور ضرورت کو ضرورت اور مجبوری پر ہی محمول سمجھا جائے۔

سوال:۔ جلسہ سالانہ پر نمازیں جمع کیوں کی جاتی ہیں؟

جواب:۔ حدیث شریف میں اس قسم کے مواقع پر نماز جمع کرنے کی اجازت موجود ہے۔ حج کے موقع پر اور سفر کے دَوران نماز جمع کرنے کی اجازت متعدد حدیثوں سے ثابت ہے بلکہ بعض اوقات خود مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں جمع کر کے پڑھائیں۔ چنانچہ مندرجہ ذیل روایت قابلِ غور ہے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِالْمَدِیْنَۃِ سَبْعًا وَّ ثَمَانِیًا اَلظُّھْرَ وَ الْعَصْرَ وَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ ۔۲۔ جَمَعَ بَیْنَ الظُّھْرِ وَالْعَصْرِ وَبَیْنَ الْمَغْرِبِ وَ الْعِشَاءِ بِالْمَدِیْنَۃِ مِنْ غَیْرِ خَوْفٍ

---

[1] مسلم باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر ص ۲۴۷

وَلَا مطرٍ ۔ قِيْلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا اَرَادَ بِذٰلِكَ قَالَ اَرَادَ اَنْ لَّا يُحْرِجَ اُمَّتَهٗ ۔ [1]

سوال :۔ ایک شخص کی ڈیوٹی اردگرد کے مقامات پر دَورہ کرنے کی لگی ہُوئی ہے جو کہ ستّر میل سے زیادہ ہے اس طرح سے اکثر نمازیں بھی جمع کرنی پڑتی ہیں۔ نیز باہر رہتے ہُوئے وہ جمعہ بھی نہیں پڑھ سکتا۔ اگر نماز جمعہ ادا کرنے کی غرض سے ڈیوٹی سے غیر حاضر ہو جائے تو کیا اس میں شرعاً کوئی حرج تو نہیں۔ نیز اگر سائیکل پر ہی نماز ادا کرلی جائے تو اس میں شرعاً کوئی حرج ہے ؟

جواب :۔ نماز اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی گئی ہے اور اسے وقت پر پڑھنا چاہیئے۔ اگر کوئی مجبُوری ہے مثلاً بیمار ہے یا مسافر ہے یا ایسی ڈیوٹی پر ہے کہ افسر نماز کے اوقات میں چھٹی نہیں دیتا تو پھر نمازیں جمع بھی کی جا سکتی ہیں ۔

نیز ایسے حالات میں تاخیر سے بھی نمازیں پڑھی جا سکتی ہیں۔ جمعہ مسافر پر فرض نہیں البتہ اگر اسے موقع مل جائے اور اس کے سفر یا کام میں حرج نہ ہوتا ہو تو جمعہ پڑھے اس میں بہرحال برکت ہے ۔

سائیکل پر بغیر اشد مجبوری کے (مثلاً جان کا خطرہ ہو یا غیر معمولی جلدی ہو اور وقت جا رہا ہو) نماز پڑھنا جائز نہیں ۔ اصل چیز اللہ تعالیٰ کا خوف اور تقویٰ ہے اس کے ماتحت انسان اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرے اور اپنے دنیوی فرائض کو بھی ادا کرے ۔ ملازمت کے فرائض کو ادا کرنا بھی اسلام کے احکام میں شامل ہے ۔

سوال :۔ نمازیں جمع کرنے کی صورت میں سنتیں پڑھنی چاہئیں یا نہیں ؟

جواب :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے عمل سے ہم نے جو کچھ تواتر سے دیکھا اور پوچھنے والوں کے جواب میں آپ نے ہمیشہ جو کچھ فرمایا ہے وہ یہی ہے کہ نمازیں جمع کرنے کی صورت میں فرضوں سے پہلی سنتیں بھی اور بعد کی سنتیں بھی معاف ہو جاتی ہیں ۔

سوال :۔ اگر نماز جمعہ کے ساتھ عصر کی نماز جمع کی جائے تو کیا پھر بھی سنّتیں معاف ہیں ؟

جواب :۔ نماز جمعہ سے قبل جو سنّتیں پڑھی جاتی ہیں وہ دراصل جمعہ کے نفل ہیں اور جمعہ کے ساتھ مخصوص ہیں ۔ اس لئے نماز جمعہ سے قبل سنتیں بہرحال پڑھنی چاہئیں [2]

(ب) مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرنے کی صورت میں صرف وتر پڑھنے چاہئیں باقی سنتیں معاف ہیں ۔ ہاں اگر کوئی پڑھ لے تو گناہ بھی نہیں کیونکہ یہ نفل ہی تو ہیں لیکن ظہر اور عصر کو جمع کرنے کی صورت

---

[1] : مسلم باب الجمع بین الصلوٰتین فی الحضر صا۲۴ ؛ [2] :۔ الفضل ۲۴ جنوری ۱۹۴۲ء ، ۱۴ اکتوبر ۱۹۴۲ء ؛

میں بعد میں سنن اور نوافل نہیں پڑھنے چاہئیں کیونکہ عصر کے بعد نوافل ناجائز ہیں ۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق عمل کیا تھا یا آپؐ نے کیا فرمایا ہے ۔ اس بارہ میں یہ امر واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیں جمع کرنے کی صورت میں سنتیں نہیں پڑھا کرتے تھے ۔ اسی طرح آپؐ کا کوئی فرمان بھی نہیں کہ اس صورت میں سنتیں ضرور پڑھی جائیں ۔ اس بارہ میں بخاری کی یہ روایت واضح ہے :۔

جَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ بِجَمْعٍ كُلُّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا بِإِقَامَةٍ وَلَمْ يُسَبِّحْ بَيْنَهُمَا وَلَا عَلَى أَثَرِ كُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا [1]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے ایام میں مزدلفہ کے مقام پر مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کیں ۔ ہر ایک کے لئے علیحدہ علیحدہ اقامت کہی گئی ۔ آپؐ نے سنتیں نہ درمیان میں پڑھیں اور نہ بعد میں ۔ [2]، [3]

سوال :۔ سفر میں صبح کی دو سنتیں کیوں معاف نہیں ہیں جبکہ دوسری نمازوں کی سنتیں معاف ہیں ؟

جواب :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں صبح کی سنتیں پڑھی ہیں ۔ اس لئے امت بھی پڑھتی ہے متعلقہ حدیثیں درج ذیل ہیں :۔

(۱) رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّفَرِ رَكْعَتَي الْفَجْرِ ۔ [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں فجر کی دو رکعت سنت نماز ادا کی ۔

(۲) كَانَتْ عَائِشَةُ رضؓ تَقُولُ لَمْ يَدَعِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْفَجْرِ صَحِيحًا وَلَا مَرِيضًا فِي سَفَرٍ وَلَا حَضَرٍ ۔ [5]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خواہ آپ تندرست ہوتے یا بیمار ۔ سفر میں ہوتے یا مقیم ۔ صبح کی دو رکعت سنت نماز پڑھنا کبھی ترک نہیں کیا ۔

ورنہ عام دستور آپ کا یہ تھا کہ باقی نمازوں میں آپ بحالتِ سفر سنتیں نہیں پڑھتے تھے ۔ چنانچہ

---

[1] :۔ بخاری کتاب الحج باب من جمع بینھما ولم یتطوع ص ۲۲۷ ؛ [2] : ترمذی ابواب الصلوٰۃ السفر ص ۷۱ ؛
[3] :۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب التطوع فی السفر ص ۱۷۲ ؛ [4] :۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من تطوع فی السفر ص ۱۴۹ ؛ [5] :۔ کشف الغمہ ص ۲۰۴ ؛

روایت ہے :-

عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ لَا یَتَطَوَّعُ فِی السَّفَرِ قَبْلَ الصَّلٰوۃِ وَلَا بَعْدَھَا ۔[1]

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں فرضوں سے پہلے اور بعد کوئی سنّت نماز نہیں پڑھتے تھے ۔

نماز سفر

شروع میں ظہر و عصر اور عشاء کی نمازیں فجر کی طرح دو دو رکعت تھیں لیکن بعد میں سفر کی حالت میں تو یہ دو دو رکعت ہی رہیں لیکن اقامت کی حالت میں دوگنی یعنی چار چار رکعت کر دی گئیں اس تبدیلی کی بناء پر مسافر جس کا کسی جگہ پندرہ دن[2,3] سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو ظہر عصر اور عشاء کی نماز دو دو رکعت پڑھے گا اور مقیم چار چار رکعت پڑھے گا ۔ مغرب اور فجر کی رکعتوں میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی ۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں :-

فرضت الصلوٰۃ رکعتین فی الحضر والسفر فاقرت صلوٰۃ السفر وزید فی صلوٰۃ الحضر[4]

اگر انسان کسی ایسے عزیز کے گھر میں مقیم ہو جسے وہ اپنا ہی گھر سمجھتا ہے ۔ جیسے والدین کا گھر ۔ سسرال کا گھر یا مذہبی مرکز مثلاً مکہ ۔ مدینہ ۔ قادیان ۔ ربوہ وغیرہ تو پندرہ دن سے کم قیام کے دوران میں چاہے تو اس رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دو رکعت پڑھے اور چاہے تو پوری نماز یعنی چار رکعت پڑھے ۔

سفر میں وتر اور فجر کی دو سنّتوں کے علاوہ باقی سنّتیں معاف ہو جاتی ہیں ۔ نفل پڑھے یا نہ پڑھے ۔ یہ انسان کی اپنی مرضی پر منحصر ہے ۔ سفر میں نمازیں جمع کرنا بھی جائز ہے ۔

اگر امام مقیم ہو تو مسافر مقتدی اس کی اتباع میں پوری نماز پڑھے گا ۔ اور اگر امام مسافر ہو

---

[1] :- ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب ما جاء فی التطوع فی السفر ص۴۲ ؛

[2] :- کتاب الآثار باب الصلوٰۃ فی السفر ص۳۴ ؛ [3] :- ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب کم تقصر الصلوٰۃ ص۷ ؛

[4] :- ابو داؤد باب صلوٰۃ المسافر ص۱۶۹/۱ ؛

تو امام دُو رکعت پڑھے گا اور اس کے مقیم مقتدی کھڑے ہو کر بقیہ رکعتیں پوری کر کے سلام پھیریں گے[1]۔
ان بقیہ دُو رکعتوں میں وہ صرف سورۃ فاتحہ پڑھیں گے۔

سفر اور قصر

سوال :۔ قصر کا مسئلہ کیا ہے۔ نماز کب قصر کی جاتی ہے؟
جواب :۔ جماعت احمدیہ کے مسلک کے مطابق مسافر کے لئے نماز قصر کرنے کے معنے یہ ہیں کہ وہ چار رکعت فرض نماز کی بجائے دُو رکعت نماز پڑھے۔

سفر کسے کہتے ہیں اور اس کی مقدار کتنی ہو اس کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد ہے :۔

"ایک تو سفر ہوتا ہے اور ایک سیر ہوتی ہے۔ سفر کی نیّت سے اگر تین کوس جانا ہو جیسے لدھیانہ سے پھلور تو نماز قصر کرنی چاہیئے۔ یہی صحابہ کرامؓ کا معمول تھا اور بعض ضعیف پیر فرتوت اور حاملہ عورتیں ہیں ان کے لئے تو کوس بھر ہی سفر ہو جاتا ہے ہاں سیر کے لئے چاہے آٹھ کوس چلا جائے۔ نماز قصر نہیں ہے۔"[2]

ایک اور موقع پر سوال ہؤا کہ اگر کوئی تین کوس سفر پر جائے تو کیا نمازوں کو قصر کرے؟ تو حضورؑ نے فرمایا :۔

"ہاں مگر دیکھو اپنی نیّت کو خوب دیکھ لو۔ ایسی تمام باتوں میں تقویٰ کا بہت خیال رکھنا چاہیئے۔ اگر کوئی ہر روز معمولی کاروبار یا سفر کے لئے جاتا ہے تو وہ سفر نہیں بلکہ سفر وہ ہے جسے انسان خصوصیّت سے اختیار کرے اور صرف اس کام کے لئے گھر چھوڑ کر جائے اور عرف میں وہ سفر کہلاتا ہے۔"[3]

---

[1] :۔ عن عمران بن حصین قال غزوت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشھدت معہ الفتح فاقام بمکۃ ثمانی عشرۃ لیلۃ لا یصلی الا رکعتین ویقول یا اھل البلد صلوا اربعًا فانا قوم سفر۔
(ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب متیٰ یتم المسافر ص۱۷۳)
ان عمر بن الخطاب کان اذا قدم مکۃ صلی بھم رکعتین ثم یقول یا اھل مکۃ اتموا صلوتکم فانا قوم سفر۔ (موطا مالک ج۲ ص۵۲) :: [2] :۔ تذکرۃ المہدی ص۱۶۲، فتاویٰ احمدیہ ص۲۰۵ :: [3] :۔ فتاویٰ المسیح موعودؑ ص۴۳ ::

ب۔"عرض کیا گیا حضور بٹالہ جاتے ہیں تو قصر فرماتے ہیں۔ فرمایا۔ ہاں۔ کیونکہ وہ سفر ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی طبیب یا حاکم بطور دَورہ کئی گاؤں پھرتا رہے تو وہ اپنے تمام سفر کو جمع کر کے اُسے سفر نہیں کہہ سکتا۔" [1]

ج ۔"جو شخص رات دن دَورہ پر رہتا ہے اور اس بات کا ملازم ہے وہ حالت دَورہ میں مسافر نہیں کہلا سکتا۔ اس کو پوری نماز پڑھنی چاہیئے۔" [2]

۳ ۔ سفر کے دَوران کسی ایک جگہ قیام کتنے دنوں کا ہو تو انسان کو مقیم سمجھا جاسے اور اسے پوری نماز پڑھنی چاہیئے؟

الف:۔ حنفیوں کے نزدیک چودہ دن تک قیام کی نیت حالت سفر کو ختم نہیں کرتی البتہ اگر کسی قابلِ رہائش جگہ میں پندرہ یا اس سے زیادہ دن قیام کی نیت ہو تو اقامت کا حکم ثابت ہوگا اور نماز پوری پڑھنی پڑے گی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تبوک میں بیس دن تشریف فرما رہے لیکن آپؐ نے نماز قصر فرمائی کیونکہ جہاں آپ مقیم تھے وہ کوئی "آبادی" نہ تھی بلکہ ویران علاقہ تھا۔ [3]

ب ۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر کہیں چار دن قیام کرنا ہو تو نماز پوری پڑھی جائے گی گویا تین دن قیام کی صورت میں نماز قصر کی جاسکتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کا ارشاد ہے۔ چار دن کا ارادہ اقامت ہو تو مسافر مقیم ہو جاتا ہے۔ [4]

مؤطا امام مالکؒ میں ہے۔ من اجمع اقامۃ اربع لیال وھو مسافر اتم الصلوٰۃ [5]

ج ۔ صحیح رائے یہ ہے کہ تین دن قیام کی نیّت ہو تو نماز قصر کرنی چاہیئے کیونکہ یہ متفق علیہ مدتِ مسافرت ہے۔ اس سے زیادہ چودہ دن تک قیام کی صورت میں اختیار ہے۔ چاہے کوئی قصر کرے چاہے پوری پڑھے گو قصر زیادہ پسندیدہ ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا:۔

---

[1]:۔ البدر ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء۔ فتاویٰ مسیح موعود ص۴۲ ؛ [2]:۔ الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء۔ فتاویٰ مسیح موعود ص۴۵ ؛

[3]:۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب اذا اقام بارض العدو یقصر ص۱۷۱۔ تحفۃ الفقہاء ص۲۵۶ ؛

[4]:۔ فتاویٰ احمدیہ ص۲۰۲ ؛ [5]:۔ باب صلوٰۃ المسافر اذا اجمع مکثاً ص۵۲ ؛

۱۔ "چونکہ سفر کے کوسوں (سات کوس۔ تین منزل) اور مدت رہائش (تین روز اور چودہ روز) میں بھی اختلاف ہے اس لئے جو قصر کرتے ہیں وہ قصر کریں اور جو نہیں کرتے وہ نہ کریں۔ ایک دوسرے پر اعتراض نہ ہو۔" [۱]

۲ "۔ اگر کہیں ٹھہرنا ہو اور پندرہ دن سے کم ٹھہرنا ہو تو بھی قصر کریں اور اگر پندرہ دن سے زیادہ ٹھہرنا ہو تو پوری پڑھیں۔" [۲]

۳۔ "میں نماز قصر کر کے پڑھاؤں گا۔ اور گو مجھے یہاں آئے چودہ دن ہو گئے ہیں مگر چونکہ علم نہیں کہ کب واپس جانا ہوگا[۳] اس لئے میں نماز قصر کر کے ہی پڑھاؤں گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دفعہ گورداسپور میں دو ماہ سے زیادہ عرصہ تک قصر نماز پڑھتے رہے کیونکہ آپ کو پتہ نہیں تھا کہ کب واپس جانا ہوگا۔" [۴]

سوال: سفر کی کیا تعریف ہے۔ موجودہ زمانہ میں تو سفر کے لئے ہر قسم کی سہولتیں ہیں؟

جواب: ۔ سفر کی حالت میں نماز قصر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسُول نے یہ تصریح کہیں نہیں کی کہ فلاں سہولت ہو تو سفر نہیں ہوگا اور فلاں سہولت نہ ہو تو سفر ہوگا۔ اصل برکت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں ہے۔ اپنے پاس سے حجت بازی کرنے اور مسائل گھڑنے میں نہیں ہے۔ قصر کے بارہ میں آیت قرآنی اور حدیث نبوی مع ترجمہ درج ذیل ہے:۔

۱۔ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۔ [۵]

جب تم ملک میں سفر کرو تو تمہیں کوئی گناہ نہیں کہ نماز کو چھوٹا کر دو۔

۲۔ حدیث یہ ہے:۔ كَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يَقُوْلُ فَرَضَ اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِی الْحَضَرِ اَرْبَعًا وَفِی السَّفَرِ رَكْعَتَيْنِ ۔ [۶]

یعنی حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر حضر میں چار[۴] رکعات اور سفر میں دو[۲] دو[۲] رکعت نماز فرض کی ہے۔

---

[۱]:۔ الفضل ۲۲ اپریل ۱۹۱۵ء ؛ [۲]:۔ الفضل ۱۸ مارچ ۱۹۱۶ء ؛ [۳]:۔ ہدایہ اوّلین کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ المسافر ص ۱۲۵ ؛

[۴]:۔ الفضل ۲۵ مئی ۱۹۴۲ء ، الفضل ۱۰ جولائی ۱۹۴۳ء ، البدر یکم ستمبر ۱۹۰۴ء ، ۲۳ جنوری ۱۹۰۸ء ؛

[۵]:۔ نساء : ۱۰۲ ؛ [۶]:۔ کشف الغمہ ص ۲۸۹ ؛

سفری تاجر کی نماز

سوال :۔ مَیں اور میرے بھائی ہمیشہ تجارت عطریات وغیرہ میں سفر کرتے ہیں۔ نماز ہم دوگانہ پڑھیں یا پُوری؟

جواب :۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا۔ سفر تو وہ ہے جو ضرورتًا گاہے بگاہے ایک شخص کو پیش آوے۔ نہ یہ کہ اس کا پیشہ ہی یہ ہو آج یہاں کل وہاں اپنی تجارت کرتا پھرے۔ یہ تقویٰ کے خلاف ہے کہ ایسا آدمی اپنے آپ کو مسافروں میں شامل کر کے ساری عمر نماز قصر کرنے میں ہی گذار دے۔ [1]

حکام کا دَورہ سفر نہیں

حکام کا دَورہ ایسا ہے جیسے کوئی اپنے باغ کی سیر کرتا ہے۔ خواہ نخواہ قصر کرنے کا تو کوئی وجود نہیں۔ اگر دَوروں کی وجہ سے انسان قصر کرنے لگے تو پھر یہ دائمی قصر ہوگا۔ جس کا کوئی ثبوت ہمارے پاس نہیں ہے۔ حکام کہاں مسافر کہلا سکتے ہیں۔ سعدی نے بھی کہا ہے ؎

مُنعِم بکوہُ و دَشتُ و بیَابان غریب نیست
ہر جا کہ رَفت خیمہ زَدُو خوابگاہ سَاخَت [2]

سوال :۔ مبلغین نے پوچھا کہ ہم سفر میں رہتے ہیں روزہ افطار اور نماز قصر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب :۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے فرمایا۔ "سفر چھوٹا کر دو۔ روزے برابر رکھو۔ یہ آپ لوگوں کا فرض منصبی ہے اس لئے آپ سفر پر نہیں سمجھے جا سکتے۔" [3]

سوال :۔ داماد اپنے سُسرال جا کر پُوری نماز پڑھے یا دوگانہ؟

جواب :۔ سُسرال کا گھر بھی پردیس اور سفر کے حکم میں ہے۔ وہاں قصر نماز ہی پڑھنی چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ وہاں اس کی اپنی جائیداد ہو اور وہ اسے اپنے گھر کی طرح سمجھتا ہو۔ اس صورت میں اسے مقیم سمجھا جائے گا۔

---

[1] :۔ بدر ۲۸ رمارچ ۱۹۰۷ء ؛

[2] :۔ الحکم ۲۴ راپریل ۱۹۰۳ء، فتاویٰ مسیح موعود صہ ۲۵ ؛

[3] :۔ الفضل ۱۶ رجولائی ۱۹۱۴ء ؛

سوال :۔ اگر مسافر امام کے ساتھ نماز میں اس وقت شامل ہو جب کہ امام پہلی دو رکعتیں پڑھ چکا ہو تو کیا مسافر اپنی دو رکعت پڑھ کر امام کے ساتھ ہی سلام پھیر دے یا چار پڑھے؟

جواب :۔ جب مسافر مقیم امام کے ساتھ شامل ہو تو اس کو چاروں رکعتیں ہی پڑھنی چاہئیں۔[1]

سوال :۔ سفر میں نماز قصر کرنا ضروری ہے یا اختیاری۔ اسی طرح سفر میں نمازوں کا جمع کرنا ضروری ہے یا اختیاری؟

جواب :۔ سفر میں نماز قصر کرنا ضروری ہے۔ جماعت احمدیہ کا مسلک یہی ہے۔ کیونکہ خدا نے اپنی رحمت سے یہ ایک رعایت دی ہے اس لئے اس نعمت کی قدر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ شکر نعمت واجب ہے نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے عام صحابہ کرامؓ اس کا التزام فرمایا کرتے تھے۔ علاوہ ازیں بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر کی اصل نماز ہی دو رکعت ہے صرف اقامت کی صورت میں دو رکعتوں کا اس پر اضافہ کیا گیا ہے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ:

"اَلصَّلٰوۃُ اَوَّلُ مَا فُرِضَتْ رَکْعَتَانِ فَاُقِرَّتْ صَلٰوۃُ السَّفَرِ وَ اُتِمَّتْ صَلٰوۃُ الْحَضَرِ"[2]

پس جو اصل ہے اسے ترک کرنا درست نہیں۔

(۲) جمع کی بنیاد ضرورت پر ہے اس لئے یہ ایک اختیاری رعایت ہے یعنی اگر ضرورت اور مجبوری ہو تو جمع کرلے ورنہ الگ الگ وقت پر پڑھے۔ کیونکہ اس میں اصل یہ ہے کہ ہر نماز اپنے اپنے وقت پر پڑھی جائے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا طریق عمل نویں ذی الحجہ کی نماز ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کے علاوہ باقی ایام کی نمازوں میں جمع سے متعلق اختیاری امر کی وضاحت کرتا ہے اور یہی سنت مسلمانوں میں رائج ہے۔

نماز خوف

حالت خوف مثلاً محاذ جنگ میں نماز قصر کرنے کی اجازت ہے۔ قصر کے معنے ہیں چھوٹا کرنا۔ چنانچہ خوف کی حالت میں نماز مختصر ہو جاتی ہے۔ اس کی مختلف طریقے قرآن کریم اور احادیث میں بیان ہوئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ میدان جنگ میں اگر زور کی لڑائی ہو رہی ہو یا دشمن کے حملے کا ڈر ہو یا فوج مورچہ بند ہو تو ان سب صورتوں میں حسب حالات نماز کی رکعتیں کم ہو جاتی ہیں۔ دو کا موقع ہو تو دو ورنہ ایک رکعت ہی کافی ہوگی۔ اگر حالات زیادہ خطرناک ہوں تو جماعت کی بجائے اکیلے اکیلے اور اگر اس کا

[1] الفضل ۲۳ جنوری ۱۹۳۲ء۔ فتاویٰ احمدیہ ص۴۵ ؛ [2] بخاری ابواب تقصیر الصلوٰة۔ باب یقصر اذا خرج ص۱۴۸ ج۱، ابوداؤد ص۱۴۹ ج۱ ؛

بھی موقع نہ ہو تو پھر چلتے پھرتے سوار یا پیدل قبلہ کی طرف رُخ ہو یا نہ ہو محض اشارہ سے بھی نماز پڑھی جا سکتی ہے اور اگر اس سے بھی زیادہ خطرناک حالات کا سامنا ہو تو نماز کی نیّت کر لینا چند ایک کلمات ادا کرنا اور ایک آدھ اشارہ کر لینا بھی کافی ہے۔ یوں جنگ میں کئی وقتوں کی نمازیں اکٹھی بھی کی جا سکتی ہیں۔

جنگ اور نماز

سوال :۔ میدانِ جنگ میں نماز کیسے پڑھیں؟

جواب :۔ جس طرح بن پڑے ہر حال میں پڑھ لو۔ چھوڑنا ہرگز نہیں چاہیئے۔ ایک سے زیادہ اوقات کی ملا کر ہی پڑھ سکو تو پڑھ لو۔[۲]

سوال :۔ میدان کارزار میں قصر صلوٰۃ اور روزہ کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب :۔ نماز قصر پڑھیں اور روزہ نہ رکھیں۔[۳]

سوال :۔ نماز سے متعلق کسی مسئلہ میں فوج، سول سے مختلف بھی ہے یا نہیں؟

جواب :۔ فوج نماز کے معاملہ میں صرف اس حد تک عام سول آبادی سے مختلف ہے کہ وہ بحالات مجبوری و ضرورت اپنے اپنے وقت میں نماز پڑھنے کی بجائے دو تین چار یا پانچ نمازیں اکھٹی یعنی جمع کر کے پڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح اگر گھمسان کی جنگ ہو رہی ہو تو فوجی چلتے پھرتے حملہ کرتے اشاروں میں بھی نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس بارہ میں آیت و حدیث کا حوالہ درج ذیل ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ۔[۴]

حدیث یہ ہے:۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ جَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا كِدْتُ اَنْ اُصَلِّيَ حَتّٰى كَادَتِ الشَّمْسُ اَنْ تَغْرُبَ۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا وَاللّٰهِ مَا صَلَّيْتُهَا فَنَزَلْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

[۱] :۔ بخاری کتاب المغازی باب غزوہ خندق صفحہ ۵۹

[۲] :۔ الفضل یکم جولائی ۱۹۱۵ء ؛ [۳] :۔ الفضل ۲۷ جولائی ۱۹۱۵ء ؛ [۴] :۔ البقرہ : ۲۴۰ ؛

بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلٰوةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ[1]

فوت شدہ نمازیں

فرض نماز وقت پر پڑھی جائے تو اسے ادا کہتے ہیں۔ لیکن اگر کسی وجہ سے مثلاً بھول جائے یا سویا رہے اور وقت پر نماز نہ پڑھ سکے بلکہ بعد میں کسی وقت پڑھے تو اُسے قضاء کہتے ہیں[2]

فرض نمازوں کی قضاء واجب ہے جب یاد آئے یا موقع ملے یہ رہی ہوئی نماز پڑھ لی جائے۔ عمداً نماز چھوڑنے کا تدارک صرف توبہ و استغفار ہے۔ قضاء میں نمازوں کی ترتیب[3] کو قائم رکھنا بھی ضروری ہے لیکن اگر ترتیب بھول جائے یا فوت شدہ نمازوں کی تعداد چھ[6] سے زیادہ ہو جائے تو پھر ترتیب ضروری نہیں رہتی۔ فجر کی دو[2] سنتوں کے علاوہ باقی کسی نماز کی سنتوں کی قضاء نہیں۔

فوت شدہ نمازوں کی قضاء

سوال :۔ اگر کوئی شخص کسی وقت نماز پڑھنا بھول جائے تو پھر کیا کرے؟

جواب :۔ جس وقت یاد آئے اس وقت پڑھ لے۔[4]

سوال :۔ اگر ایک نماز چھوٹ جائے تو کیا ساری پچھلی نمازیں جاتی رہتی ہیں؟

جواب :۔ اگر کوئی نماز چھوٹ جائے تو اس کوتاہی پر استغفار کرے اور اس نماز کو دوبارہ پڑھے[5]

سوال :۔ مَیں چھ[6] ماہ تک تارک صلوٰۃ تھا اب مَیں نے توبہ کی ہے کیا وہ سب نمازیں اب پڑھوں؟

جواب :۔ اس طرح نماز کی قضاء نہیں ہوتی۔ اس کا علاج توبہ ہی کافی ہے۔[6]

سوال :۔ ایک بیمار نے بارہ دن نماز نہ پڑھی تو اس کا بارہ نیرہ روپیہ کفارہ دیا کیا یہ درست ہے؟

جواب :۔ نماز جان بوجھ کر چھوڑی یا بیماری کی وجہ سے کئی روز نہ پڑھ سکا۔ دونوں صورتوں میں کوئی کفارہ نہیں۔ صرف توبہ کافی ہے[7]

---

[1] :۔ بخاری ابواب صلوٰۃ الخوف ص $\frac{129}{1}$، کتاب المغازی ص $\frac{59}{2}$ ؛

[2] :۔ بخاری باب قضاء الصلوٰت ص $\frac{84}{1}$ ؛ [3] :۔ ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب فی الرجل تفوت الصلوٰت بایتھن یبدأ ص $\frac{25}{1}$ ؛

[4] :۔ الفضل ۱۰ر جولائی ۱۹۳۴ء ؛ [5] :۔ فائل مسائل دینی $\frac{32-A}{17-10-61}$ ؛ [6] :۔ بدر ۲۴ر دسمبر ۱۹۰۸ء ؛ [7] :۔ الفضل ۶ر مئی ۱۹۱۵ء ؛

قضاءِ عمری

سوال ہوا کہ جمعۃ الوداع کے دن لوگ چار رکعت نماز پڑھتے ہیں اور اس کا نام قضاءِ عمری رکھتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ گذشتہ نمازیں جو ادا نہیں کیں ان کی تلافی ہو جاوے اس کا کوئی ثبوت ہے یا نہیں؟

جواب :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا :۔ "یہ ایک فضول امر ہے ۔ مگر ایک دفعہ ایک شخص بے وقت نماز پڑھ رہا تھا کسی شخص نے حضرت علیؓ کو کہا کہ آپ خلیفۂ وقت ہیں اسے منع کیوں نہیں کرتے؟ فرمایا کہ مَیں ڈرتا ہوں کہ کہیں اس آیت کے نیچے ملزم نہ بنایا جاؤں[1] :۔

"اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا اِذَا صَلّٰی" [2]

ہاں اگر کسی شخص نے عمداً نماز اس لئے ترک کی ہے کہ قضاءِ عمری کے دن پڑھ لوں گا تو اس نے ناجائز کیا ہے اور اگر ندامت کے طور پر تدارک مافات کرتا ہے تو پڑھنے دو کیوں منع کرتے ہو آخر دعا ہی کرتا ہے ۔ ہاں اس میں پست ہمتی ضرور ہے پھر دیکھو منع کرنے سے کہیں تم بھی اس آیت کے نیچے نہ آجاؤ" [3]

وتر

وتر طاق کو کہتے ہیں اور اس سے مراد یہ ہے کہ عشاء کی نماز کے بعد کم از کم تین رکعت نماز پڑھی جائے یہ نماز واجب ہے وتر کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد علی الترتیب سورہ اعلیٰ ۔ سورہ کافرون اور سورہ اخلاص پڑھنا مسنون ہے ۔ تاہم کوئی دوسری سورہ بھی پڑھی جاسکتی ہے ۔ وتر کی دوسری رکعت کے بعد قعدہ میں بیٹھ کر تشہد پڑھے ۔ پھر سلام پھیر کر اللہ اکبر کہتے ہوئے کھڑا ہو جائے اور تیسری رکعت پڑھے یہ بھی جائز ہے کہ تشہد کے بعد اُٹھ کر تیسری رکعت مکمل کرے اور پھر سلام پھیرا جائے ۔ البتہ پہلی دو رکعت پڑھے بغیر صرف ایک رکعت پڑھنا پسندیدہ نہیں ۔ وتر کی تیسری رکعت کے بعد دعائے قنوت پڑھنا مسنون ہے ۔ دعائے قنوت یہ ہے :۔

---

[1] :۔ عن علیؓ انہ رائ فی المصلی اقواماً یصلون قبل صلوۃ العید فقال ما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یفعل ذالک فقیل لہ الا تنہاھم فقال اخشی ان ندخل تحت وعید ولہ تعالیٰ ارأیت الذی ینھی عبداً اذا صلی ۔ (تفسیر روح البیان صفحہ ۴۷۶ جلد ۱۰ مطبوعہ استنبول ۱۹۲۸ء) [2] سورۃ علق ۱۰-۱۱ ؛ [3] : الحکم ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء ۔ فتاوی مسیح موعود صفحہ ۶۵

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ اِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ وَاِنَّهٗ لَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ نَسْتَغْفِرُكَ وَنَتُوْبُ اِلَيْكَ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ [1]

یعنی اے میرے اللہ مجھے ہدایت دے کر ان لوگوں میں شامل کر جن کو ہدایت دینے کا تُو نے فیصلہ کیا ہے۔ اور مجھے سلامت رکھ کر ان لوگوں میں شامل کر جن کو سلامت رکھنے کا تُو نے فیصلہ کیا ہے۔ اور مجھے دوست بنا کر ان لوگوں میں شامل کر جن کو دوست بنانے کا تُو نے فیصلہ کیا ہے اور مجھے برکت دے ان انعامات میں جو تُو نے دیئے ہیں۔ اور مجھے بچا ان چیزوں کے نقصان سے جو تیری تقدیر میں نقصان دہ قرار دی گئیں ہیں۔ کیونکہ تو ہی فیصلے کرتا ہے اور تیری مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔ سو وہ شخص ذلیل و خوار نہیں رہ سکتا جس کا تو دوست ہے۔ اور نہ وہ عزت پا سکتا ہے جس کا تو دشمن ہے۔ اے ہمارے رب تو برکت والا اور بلند شان والا ہے اے اللہ ہمارے نبی پر خاص فضل فرما جن کے ذریعہ سے ہمیں ایسی عمدہ دعاؤں کا علم حاصل ہوا۔

۲۔ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِيْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُؤْمِنُ بِكَ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْكَ وَنُثْنِيْ عَلَيْكَ الْخَيْرَ وَنَشْكُرُكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ۔ اَللّٰهُمَّ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّيْ وَنَسْجُدُ وَاِلَيْكَ نَسْعٰى وَنَحْفِدُ وَنَرْجُوْا رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰى عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ [2]

وتروں کا وقت نمازِ عشاء سے لیکر طلوعِ فجر تک رہتا ہے تاہم سونے کے بعد رات کے آخری حصہ میں اُٹھ کر تہجد کی نماز پڑھنے کے بعد وتر ادا کرنا افضل ہے۔ اگر رات کے آخری حصے میں اٹھنے کی عادت نہ ہو تو عشاء کے بعد ہی وتر پڑھ لینے بہتر ہیں۔ وتر اکیلے پڑھے جاتے ہیں۔ البتہ رمضان المبارک میں وتر کی نمازِ تراویح کی طرح باجماعت پڑھنا بھی مشروع ہے [3]

---

[1] نسائی باب الدعا فی الوتر صفحہ ۲۰۲ ، ابوداؤد صفحہ ۲۰۱ ۔ [2] الف ۔ قیام اللیل صفحہ ۲۳۲ لشیخ محمد بن نصر المروزی متوفی ۲۹۴ھ ،
ب ۔ اخرجہ محمد بن نصر فی کتاب قیام اللیل بحوالہ تحفۃ الفقہاء باب صلوٰۃ الوتر صفحہ ۲۰۴ مطبوعہ دارالفکر دمشق ۔
[3] ۔ نور الایضاح باب الوتر صفحہ ۱۱۴

نمازِ وتر سے متعلق فتاویٰ

ایک نماز وتر کہلاتی ہے اس نماز کی بھی مغرب کی طرح تین رکعتیں ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ مغرب کی نماز میں پہلے تشہد کے بعد جو تیسری رکعت پڑھی جاتی ہے اس میں سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کی زائد تلاوت نہیں کی جاتی۔ لیکن وتر کی نماز میں تیسری رکعت میں بھی سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کی چند آیات یا کوئی چھوٹی سورۃ پڑھی جاتی ہے۔

دوسرا فرق اس میں یہ ہے کہ نماز وتر کو مغرب کی نماز کے برخلاف دو حصوں میں بھی تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی یہ بھی جائز ہے کہ دو۲ رکعتیں پڑھ کر تشہد کے بعد سلام پھیر دیا جائے اور پھر ایک رکعت الگ پڑھ کر تشہد کے بعد سلام پھیرا جائے۔ ؂۱

سوال:۔ کیا وتر اس طرح پڑھے جا سکتے ہیں کہ تینوں رکعتیں اکٹھی پڑھی جائیں اور درمیان میں دو۲ رکعتوں کے بعد تشہد نہ بیٹھا جائے؟

جواب:۔ وتر کا زیادہ صحیح طریق یہ ہے کہ دو۲ رکعت پڑھ کر تشہد بیٹھے پھر سلام پھیر دے۔ پھر کھڑا ہو کر ایک رکعت پڑھے اور التحیات کے بعد سلام پھیرے یا دوسری رکعت کا تشہد پڑھ کر کھڑا ہو جائے اور تیسری رکعت پڑھے اور تشہد پڑھ کر سلام پھیر دے۔ ؂۲

سوال:۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا وتر پڑھنے کا کیا طریق تھا؟

جواب:۔ تفسیر القرآن مؤلفہ سیّد سرور شاہ صاحب کے صفحہ ۱۸۷ پر حضور کے وتر پڑھنے کا طریق یوں درج ہے:۔

"وتروں کی نسبت بہت سوال ہوتا رہتا ہے کہ ایک پڑھا جائے یا تین اور یہ بھی اگر تین ہوں تو پھر کس طرح پڑھے جائیں تو ان میں حضور کا حکم یہ ہے کہ ایک رکعت تو منع ہے اور تین اس طور پر پڑھتے ہیں کہ دو۲ رکعتوں کے بعد التحیات پڑھ کر سلام پھیر دیتے ہیں اور پھر اُٹھ کر ایک رکعت پڑھتے ہیں اور کبھی دو کے بعد التحیات پڑھتے ہیں اور سلام پھیرنے سے پہلے اُٹھ کر تیسری رکعت پڑھتے ہیں۔ ؂۳

؂۱:۔ تفسیر سورۃ بقرہ تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ ۱۱۳؛ ؂۲:۔ الفضل ۱۵ ستمبر ۱۹۳۵ء؛
؂۳:۔ مجموعہ فتاویٰ صفحہ ۲۰۸؛

حضرت خلیفہ اوّلؓ کا ارشاد بھی یہی ہے۔ [۱]

سوال :۔ اکیلا وتر پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

جواب :۔ ہم نے اکیلا وتر پڑھنے کے متعلق حکم کہیں نہیں دیکھا۔ ہاں دو رکعت کے بعد خواہ سلام پھیر کر دوسری رکعت پڑھ لے خواہ تینوں رکعت ایک ہی نیت سے پڑھ لے۔ [۲]

حدیث کی تصریح یہ ہے :۔

عَنْ عَائِشَةَ رضؓ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ فِيْمَا بَيْنَ اَنْ يَفْرُغَ مِنْ صَلٰوةِ الْعِشَاءِ اِلَى الْفَجْرِ اِحْدٰى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُسَلِّمُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ وَيُوْتِرُ بِوَاحِدَةٍ ۔ [۳]

وتر پڑھنے کا وقت

سوال :۔ وتر کس وقت پڑھنے چاہئیں؟

جواب :۔ (از حضرت خلیفہ اوّلؓ) وتر پہلی رات کو پڑھ لینا بہتر ہے۔ پچھلی رات بھی پڑھے جا سکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ پہلی رات پڑھ لئے جائیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہی طریق عمل ہے کہ آپ پہلی رات کو پڑھ لیا کرتے تھے۔ [۴]

سوال :۔ وتر کی نماز عشاء کا جزو ہے یا نماز تہجد کا۔ اگر مغرب اور عشاء جمع ہوں تو وتر پڑھنے کیوں ضروری سمجھے جاتے ہیں جبکہ جمع کی صورت میں فرض کے علاوہ کوئی اور نماز (سنتیں وغیرہ) نہیں پڑھی جاتی؟

جواب :۔ اصل میں تو وتر نماز تہجد کا جزو ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد کی آخری تین رکعتوں کو وتر کی صورت میں ادا فرمایا کرتے تھے لیکن چونکہ وتر نماز کی الگ بھی تاکید آئی ہے اور ہر ایک شخص نمازِ تہجد کے لئے نہیں اُٹھتا۔ یا کسی عوارض کی وجہ سے اُٹھ نہیں سکتا۔ اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہے کہ ایسا شخص نماز عشاء کے بعد سونے سے پہلے وتر کی نماز پڑھ لیا کرے۔ حدیث درج ذیل ہے :۔

۱۔ قَالَ اَبُوْ هُرَيْرَةَ اَوْصَانِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْوِتْرِ

---

[۱] :۔ بدر ۱۲ر جنوری ۱۹۰۲ء ؛ [۲] :۔ بدر ۲ر اپریل ۱۹۰۳ء ؛

[۳] :۔ مسلم باب صلوٰۃ اللیل وعدد رکعات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۲۵۳ ؛ [۴] :۔ بدر ۱۳ر جنوری ۱۹۱۰ء، فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۵۳ ؛

قَبْلَ النَّوْمِ ۔ ؎۱

۲ - عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ خَافَ اَنْ لَّا يَقُوْمَ مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ فَلْيُوْتِرْ اَوَّلَهُ وَمَنْ اَنْ يَقُوْمَ آخِرَهُ فَلْيُوْتِرْ آخِرَ اللَّيْلِ ۔ ؎۲

اس لحاظ سے وتر کی نماز کا وقت عشاء کی نماز کے بعد سے لے کر طلوع فجر تک ہے۔ حدیث میں ہے :۔

۳ - عَنْ خَارِجَةَ بْنِ حُذَافَةَ اَنَّهُ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ اَمَرَكُمْ بِصَلٰوةٍ هِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ اَلْوِتْرُ جَعَلَهُ اللّٰهُ لَكُمْ فِيْمَا بَيْنَ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ اِلٰى اَنْ يَّطْلَعَ الْفَجْرُ ۔ ؎۳

جمع نماز کی صورت میں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بالتصریح یہ ثابت نہیں کہ حضور مغرب کے ساتھ عشاء کی نماز کو جمع کرنے کے معًا بعد وتر کی نماز پڑھ لیا کرتے تھے اور ایسی تصریح آ بھی نہیں سکتی کیونکہ حضور علیہ السلام تو بالعموم وتر کی نماز تہجد کے ساتھ آخری حصہ رات میں ادا فرمایا کرتے تھے۔ تاہم اصول عامہ کے مطابق اگر کوئی شخص چاہے تو جمع نماز کے معًا بعد وتر کی نماز پڑھ سکتا ہے اور ہماری جماعت کا عام عمل اسی کے مطابق ہے۔ عام طور پر جمع نماز کے بعد سنتیں اور نوافل نہیں پڑھے جاتے۔ البتہ وتر ضروری ہیں کیونکہ وتر کے متعلق سنتوں سے زیادہ تاکید آئی ہے۔ اسی لئے علماء نے وتر کو واجب قرار دیا ہے جو سنّت سے اُوپر کا درجہ ہے۔

سفر میں وتر

سوال :۔ سفر میں وتر کی کتنی رکعت پڑھنی چاہئیں ؟

جواب :۔ (از حضرت خلیفۃ المسیح اوّل) سفر و حضر میں وتر کے واسطے تین رکعت ضروری ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سفر میں بھی وتر کی تین رکعت بعد نماز عشاء پہلی رات کو ضرور پڑھا کرتے ہیں۔ ؎۴

؎۱ :۔ بخاری باب ساعات الوتر الخ صفحہ ۱۳۵ ؛ ؎۲ :۔ مسلم باب من خاف ان لایقوم من آخر اللیل الخ صفحہ ۲۹ ؛
؎۳ :۔ ترمذی ابواب الوتر صفحہ ۶۰ باب فضل الوتر ؛ ؎۴ :۔ بدر ۱۲ر جنوری ۱۹۰۶ء ؛

وتر اور قرأۃ سُوَر

عَنْ اُبَيِّ ابْنِ كَعْبٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الْوِتْرِ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى وَفِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ بِقُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ. وَفِي الثَّالِثَةِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَلَا يُسَلِّمُ اِلَّا فِي الْاٰخِرَةِ ۔ [۱]

یعنی حضرت اُبَیّ بن کعب کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سورہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھتے ۔ دوسری میں سورہ کافرون اور تیسری میں سورہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۔ سلام صرف آخر میں تینوں رکعت پڑھ کر پھیرتے ۔

سوال :۔ وتر نماز کی آخری رکعت میں دعائے قنوت پڑھنا اگر بھول جائے تو سجدہ سہو واجب ہے یا نہیں؟

جواب :۔ سجدہ سہو واجب نہیں ۔ کیونکہ وتروں میں بالالتزام دُعاءِ قنوت پڑھنا ہمارے نزدیک واجب اور ضروری نہیں ہے بلکہ مستحب اور باعثِ ثواب ہے ۔

وتروں کے بعد نفل

سوال :۔ وتر ادا کرنے کے بعد نوافل پڑھے جا سکتے ہیں یا نہیں اور اگر نوافل پڑھے جا سکتے ہیں تو کیا دوبارہ وتر پڑھنے ضروری ہیں؟

جواب :۔ عشاء کی نماز اور وتر پڑھنے کے بعد طلوع فجر سے پہلے نوافل پڑھے جا سکتے ہیں اس میں کوئی شرعی روک نہیں ۔ تاہم بہتر یہی ہے کہ نوافل وتر کی نماز سے پہلے ادا کئے جائیں اور رات کی نفل نماز کا اختتام وتر پر کیا جائے ۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا :۔

" اِجْعَلُوْا اٰخِرَ صَلٰوتِكُمْ مِنَ اللَّيْلِ وِتْرًا " ۔ [۲]

کہ رات کی آخری نماز وتر ہونی چاہیئے لیکن اگر کوئی عشاء کی نماز کے ساتھ ہی وتر پڑھ لے اور پھر تہجد کے وقت اُٹھ کر نوافل پڑھے تو ضروری نہیں کہ وہ دوبارہ وتر بھی پڑھے ۔ حضرت ابوبکرؓ اور کئی

---

[۱] :۔ نسائی کتاب قیام اللیل باب القرأۃ فی الوتر ص۲۰۳ ؎

[۲] :۔ مسلم باب صلوٰۃ اللیل مثنی مثنی والوتر من آخر اللیل ص۲۰۹ ج۱ ؎

جلیل القدر صحابیؓ کا یہی مسلک تھا کہ وہ بعد میں دوبارہ وتر پڑھنے کو ناپسند کرتے تھے۔ ہاں حضرت ابن عمرؓ اور چند ایک دوسرے علماء کی رائے یہ ہے کہ پچھلی رات نوافل پڑھنے کے بعد دوبارہ وتر کی نماز پڑھنا مستحسن ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ پچھلی رات اُٹھ کر پہلے صرف ایک رکعت پڑھے۔ یہ رکعت رات کے پہلے حصّہ میں پڑھی ہوئی وتر کی ایک رکعت کے ساتھ مل کر دو۲ دو رکعت نفل یعنی دوگانہ بن جائے گی اس کے بعد اور نوافل پڑھے اور پھر آخر میں دو۲ دو رکعت کے ساتھ ایک مزید رکعت پڑھ کر اُسے وتر بنالے۔ چنانچہ ابن عمرؓ سے روایت ہے:۔

اَنَّهُ كَانَ اِذَا سُئِلَ عَنِ الْوِتْرِ قَالَ اَمَّا اَنَا فَلَوْ اَوْتَرْتُ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ ثُمَّ اَرَدْتُ اَنْ اُصَلِّيَ بِاللَّيْلِ شَفَعْتُ بِوَاحِدَةٍ مَا مَضٰى مِنْ وِتْرِيْ ثُمَّ صَلَّيْتُ مَثْنٰى مَثْنٰى فَاِذَا قَضَيْتُ صَلَاتِيْ اَوْتَرْتُ بِوَاحِدَةٍ ۔ لِاَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ اَنْ يُجْعَلَ اٰخِرُ صَلَاةِ اللَّيْلِ الْوِتْرَ [1]

کہ اگر مَیں سونے سے پہلے وتر پڑھ لوں اور پھر رات کے آخری حصّہ میں تہجد کے لئے اُٹھوں تو پہلے مَیں ایک رکعت پڑھتا ہُوں اور اس طرح رات کے پہلے حصہ کے وتر کو شفع یعنی دوگانہ بنا لیتا ہُوں۔ پھر دو۲ دو رکعت کر کے نفل پڑھتا رہتا ہُوں اور آخر میں ایک رکعت وتر پڑھتا ہُوں۔

اسی طرح حضرت علیؓ کی روایت ہے:۔

قَالَ اَلْوِتْرُ ثَلَاثَةُ اَنْوَاعٍ فَمَنْ شَاءَ اَنْ يُوْتِرَ اَوَّلَ اللَّيْلِ اَوْتَرَ فَاِنِ اسْتَيْقَظَ فَشَاءَ اَنْ يَشْفَعَهَا بِرَكْعَةٍ وَ يُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى يُصْبِحَ ثُمَّ يُوْتِرَ وَاِنْ شَاءَ رَكْعَتَيْنِ حَتّٰى يُصْبِحَ وَاِنْ شَاءَ اٰخِرَ اللَّيْلِ اَوْتَرَ ۔ [2]

یعنی وتر پڑھنے کی تین صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ رات کے پہلے حصّہ میں ہی وتر پڑھ لے اور پھر بعد میں تہجد کے لئے اُٹھے تو صرف نماز تہجد ہی پڑھے اور دوبارہ وتر نہ پڑھے۔

دوئم یہ کہ سو کر اٹھنے کے بعد ایک رکعت پڑھ کر پہلے وتر کو شفع یعنی جفت بنا لے۔ پھر دو۲ دو رکعت تہجد پڑھتا رہے اور آخر میں پھر ایک رکعت وتر کی پڑھ لے۔

سوئم۔ یہ کہ وتر کی نماز سونے سے پہلے نہ پڑھے بلکہ تہجد کے بعد آخر میں پڑھے۔

جو بزرگ رات کے آخری حصّہ میں دوبارہ وتر پڑھنے کو پسند نہیں کرتے اُن کے دلائل یہ ہیں:۔

---

[1]: مسند احمد ص۱۳۵ ج۲۔ نیل الاوطار ص۴۶ ج۲ باب لا وتران فی لیلۃ ؛ [2]: مسند امام شافعی بحوالہ نیل الاوطار باب لا وتران فی لیلۃ ص۴۶ ج۲ ؛

الف :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا کبھی نہیں کیا۔

ب :۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ایک رات میں دو دفعہ وتر نہ پڑھے جائیں اور صورت مذکورہ میں تو ایک طرح سے تین دفعہ وتر پڑھنے کی شکل بن جاتی ہے۔

ج :۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک رکعت تو سونے سے پہلے پڑھی جائے اور پھر درمیان میں انسان سوئے۔ پیشاب پاخانہ کرے۔ باتیں کرے۔ وضو کرے اور پھر ایک رکعت پڑھے اور وہ پہلے پڑھی ہوئی رکعت کا حصہ بن کر ۲ دو رکعت کی ایک نماز یعنی دوگانہ شمار ہو اصولِ نماز میں ہمیں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

د ۔ آخری نماز ہونے کا حکم عمومی ہے لازمی نہیں۔ کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات وتروں کے بعد ۲ دو رکعت نفل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ جیسا کہ مندرجہ ذیل حدیث سے ثابت ہوتا ہے :۔

عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ قَالَ سُئِلَتْ عَائِشَۃُ عَنْ صَلٰوۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ کَانَ یُصَلِّیْ ثَلَاثَ عَشَرَۃَ رَکْعَۃً یُصَلِّیْ ثَمَانِ رَکْعَاتٍ ثُمَّ یُوْتِرُ ثُمَّ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ وَھُوَ جَالِسٌ فَاِذَا اَرَادَ اَنْ یَّرْکَعَ قَامَ فَرَکَعَ ثُمَّ یُصَلِّیْ رَکْعَتَیْنِ بَیْنَ النِّدَاءِ وَالْاِقَامَۃِ مِنْ صَلٰوۃِ الصُّبْحِ۔ [1]

پس ضروری نہیں کہ رات کی آخری نماز کو وتر بنانے کے لئے یہ حیلہ اختیار کیا جائے۔ تاہم اگر کوئی چاہے تو حضرت ابن عمرؓ کے مسلک کو اختیار کرتے ہوئے ایسا کر سکتا ہے۔

وتر باجماعت

سوال :۔ رمضان المبارک میں تراویح کے ساتھ وتر بھی باجماعت پڑھے جاتے ہیں۔ کیا ایسا کرنا ضروری ہے؟

جواب :۔ رمضان المبارک میں وتر کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بارہ میں بعض احادیث سے استنباط ہوتا ہے۔ مثلاً

I ۔ اَخْرَجَ ابْنُ حِبَّانَ فِیْ صَحِیْحِہٖ مِنْ حَدِیْثِ جَابِرٍ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلّٰی بِھِمْ ثَمَانِ رَکْعَاتٍ ثُمَّ اَوْتَرَ۔ [2]

---

[1] مسلم باب جواز النافلۃ قائما وقاعدا ص ۲۸۳ ج ۱

[2] نیل الاوطار باب صلوٰۃ التراویح ج ۳ ص ۵۳

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو آٹھ رکعت نماز پڑھائی اور پھر وتر پڑھائے۔

II عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيْدَ اَنَّهٗ قَالَ اَمَرَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ وَتَمِيْمَ الدَّارِيَّ اَنْ يَقُوْمَا لِلنَّاسِ بِاِحْدٰى عَشَرَةَ رَكْعَةً۔ [1]

یعنی حضرت عمرؓ نے ابی بن کعبؓ اور تمیم داریؓ کو فرمایا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعت (بشمول وتر) تراویح پڑھایا کریں۔

III اَخْرَجَ اَبُوْدَاؤُدَ اَنَّ اُبَيَّ بْنَ كَعْبٍ كَانَ يَؤُمُّهُمْ فِي التَّرَاوِيْحِ وَيَقْنُتُ فِي النِّصْفِ الْاٰخِرِ مِنْ رَمَضَانَ۔ [2]

یعنی حضرت اُبَی تراویح پڑھاتے اور رمضان کے نصف آخر میں وتروں میں قنوت بھی پڑھتے۔

ان احادیث کی بناء پر ائمہ فقہ رمضان المبارک میں وتر باجماعت کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حنفیوں کی مشہور کتاب ہدایہ میں ہے:۔

لَا يُصَلِّي الْوِتْرُ بِجَمَاعَةٍ فِيْ غَيْرِ رَمَضَانَ عَلَيْهِ اِجْمَاعُ الْمُسْلِمِيْنَ [3]

سوال:۔ وتر نماز کی قضاء کی جائے یا نہیں؟

جواب:۔ فرضوں کی قضاء ضروری ہوتی ہے۔ وتروں کی قضاء اس طرح ضروری تو نہیں لیکن پڑھنا اولیٰ ہے۔ طلوع فجر کے بعد نماز سے پہلے پہلے بھی اور سورج نکلنے کے بعد بھی جس وقت چاہے وتروں کی قضاء کر سکتا ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

(۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا لَمْ يُصَلِّ مِنَ اللَّيْلِ مَنَعَهٗ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْمُ اَوْ غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ صَلّٰى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً۔ [4]

(۲) عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ نَامَ عَنِ الْوِتْرِ اَوْ نَسِيَهٗ فَلْيُصَلِّ اِذَا ذَكَرَ وَاِذَا اسْتَيْقَظَ [5]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سو جانے کی وجہ سے وتر نہیں پڑھ سکا وہ جاگنے پر جب یاد آئیں وتر پڑھ لے۔

---

[1]:۔ مؤطا امام مالک باب الترغیب فی الصلوٰۃ فی رمضان ص۴۲ ؛ [2]:۔ حاشیہ شرح وقایہ ص۲۰۱ ؛
[3]:۔ ہدایہ۔ فصل فی قیام رمضان ص۱۱۱ ؛ [4]:۔ ترمذی ابواب صلوٰۃ اللیل ص۵۹ ؛
[5]:۔ ترمذی ابواب الوتر باب فی الرجل ینام عن الوتر ص۶۱ ؛

نمازِ تہجد

عشاء کی نماز کے بعد سو جانا اور پھر پچھلی رات اُٹھ کر عبادت کرنا اور نماز پڑھنا باعث برکت ہے۔ رات کا آخری حصہ بالخصوص قبولیتِ دُعا اور تقرب الی اللہ کا بہت بڑا ذریعہ ہے کیونکہ اس وقت انسان اپنی میٹھی نیند اور آرام دہ بستر کو چھوڑ کر اپنے مولائے حقیقی کے حضور سجدہ ریز ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

(۱) وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ ؎۱

اور رات کو بھی تو اس (قرآن) کے ذریعہ سے کچھ سو لینے کے بعد شب بیداری کیا کر۔

(۲) يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۙ ؎۲

اے چادر میں لپٹے ہوئے (خدا کی رحمت کا انتظار کرنے والے) راتوں کو اُٹھ اُٹھ کے عبادت کر۔ جس سے ہماری مراد یہ ہے کہ رات کا اکثر حصہ عبادت میں گذارا کر یعنی اُس کا نصف یا نصف سے کچھ کم کر دے یا اس پر کچھ اور بڑھا دے۔ اور قرآن کو خوش الحانی سے پڑھا کر۔

تہجد کی نماز آٹھ رکعت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ یہ نماز پڑھی ہے۔ آپ تہجد کی نماز بالعموم دو دو رکعت کر کے پڑھتے تھے۔ لمبی قرأت اور لمبے لمبے رکوع و سجود کے علاوہ خوب دُعائیں کرتے۔ پھر آخر میں تین رکعت وتر ادا[۳] فرماتے۔ اس طرح سے آپ بالعموم رات کے پچھلے حصہ میں کل گیارہ رکعت نماز پڑھا کرتے تھے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

"ہماری جماعت کو چاہیئے کہ وہ تہجد کی نماز کو لازم کر لیں جو زیادہ نہیں وہ دو رکعت ہی پڑھ لے۔ کیونکہ اس کو دُعا کرنے کا موقع مل جاوے گا۔ اس وقت کی دعاؤں میں ایک خاص تاثیر ہوتی ہے کیونکہ وہ سچے درد اور سچے جوش سے نکلتی ہیں جب تک ایک خاص سوز اور درد دل نہ ہو اس وقت ایک شخص خواب راحت سے بیدار کب ہو سکتا ہے۔ پس اس وقت کا اُٹھنا ہی ایک دردِ دل پیدا کر دیتا ہے جس سے دُعا میں رقت اور اضطراب کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اٹھنے میں سستی اور غفلت سے کام لیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ درد اور سوز دل میں نہیں کیونکہ نیند تو غم کو دُور کر دیتی ہے لیکن جبکہ نیند سے بیدار ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ کوئی درد اور غم نیند سے بھی بڑھ کر ہے جو بیدار کر رہا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کثرت سے نوافل ادا کرتے آپ آٹھ رکعت نماز نفل

؎۱: بنی اسرائیل: ۸۰ ؎۲: مزمل: ۲ تا ۵ ؎۳: بخاری باب قیام النبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل ص۱۵۲

اور تین وتر پڑھتے۔ کبھی ایک ہی وقت میں ان کو پڑھ لیتے اور کبھی اس طرح سے ادا کرتے کہ دو۲ رکعت پڑھ لیتے اور پھر سو جاتے اور پھر اُٹھتے اور دو۲ رکعت پڑھ لیتے اور سو جاتے غرض سو کر اور اُٹھ کر نوافل اس طرح ادا کرتے۔" ۱

نوافل میں سے نماز تہجد اعلیٰ ارفع اور سب سے زیادہ مؤکدہ نماز ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر مداومت فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں بے اندازہ برکات رکھی ہیں اور قرآن پاک میں اس کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی ہے۔ نماز تہجد کی آٹھ رکعتیں ہیں اور وتروں سمیت گیارہ رکعتیں۔ اس کا وقت نماز عشاء کے بعد سو کر کسی وقت اُٹھنے سے لے کر صبح صادق کے طلوع ہونے تک ہے۔ اس وقت میں جب چاہے نیند سے بیدار ہو کر یہ نماز ادا کرے لیکن زیادہ بہتر یہ ہے کہ شروع رات میں جلد سو جائے اور پھر رات کی آخری تہائی میں اُٹھ کر یہ نماز ادا کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں روایت ہے کہ:۔

كان يصلى ثلاث عشرة ركعة يصلى ثمان ركعات ثم يوتر ثم يصلى ركعتين وهو جالس فاذا اراد ان يركع قام فركع ثم يصلى ركعتين بين النداء والاقامة من صلاة الصبح۔ ۲

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت کل تیرہ رکعت اس طرح پڑھتے تھے کہ پہلے دو دو۲ کر کے آٹھ رکعت پڑھتے پھر تین وتر پڑھتے پھر بیٹھ کر دو۲ رکعت پڑھتے اس کے بعد جب اذان ہوتی تو دو۲ رکعت سنت فجر ادا فرماتے۔

اگر وتر یا تہجد کی نماز فوت ہو جائے تو بعد میں کسی وقت اُن کی قضاء کی جا سکتی ہے یہ قضاء جائز اور موجب ثواب ہے۔ ضروری نہیں۔ ۳

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"تہجد کے فوت ہونے یا سفر سے واپس آکر پڑھنا ثابت ہے۔ لیکن تعبّد میں کوشش کرنا اور کریم کے دروازے پر پڑے رہنا عین سنّت ہے۔ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝۴" ۵

۱:۔ الحکم ۱۰ اپریل ۱۹۰۲ء، فتاویٰ مسیح موعود ص۷۰۔ ۲:۔ مسلم ص۲۸۳ جلد ۱

۳:۔ (۱) نیل الاوطار باب قضاء مایفوت من الوتر والسنن الخ ص۴۲ (۲) نیل الاوطار ماجاء فی قیام اللیل ص۵۶۔

۴:۔ سورۃ انفال آیت ۴۶۔ ۵:۔ مکتوبات احمدیہ جلد اول ص۲، فتاویٰ مسیح موعود ص۲۱۔

"اگر کوئی شخص بیمار ہو یا کوئی ایسی وجہ ہو کہ وہ تہجد کے نوافل ادا نہ کر سکے تو وہ اُٹھ کر استغفار درود شریف اور الحمد شریف ہی پڑھ لیا کرے۔" [۱]

نمازِ تراویح

نمازِ تراویح دراصل تہجد ہی کی نماز ہے صرف رمضان المبارک میں اس کے فائدہ کو عام کرنے کے لئے رات کے پہلے حصّہ میں یعنی عشاء کی نماز کے معًا بعد عام لوگوں کو پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے اس نماز کا زیادہ تر رواج حضرت عمرؓ کے زمانہ میں پڑا۔ رمضان میں بھی رات کے آخری حصّہ میں یہ نماز ادا کرنا افضل ہے۔

نمازِ تراویح میں قرآن کریم سنانے کا طریق بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم کے زمانہ سے چلا آیا ہے۔ تراویح کی نماز آٹھ رکعت ہے تاہم اگر کوئی چاہے تو بیس۲۰ یا اس سے زیادہ رکعت بھی پڑھ سکتا ہے۔ ہر چار رکعت کے بعد تھوڑی دیر کے لئے سستا لینا مستحب ہے۔

سوال:۔ تراویح کے متعلق عرض ہوا کہ جب یہ تہجد ہے تو بیس۲۰ رکعت پڑھنے کی نسبت کیا ارشاد ہے کیونکہ تہجد تو مع وتر گیارہ یا تیرہ رکعت ہے؟

جواب میں فرمایا:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت دائمی تو وہی آٹھ رکعات ہیں۔ اور آپ تہجد کے وقت ہی پڑھا کرتے تھے اور یہی افضل ہے۔ مگر پہلی رات بھی پڑھ لینا جائز ہے۔ ایک روایت[۲] میں ہے کہ آپ نے رات کے اوّل حصّہ میں اسے پڑھا۔ ۲۰ رکعات بعد میں پڑھی گئیں۔ مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت وہی تھی جو پہلے بیان ہوئی۔[۳]

(۲) تراویح کی رکعتوں کے بارہ میں اصولاً یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ ہمارے نزدیک خاص تعداد کی پابندی ضروری نہیں اگر کوئی آٹھ رکعتوں کی بجائے بیس۲۰ رکعتیں پڑھتا ہے تو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔ روایت میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں بیس۲۰ رکعت تراویح بھی پڑھائی گئی ہے لیکن جہاں تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوامی عمل کا تعلق ہے آپؐ اکثر آٹھ رکعت ہی پڑھتے تھے۔ اور تہجد کے وقت میں پڑھتے تھے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

---

[۱]:۔ مکتوبات احمدیہ ص۲/۱، الحکم اپریل ۱۹۰۲ء، فتاوی مسیح موعود ص۱/۲۔ [۲]:۔ مسند احمد ص۱۰۲/۵، نیل الاوطار ص۵۱/۳، نصب الرایہ ص۱۵۲/۲۔ [۳]:۔ البدر ۶ فروری ۱۹۰۸ء، فتاوی مسیح موعود ص۲/۲۔

عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّهٗ سَأَلَ عَائِشَةَ كَیْفَ كَانَتْ صَلٰوةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ رَمَضَانَ قَالَتْ مَا كَانَ یَزِیْدُ فِیْ رَمَضَانَ وَلَا فِیْ غَیْرِهٖ عَلٰی اِحْدٰی عَشْرَةَ رَكْعَةً یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ اَرْبَعًا فَلَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُوْلِهِنَّ ثُمَّ یُصَلِّیْ ثَلَاثًا ۔ [1]

یعنی ابوسلمہؓ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں رات کے وقت کتنی رکعت نماز پڑھتے تھے ۔ آپ نے فرمایا رمضان ہو یا غیر رمضان آپ گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے ۔ چار رکعت بڑی لمبی اور بڑی عمدگی سے پڑھتے پھر چار رکعت بڑی لمبی اور بڑی عمدگی سے پڑھتے ۔ اس کے بعد تین وتر پڑھتے ۔ گویا آٹھ رکعت الگ اور تین الگ ۔

ایک اور روایت میں ہے :۔

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ لَیْلَةً مِنْ جَوْفِ اللَّیْلِ فَصَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ [2]

اس روایت سے ظاہر ہے کہ آٹھ رکعت تراویح پڑھنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہے باقی چونکہ تراویح نفل نماز ہے اس لئے اگر کوئی زیادہ رکعت پڑھنا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے ۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں لوگ بیس رکعت پڑھنے لگے تھے تاکہ ہر رکعت کی قرأت جلدی جلدی ختم ہو اور ایک ہی رکعت میں لوگوں کو دیر تک نہ کھڑا ہونا پڑے ۔ کیونکہ لمبی قرأت کی وجہ سے بعض اوقات لوگ تھک جاتے تھے ۔ [3]

سوال :۔ اگر کسی مقام پر حافظ قرآن میسّر نہ آئے تو کیا نماز تراویح میں امام کا قرآن مجید ہاتھ میں پکڑ کر دیکھ دیکھ کر تلاوت کرنا اور اس طرح نماز پڑھانا درست ہے ؟

جواب :۔ تراویح میں قرآن کریم سے دیکھ کر تلاوت کرنا یا کسی مقتدی کا قرآن دیکھ کر امام کے بولنے پر لقمہ دینا عام حالات میں مناسب نہیں اس سے قرآن کریم کے حفظ کرنے کا شوق کم ہوگا ۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو ایسا کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی ۔ ہاں اگر مجبوری ہے اور

---

[1] : بخاری باب قیام للنبی صلی اللہ علیہ وسلم باللیل ص۱۵۴ ؛ [2] : مسلم باب الترغیب فی قیام رمضان ص۲۹۳ ؛
[3] : تفصیل کے لئے دیکھیں نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ص۱۵۲ ؛

حالات کا تقاضا ہے کہ تراویح کی سنّت کا احیاء کیا جائے تو اس شاذ صورت میں اس کی اجازت مرکز سے لی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ایسے ہی حالات کے پیش نظر سابقہ ائمہ میں سے مندرجہ ذیل نے اس طریق کے اختیار کرنے کی اجازت دی ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ۔ [1]

بعض آثار میں آتا ہے کہ حضرت عثمانؓ جب نفل پڑھتے تو اپنے پاس ایک آدمی کو بٹھا لیتے جب پڑھتے پڑھتے بھول جاتے تو وہ آدمی آپ کو صحیح آیت بتلا دیتا۔ اسی طرح حضرت انسؓ نوافل پڑھتے ہوئے اپنے غلام کو قرآن کریم دے کر اپنے پہلو میں بٹھا لیتے جب بھولتے تو وہ غلام آپ کو بتاتا جاتا۔ [2]

اسی طرح حضرت عائشہؓ کے غلام ذکوان قرآن کریم سامنے رکھ کر نفل نماز پڑھاتے اور حضرت عائشہؓ مقتدی ہوتیں [3]

پس مجبوری کے حالات میں قرآن سے دیکھ کر نفل نماز میں قرأۃ جائز ہے اسی طرح قرآن کریم کے ورق الٹنا اور اس کے لئے ہاتھ سینہ سے ہٹانا بھی جائز ہے۔

سوال:۔ رمضان کے مہینہ میں اگر مغرب کی نماز میں بارش ہو رہی ہو تو کیا مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع ہوسکتی ہیں جبکہ تراویح کا باقاعدہ انتظام ہو؟

جواب:۔ رمضان کے مہینہ میں ضرورت کے پیش نظر بمطابق فیصلہ حاضر احباب مغرب وعشاء کی نمازیں جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اگر تراویح پڑھنا ہو تو نمازیں جمع کرنے کے معاً بعد پڑھی جاسکتی ہیں۔ یا جو لوگ ٹھہر سکیں وہ کافی رات گذرنے پر پڑھ لیں۔ اصولاً اس تقدیم وتاخیر میں کوئی شرعی امر مانع نہیں۔

سوال:۔ نماز تراویح کے اختتام پر جو شیرینی تقسیم کی جاتی ہے بعض احباب اس کو جائز قرار نہیں دیتے اصل حکم کیا ہے؟

جواب:۔ ایسے امور کو رواج نہ ہی دیا جائے تو بہتر ہے کیونکہ دینی معاملہ میں وہی امر قابل اعتماد ہے جس کی بنیاد قرآن وحدیث پر ہو ورنہ روز نئی نئی بدعات کے دروازے کھلتے رہیں گے اور بے اصولی بڑھے گی۔

نمازِ کسوف وخسوف

سورج گرہن کو کسوف اور چاند گرہن کو خسوف کہتے ہیں۔ اجرام فلکی میں یہ طبعی تبدیلی انسان کو اس طرف

---

[1] کتاب المیزان للشعرانی ص۱۳۱ ج۱ ⁂ [2] کشف الغمہ ص۱۸۱ ج۱ وقیام اللیل للشیخ محمد بن نصر مروزی ص۱۶۸ ⁂ [3] بخاری باب امامۃ العبد ص۹۶ ج۱ ⁂

متوجہ کرتی ہے کہ جس طرح حالات کے تغیر نے سورج اور چاند کی روشنی کو کم دیا ہے اسی طرح مختلف عوارض سے دل کے نور کو بھی گہن لگ سکتا ہے اور اس سے صرف اللہ تعالیٰ کا فضل ہی بچا سکتا ہے۔ سو اس فضل کے حصول اور روحانی مدارج میں ترقی کی طرف توجہ دلانے کے لئے کسوف و خسوف کے موقع پر ۲ دو رکعت نماز رکھی گئی ہے۔

شہر کے سب لوگ مسجد یا کھلے میدان میں جمع ہو کر یہ نمازیں پڑھیں تو زیادہ ثواب ہوگا۔ نماز با جماعت کی صورت میں قرأت بالجہر اور لمبی ہونی چاہیئے۔ حسب حالات ہر رکعت میں کم از کم ۲ دو رکوع (بعض روایات میں تین رکوع بھی آئے ہیں) کئے جائیں۔ یعنی قرأت کے بعد رکوع کیا جائے پھر قرآن کا کچھ حصہ پڑھا جائے اس کے بعد دوسرا رکوع کیا جائے اور پھر سجدہ ہو۔ اس نماز کے رکوع و سجود بھی لمبے ہونے چاہئیں۔ نماز کے بعد امام خطبہ دے جس میں توبہ و استغفار اور اصلاح حال کی تلقین کی جائے۔ [1]

نماز استسقاء

قحط سالی اور بارش کی قلت کی صورت میں خدا تعالیٰ کے فضل کو جذب کرنے اور اس کے رحم کو جوش میں لانے کے لئے لوگ دن کے وقت کھلے میدان میں جمع ہوں۔ امام ایک چادر اوڑھے ہوئے ۲ دو رکعت نماز پڑھائے۔ قرأت بالجہر ہو۔ نماز سے فارغ ہونے پر امام اونچے ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے الحاح اور عاجزی کے ساتھ یہ مسنون دعا مانگے:-

اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا غَيْثًا مُغِيْثًا مَرِيْئًا مَرِيْعًا نَافِعًا غَيْرَ ضَارٍّ۔ عَاجِلًا غَيْرَ آجِلٍ۔ اَللّٰهُمَّ اسْقِ عِبَادَكَ وَبَهَائِمَكَ وَ انْشُرْ رَحْمَتَكَ وَ اَحْيِ بَلَدَكَ الْمَيِّتَ ط اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا اَللّٰهُمَّ اسْقِنَا۔ [2]

یعنی اے اللہ ہم کو پانی پلا۔ برسنے والا۔ گھبراہٹ دور کرنے والا۔ فائدہ دینے والا۔ ضرر نہ دینے والا۔ جلد آنے والا دیر نہ کرنے والا۔ اے اللہ پانی پلا اپنے بندوں کو اپنے جانوروں کو اور پھیلا اپنی رحمت کو اور زندہ کر اپنے اس مردہ علاقہ کو اے اللہ ہم کو پانی پلا۔ اے اللہ ہم کو پانی پلا۔ اے اللہ ہم کو پانی پلا۔

---

[1] :- ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ماجاء فی صلوٰۃ الکسوف ص۷۳ ج۱ (۲) ابو داؤد کتاب الکسوف ص۱۶۸-۱۶۷ ج۱ ؛

[2] :- ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الاستسقاء ص۱۶۴ ج۱ (۲) حصن حصین ص۳۳۵ ؛

درود شریف ۔ استغفار اور دُعا کرنے کے بعد امام اپنی چادر اُلٹائے ۔ یہ ایک رنگ میں گویا نیک فال لینا ہے اور تصویری زبان میں اللہ تعالیٰ سے التجاء کرنا ہے کہ اے میرے خُدا جس طرح مَیں نے چادر کو اُلٹا دیا ہے اسی طرح تو قحط سالی کے ناگفتہ بہ اور پریشان کن حالات کو بدل دے [1]

نماز استخارہ

ہر اہم دینی اور دنیوی کام شروع کرنے سے پہلے اس کے بابرکت ہونے اور کامیابی کے ساتھ اس سے عُہدہ برآ ہونے کے لئے دُعا کی جائے ۔ طَلبِ خیر کی مناسبت سے اسے "صلوٰۃ الاستخارہ" کہتے ہیں ۔ رات سونے سے پہلے دو رکعت نفل پڑھے جائیں ۔ سورہ فاتحہ کے علاوہ پہلی رکعت میں سورۃ کافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھنا مسنون ہے ۔ قعدہ میں تشہد ۔ درود شریف اور ادعیہ مسنونہ کے بعد عجز و انکسار کے ساتھ مندرجہ ذیل دُعا پڑھنا مسنون ہے :۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِيْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِيْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۔ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَيْرٌ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَيَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِيْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِيْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَيْرَ حَيْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ ۔ [2]

یعنی اے اللہ مَیں بھلائی چاہتا ہُوں جو تیرے علم میں ہے اور قدرت چاہتا ہوں جو تیری توفیق سے ہی مل سکتی ہے اور مانگتا ہُوں تیرے بڑے فضلوں کو کیونکہ تو طاقت رکھتا ہے اور مَیں طاقت نہیں رکھتا اور تُو جانتا ہے اور مَیں نہیں جانتا اور تُو تمام غیب کی باتوں کو جاننے والا ہے ۔ اے اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام جو مجھے درپیش ہے (کام کا نام بھی لے سکتا ہے) میرے لئے دین اور دُنیا میں اور انجام کے لحاظ سے بہتر ہے تو اس کو میرے واسطے مقدر فرما اور اس کو میرے لئے آسان کر دے ۔ پھر میرے لئے اس میں برکت ڈال دے اور اگر تُو جانتا ہے کہ یہ کام میرے دین اور میری دُنیا کے لئے اور انجام کے لحاظ سے مضر ہے تو اس کو مجھ سے دُور ہٹا دے اور مجھ کو اس سے دُور رکھ اور میرے لئے بھلائی مقدر فرما

---

[1] :۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الاستسقاء صفحہ ۱۶۴ ۔ [2] : بخاری کتاب الدعوات باب الدعاء عند الاستخارۃ و ترمذی صفحہ ۶۳ ، ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الاستخارۃ صفحہ ۹۸ ؛

جہاں کہیں بھی وہ ہو اور پھر اس بارہ میں مجھے تسکین و رضا عطا فرما۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"آج کل اکثر مسلمانوں نے استخارہ کی سنّت کو ترک کر دیا ہے حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیش آمدہ امر میں استخارہ فرمالیا کرتے تھے۔ سلف صالحین کا بھی یہی طریق تھا۔ چونکہ دہریت کی ہوا پھیلی ہوئی ہے اس لئے لوگ اپنے علم و فضل پر نازاں ہو کر کوئی کام شروع کر لیتے ہیں اور پھر نہاں در نہاں اسباب سے جن کا انہیں علم نہیں ہوتا ہے نقصان اٹھاتے ہیں۔ اصل میں یہ استخارہ ان بدرسومات کی عوض میں رائج کیا گیا تھا جو مشرک لوگ کسی کام کی ابتداء سے پہلے کرتے تھے۔ لیکن اب مسلمان اسے بھول گئے حالانکہ استخارہ سے ایک عقل سلیم عطاء ہوتی ہے جس کے مطابق کام کرنے سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔"[1]

صلوٰۃ الحاجۃ

اگر کسی شخص کو کوئی حاجت یا ضرورت درپیش ہو کسی سے کوئی کام نکلوانا ہو تو اس کے لئے دُعا کا ایک طریق جو حدیث میں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اچھی طرح وضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھی جائے۔ نماز سے فارغ ہو کر ثناء اور درود پڑھے اور پھر مندرجہ ذیل دُعا مانگے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اُمید ہے کہ وہ اس کی ضرورت کے پورا کرنے کے سامان کر دے گا۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ اس کا کام ہو جائے گا۔

دُعا یہ ہے:۔

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ. سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ. اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ. اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَ عَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَ الْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَّ السَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ. لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَكَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ[2]

یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں وہ حلم والا اور کرم والا ہے۔ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور عرشِ عظیم کا مالک ہے۔ سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جو رب العٰلمین ہے۔ اے اللہ میں تجھ سے تیری رحمت کے سامان چاہتا ہوں اور تیری مغفرت کے وسائل مانگتا ہوں۔ ہر نیکی سے وافر حصّے اور ہر گناہ سے بچنے کی درخواست کرتا ہوں۔ میرا کوئی گناہ نہ رہے تو سب بخش دے۔ کوئی غم نہ رہے تو سب دُور کر دے اور میری ہر ضرورت جس پر تو

---

[1]: البدر ۱۳؍جون ۱۹۰۷ء، فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۱۱۶ ؛ [2]:۔ ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الحاجۃ صفحہ ۶۳ جلد ۱ ؛

خوش ہے پُوری کر دے۔ اے سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والے ؛

نمازِ اشراق

نیزہ بھر سورج نکل آنے کے بعد دو رکعت نماز پڑھنا اس کے بعد جب دھوپ اچھی طرح نکل آئے اور گرمی کچھ بڑھ جائے تو چار رکعت یا آٹھ رکعت پڑھنا۔ بعض روایات سے ثابت ہے پہلی دو رکعت کو صلوٰۃ الاشراق اور اس کے بعد کی نماز کو صلوٰۃ الضُّحیٰ کہا گیا ہے۔ صلوٰۃ الاوّابین بھی اسی نماز کا نام ہے۔ بعض کے نزدیک مغرب کے بعد جو نوافل ادا کئے جاتے ہیں انہی نوافل کا دوسرا نام صلوٰۃ الاوّابین[1] ہے بہرحال یہ نفل نماز پڑھنے کا ثواب احادیث سے ثابت ہے۔

پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے اشراق کی رکعات پر مداومت ثابت نہیں مگر آپؐ کو جب موقع ملتا آپ انہیں ادا کرتے تھے۔ نماز اشراق کا وقت سورج کے طلوع ہونے اور نیزہ دو نیزہ بلند ہو جانے پر شروع ہوتا ہے اور قریباً دس بجے دن تک رہتا ہے۔ اس کی رکعتیں دو۔ چار۔ آٹھ یا بارہ تک ہیں۔ اس کے مطابق جتنی رکعتیں کوئی چاہے پڑھ لے۔ اس نماز کو صلوٰۃ الاوّابین اور صلوٰۃ الضُّحیٰ بھی کہتے ہیں۔

اگر کوئی شخص ذرا سویرے اشراق کی نماز چار رکعت پڑھ لے اور پھر نو یا دس بجے کے قریب چار رکعت مزید نفل پڑھے تو اس دوسری نماز کو چاشت کی نماز یا صلوٰۃ الضُّحیٰ کہیں گے۔ حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق تھا کہ جن دنوں کوئی خاص مصروفیت نہ ہوتی آپ کبھی کبھی صبح کی نماز پڑھ کر مسجد ہی میں تشریف رکھتے اور جب سورج طلوع ہونے کے بعد اتنا بلند ہو جاتا جتنا کہ مغرب سے پہلے عصر کی نماز کے آخری وقت بلند ہوتا ہے۔ یعنی دو اڑھائی نیزہ کے برابر تو آپ چار رکعت نفل ادا فرماتے۔ پھر جب سورج اتنا بلند ہو جاتا جتنا پچھلے پہر ظہر کے آخری وقت میں ہوتا ہے جسے پنجابی میں "چھاویلا" کہتے ہیں تو آپ مزید چار رکعت نفل ادا فرماتے۔ اس حدیث کو ترمذی[2] وغیرہ نے بیان کیا ہے۔ بہرحال یہ نماز گاہے گاہے کی ہے۔ اس کے لئے کوئی خاص پابندی یا اہتمام ثابت نہیں۔

سوال :۔ کیا نماز اشراق اور اوّابین علیحدہ علیحدہ نمازیں ہیں یا دونوں ایک ہی ہیں اور کس طرح اور کس وقت پڑھی جاتی ہیں؟

---

[1] :۔ قیام اللیل شیخ محمد بن نصر مروزی ص۵۶ ، ص۵۸ ؛

[2] :۔ ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب کیف کان یتطوع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالنہار ص۶۷ ؛

جواب :۔ نماز اشراق، نماز ضحیٰ اور نماز اوّابین میں اصولاً کچھ فرق نہیں۔ سب نفلی نماز کے نام ہیں۔ جب سورج اچھی طرح چڑھ آئے اور دھوپ چمک اُٹھے تو اشراق کی نماز ادا کی جائے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے :۔

صَلٰوۃُ الْاِشْرَاقِ وَھِیَ رَکْعَتَانِ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْھَا اِذَا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ مِنْ مَطْلِعِھَا قَیْدَ رُمْحٍ اَوْ رُمْحَیْنِ وَکَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَقُوْلُ صَلٰوۃُ الْاِشْرَاقِ ھِیَ صَلٰوۃُ الضُّحٰی ۔ [۱]
عَنْ زَیْدِ ابْنِ اَرْقَمَ قَالَ خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَھْلِ قُبَاءَ وَھُمْ یُصَلُّوْنَ الضُّحٰی فَقَالَ صَلٰوۃُ الْاَوَّابِیْنَ اِذَا رَمِضَتِ الْفِصَالُ مِنَ الضُّحٰی ۔ [۲]

تاہم ایک مرسل حدیث سے یہ بھی پتہ لگتا ہے کہ مغرب کے بعد اور عشاء سے پہلے جو چھ[۶] رکعت نوافل پڑھے جاتے ہیں وہ صلوٰۃ الاوابین ہیں ۔ [۳]

صلوٰۃُ التسبیح

ترمذی اور بعض دوسری کتب حدیث میں صلوٰۃ تسبیح کی بڑی فضیلت بیان ہوئی ہے۔ یہ نفلی نماز ہے حسب فرصت و توفیق روزانہ، ہفتہ یا سال یا عمر بھر میں ایک بار اوقات مکروہہ کے علاوہ کسی وقت بھی یہ چار رکعت نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ اور کوئی دوسری سورۃ پڑھنے کے بعد پندرہ دفعہ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ کہے۔ پھر رکوع میں تسبیحات کے بعد یہی ذکر دس بار دہرائے پھر رکوع سے کھڑے ہو کر تسمیع و تحمید کے بعد پھر ہر سجدہ میں تسبیحات کے بعد۔ پھر دُعائے بین السجدتین کے بعد۔ اس کے علاوہ ہر رکعت کے دوسرے سجدہ کے بعد بیٹھ کر دس دس دفعہ یہی مندرجہ بالا ذکر کرے۔ اس طرح گویا ایک رکعت میں پچھتر بار اور چار رکعتوں میں تین سو[۳۰۰] بار یہ ذکر دہرایا جائے گا۔ [۴]

نوافل کے بارہ میں یہ اصول ہمیشہ مدّ نظر رہنا چاہیئے کہ ان کی اہمیّت فرائض کے بعد ہے اور ان کا

---

[۱] :۔ کشف الغمہ صفحہ ۲۱۳ ؛ [۲] :۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ الاوّابین حین ترمض الفصال صفحہ ۲۸۷ ؛
[۳] :۔ نیل الاوطار باب ماجاء فی الصلاۃ بین العشاءین صفحہ ۵۵ ؛ [۴] :۔ ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ التسبیح صفحہ ۶۳ ؛

فائدہ تبھی ہے جبکہ انسان حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق ہر قسم کے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرنے والا نہ ہو۔ بہرحال صلوٰۃ التسبیح ایک نفل نماز ہے چاہے کوئی پڑھے چاہے نہ پڑھے۔

سوال:۔ کیا صلوٰۃ التسبیح باجماعت ادا کی جا سکتی ہے؟

جواب:۔ جہاں تک صلوٰۃ التسبیح کا تعلق ہے احادیث سے اس کا جواز ثابت ہے بلکہ اس کی ترغیب دی گئی ہے۔ لیکن یہ ایک انفرادی اور خلوت کی نماز ہے اس کے لئے جماعت نہ مسنون ہے نہ معروف۔ حضور علیہ السلام کے صحابہ یا آپؐ کے بروزِ کامل حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا آپ کے خلفاء و صحابہ نے اس نماز کے باجماعت ادا کرنے کو کبھی پسند نہیں کیا۔ اس لئے یہ نماز اسی حد کے اندر رہ کر ادا کرنی چاہیئے جس حد کی وضاحت احادیث میں آئی ہے۔

سوال:۔ نمازِ تسبیح اور قضاء عمری میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ نمازِ تسبیح اور قضاء عمری میں سند کے لحاظ سے تو یہ فرق ہے کہ نمازِ تسبیح کی سند صحاح ستہ میں موجود ہے۔ گو درجہ کے لحاظ سے وہ دوسری احادیث کے مقابلہ میں کمزور ہے۔ لیکن قضاء عمری کی کوئی معتبر سند موجود نہیں۔ دوسرے نمازِ تسبیح میں ایسا کوئی تصوّر نہیں کہ یہ فرائض کے قائمقام ہے لیکن قضاء عمری کے پس منظر میں یہ تصوّر ہے کہ یہ فوت شدہ فرائض کا ٹھیک ٹھیک مداوا ہے۔ حالانکہ شرعی اصول کے لحاظ سے یہ ایک بالکل غلط تصوّر ہے۔

سجدۂ تلاوت

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل چودہ آیات میں سے کسی ایک کی تلاوت کرتے وقت یا سُنتے وقت انسان خواہ کھڑا ہو یا بیٹھا اُسے سجدہ میں گر جانا چاہیئے۔ اس طرح سجدہ کرنے کو سجدۂ تلاوت کہتے ہیں۔ یہ سجدہ جتنا جلدی بجا لایا جا سکے اُتنا ہی اچھا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے لئے وضو کا ہونا بھی کوئی ایسا ضروری نہیں۔ اس سجدہ میں تسبیحات مسنونہ کے علاوہ یہ دُعا پڑھنا احادیث میں مروی ہے:۔

سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهٗ وَشَقَّ سَمْعَهٗ وَبَصَرَهٗ بِحَوْلِهٖ وَقُوَّتِهٖ[1]

میرا چہرہ سجدہ ریز ہے اس ذات کے سامنے جس نے اِسے پیدا کیا اور اپنی قدرتِ خاص سے اسے سننے اور دیکھنے کی قوت عطا کی۔

نیز یہ دُعا بھی پڑھ سکتا ہے:۔

اَللّٰهُمَّ سَجَدَ لَكَ سَوَادِيْ وَاٰمَنَ بِكَ فُؤَادِيْ ۔ یا

---

[1]:۔ ترمذی باب مایقول فی سجود القرآن ص۱۸۱/۱

سَجَدَ لَكَ رُوْحِيْ وَجَنَانِيْ ۔

امام الصلوٰۃ اگر نماز میں یا نماز کے بعد سجدۂ تلاوت کرے تو مقتدی بھی ساتھ سجدہ کریں ۔ آیات سجدہ کی نشان دہی درج ذیل ہے :۔

(۱) وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ۔ (سورۃ اعراف : ۲۰۶)

(۲) بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ (سورۃ رعد : ۱۶) (۳) وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۔ (سورۃ نحل : ۵۰)

(۴) وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ۔ (بنی اسرائیل : ۱۱۰) (۵) خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۔ (مریم : ۵۹)

(۶) اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (حج : ۱۹) بعض کے نزدیک سورہ حج میں دو سجدے ہیں دوسرا سجدہ ذیل کی آیت پر ہے :۔ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۔ (حج : ۷۸)

(۷) وَزَادَهُمْ نُفُوْرًا ۔ (الفرقان : ۶۱) (۸) هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ ۔ (نمل : ۲۶)

(۹) وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۔ (السجدہ : ۱۶) (۱۰) خَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۝ (ص : ۲۵)

(۱۱) وَهُمْ لَا يَسْـَٔمُوْنَ ۝ (حٰمٓ سجدہ : ۳۹) (۱۲) فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۔ (نجم : ۶۳)

(۱۳) لَا يَسْجُدُوْنَ (سورۃ انشقاق : ۲۲) (۱۴) وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۔ (سورۃ علق : ۲۰)

سوال :۔ نماز کے دوران سجدہ تلاوت کس طرح کیا جائے ؟

جواب :۔ سجدہ تلاوت کرنے کا طریق یہ ہے کہ جونہی آیت سجدہ کی تلاوت ختم ہو اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ میں گر جائے ۔ تین بار سُبْحَانَ رَبِّيَ الْاَعْلٰى کہے چاہے تو اور کوئی دُعا کرے جیسا کہ بعض ادعیہ کا ذکر ہو چکا ہے ۔ اس کے بعد اللہ اکبر کہتے ہوئے سجدہ سے اُٹھے ۔

نماز میں اگر آیت سجدہ کی تلاوت کی جائے تو آیت پڑھتے ہی سجدہ کیا جائے لیکن یہ بھی جائز ہے کہ آیت ختم کرتے ہی رکوع میں چلا جائے اس صورت میں یہ رکوع اس سجدۂ تلاوت کا بدل بن جائے گا ۔ اگر ایک وقت یا ایک مجلس میں ایک آیت سجدہ کو کئی بار دہرائے یا مختلف آیات سجدہ پڑھے تو سب کے لئے ایک سجدہ کافی ہوگا ۔ لیکن اگر ہر آیت پڑھنے کے بعد جگہ بدل لے یا وقفہ کے بعد مختلف اوقات میں پڑھے تو پھر ہر قرأت کے لئے الگ سجدہ کرنا چاہیئے ۔

سوال :۔ سجدہ تلاوت کے بارہ میں کیا حکم ہے ؟

جواب :۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سجدۂ تلاوت واجب ہے ۔ دیگر ائمہ مثلاً امام شافعیؒ ۔ امام مالکؒ کے نزدیک سنت ہے ۔ اس سلسلہ میں بخاری کی مندرجہ ذیل روایات قابل غور ہیں :۔

عَنْ عُمَرَؓ اَنَّهٗ قَرَاَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَوْمَ الْجُمُعَةِ سُوْرَةَ النَّحْلِ حَتّٰى جَآءَ

السَّجْدَةَ فَنَزَلَ فَسَجَدَ وَ سَجَدَ النَّاسُ حَتّٰى إِذَا كَانَتِ الْجُمُعَةُ الْقَابِلَةُ قَرَأَ بِهَا حَتّٰى إِذَا جَاءَ السَّجْدَةَ قَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا نَمُرُّ بِالسُّجُوْدِ فَمَنْ سَجَدَ فَقَدْ أَصَابَ وَ مَنْ لَمْ يَسْجُدْ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ ولم يسجد عُمَرُ وَزَادَ نَافِعٌ عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَفْرِضِ السُّجُوْدَ إِلَّا أَنْ نَّشَاءَ [1]

---

[1] بخاری باب من رای ان اللہ عزوجل لم یوجب السجود ص۱۴۶ جلد اوّل۔

آدابِ مسجد

مسجد خدا کا گھر ہے اس میں نماز اور ذکر الٰہی ہونا چاہیئے۔ دنیوی معاملات سے متعلق باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ اسی طرح شور بھی نہیں ہونا چاہیئے۔ مساجد صاف ستھری ہوں۔ صفیں پاک ہوں۔ مسجد میں خوشبو جلانا بھی مستحسن ہے۔ اسی طرح مسجد میں صاف کپڑے پہن کر اور خوشبو لگا کر جانا پسندیدہ ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں کھا کر جانا چاہیئے جس سے بُو آتی ہو مثلاً پیاز۔ لہسن اور مولی وغیرہ [1]

مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے کی دُعا یہ ہے :-

بِسْمِ اللّٰهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ ۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ ذُنُوْبِيْ وَافْتَحْ لِيْ اَبْوَابَ رَحْمَتِكَ ۔

اللہ کے نام کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اور سلامتی ہو۔ اے میرے اللہ میرے گناہ بخش اور میرے لئے اپنی رحمت اور فضل کے دروازے کھول دے [2]

سوال :۔ مسجد زیر تعمیر ہے۔ کیا عورتوں کے لئے مسجد کے دائیں پہلو جگہ بنائی جائے یا بائیں پہلو ؟

جواب :۔ اصل حکم جو احادیث سے ثابت ہے اور ائمہ فقہ میں متفق علیہ ہے وہ یہ ہے کہ عورتوں کی صفیں مردوں کی صفوں کے پیچھے ہوں لیکن ایسا کرنے میں اگر کوئی دقت ہو اور پیچھے کی بجائے پہلو میں جگہ متعین کرنی پڑے تو پھر مردوں کی صفوں سے بائیں جانب جگہ متعین کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ گو یہ ضروری نہیں۔ سابق ائمہ یا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عورتوں کی صف پہلو میں بنانے کے بارہ میں کوئی تصریح نہیں مل سکی۔

قادیان کی مسجد اقصیٰ میں عورتوں کی صف بائیں جانب اور مسجد مبارک میں دائیں جانب ہوا کرتی تھی۔ اور اب ربوہ کی مسجد مبارک میں بائیں جانب اور مسجد اقصیٰ میں اُوپر کی گیلری میں پیچھے اور دائیں و بائیں صفیں بنتی ہیں۔

---

[1] :۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب نھی من اکل ثوما او بصلا او کراثا او نحوھا۔ صفحہ ۲۰۹ مصری ٭

[2] :۔ ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما یقول عند دخوله المسجد صفحہ ۴۳ ٭

سوال :۔ کیا مسجد کا صحن مسجد کا حصّہ ہوتا ہے ؟

جواب :۔ جس جگہ کی حد بندی اس غرض سے کر دی جائے کہ یہ مسجد ہے یہاں لوگ نماز پڑھیں اور اس کی عام اجازت ہو اور لوگ اس جگہ میں نماز پڑھنا شروع کر دیں تو یہ جگہ مسجد کہلائے گی مسجد کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس پر چھت بھی ہو۔ مسجد حرام جو سب سے بڑی اور افضل ترین مسجد ہے اس کا اکثر حصّہ بصورت صحن چھت کے بغیر ہے۔ حدیثوں میں آتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعض اوقات مسجد کے صحن میں خیمے نصب کر کے ان میں رہائش اختیار کی جاتی تھی۔ جیسا کہ حضرت سعد بن معاذ کے لئے جبکہ وہ جنگ میں زخمی ہو گئے تھے مسجد میں خیمہ نصب کیا گیا تھا[1]

ظاہر ہے کہ یہ خیمہ چھت والے حصّہ کے اندر نصب نہیں کیا گیا تھا۔ اسی طرح مسلمانوں کا چودہ سو سالہ تعامل اس امر کی واضح دلیل ہے کہ صحن مسجد کا ہی حصّہ ہے۔

سوال :۔ جیسا کہ عام مسلمانوں کا معمول ہے کہ جہاں بھی کچھ عرصہ قیام کریں اس جگہ جائے نماز (مسجد) عارضی طور پر تجویز کر لیا کرتے ہیں۔ کیا ایسی جگہ مستقل مسجد کا حکم رکھتی ہے اور اس کی خرید و فروخت منع ہے ؟

جواب :۔ مسجد جس کی خرید و فروخت منع ہے وہ، وہ ہے جو باقاعدہ پبلک مسجد ہو۔ اُسے بنانے والے نے اپنے ملک سے نکال کر وقف عام کیا ہو اور قومی ملکیت میں آکر ہر شخص کا حق اس پر قائم ہو چکا ہو۔ لیکن جو جائے نماز عارضی طور پر بنائی گئی ہے وہ باقاعدہ مسجد نہیں۔ ضرورت پڑنے پر اُسے گرایا جا سکتا ہے اور فروخت بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس میں شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔ حکومت کی ملکیت پبلک جگہ میں جو مسجد بنائی جائے اس کے لئے حکومت سے اجازت حاصل کرنا بھی ضروری ہے۔ ورنہ وہ باقاعدہ مسجد نہ ہوگی۔ اور حکومت کو اُسے ضبط کر لینے کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ مالک کی اجازت کے بغیر کسی کی زمین پر قبضہ ناجائز متصور ہوتا ہے۔

مسجد کی جگہ تبدیل کرنا

سوال :۔ کیا بے آباد مسجد کو گرا کر اس جگہ کوئی اور عمارت تعمیر کر سکتے ہیں۔ کیا مسجد کی جگہ تبدیل ہو سکتی ہے ؟

جواب :۔ اہم ضرورت اور عوام کی سہولت کے پیشِ نظر مقامی جماعت کے فیصلہ اور مرکز کی اجازت

---

[1] :۔ بخاری کتاب المغازی باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب ص ۵۹۱ ج ۲

کے بعد مسجد کی جگہ تبدیل کرنا اور اُس کے ملبہ کو فروخت کرکے اسے مسجد کی ضروریات میں صرف کرنا جماعت احمدیہ کے مسلک کے مطابق جائز ہے کیونکہ مفادِ عامہ اور نمازیوں کی جائز سہولت کو بہر حال ترجیح حاصل ہے۔

سابق ائمہ اور علماء میں اس کے متعلق اختلاف ہے۔ عام حنفیوں کا خیال یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز نہیں خواہ آبادی کے منتقل ہو جانے کی وجہ سے مسجد ویران ہی کیوں نہ ہو گئی ہو۔ ان کی بنیاد یہ حدیث ہے :-

"لَا يُبَاعُ اَصْلُهَا وَلَا تُبْتَاعُ وَلَا تُوْهَبُ وَلَا تُوْرَثُ۔ [1]

حنبلی یعنی امام احمد بن حنبلؒ کے متبعین اسے جائز سمجھتے ہیں۔ حنفی ائمہ میں سے امام محمدؒ بھی اس رائے سے متفق ہیں۔ مزید حوالے درج ذیل ہیں :-

الف :- اِنَّ عُمَرَ كَتَبَ اِلٰى سَعْدٍ لَمَّا بَلَغَهُ اَنَّهُ قَدْ نُقِبَ بَيْتُ الْمَالِ الَّذِىْ بِالْكُوْفَةِ اُنْقُلِ الْمَسْجِدَ الَّذِىْ بِالتَّمَارِيْنَ وَاجْعَلْ بَيْتَ الْمَالِ فِىْ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ فَاِنَّهُ لَنْ يَزَالَ فِى الْمَسْجِدِ مُصَلٍّ وَكَانَ هٰذَا بِمَشْهَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَمْ يَظْهَرْ خِلَافُهُ فَكَانَ اِجْمَاعًا۔ [2]

ب :- قَالَ الْحَنَابِلَةُ اِذَا انْتَقَلَ اَهْلُ الْقَرْيَةِ عَنِ الْمَسْجِدِ وَصَارَ فِىْ مَوْضِعٍ لَا يُصَلّٰى فِيْهِ اَوْضَاقَ بِاَهْلِهٖ وَلَمْ يُمْكِنْ تَوْسِيْعُهٗ وَلَا عِمَارَةُ بَعْضِهٖ اِلَّا بِبَيْعِ بَعْضِهٖ جَازَ۔ وَاِنْ لَمْ يُكُنِ الْاِنْتِفَاعُ بِشَيْءٍ اِلَّا بِبَيْعٍ يُبَاعُ ۔ [3]

ج :- مَسْجِدٌ انْتَقَلَ اَهْلُ الْقَرْيَةِ عَنْهُ وَصَارَ فِىْ مَوْضِعٍ لَا يُصَلّٰى فِيْهِ اَوْضَاقَ بِاَهْلِهٖ وَلَمْ يَكُنْ تَوْسِيْعُهٗ فِىْ مَوْضِعِهٖ اَوْ تَشَعَّبَ جَمِيْعُهٗ فَلَا تُمْكِنُ عِمَارَتُهٗ وَلَا عِمَارَةُ بَعْضِهٖ اِلَّا بِبَيْعِ بَعْضِهٖ جَازَ بَيْعُ بَعْضِهٖ لِتُعْمَرَ بِهٖ بَقِيَّتُهٗ وَاِنْ لَمْ يَكُنِ

---

[1] :- المغنی لابن قدامہ ص۵۶۰ جلد ۵ ؛ [2] :- المغنی باب الوقف ص۵۵۵ جلد ۵

[3] :- الاحوال الشخصیۃ علی مذاہب الخمسۃ ص۳۲۹ مؤلفہ محمد جواد مغنیۃ مطبوعہ بیروت ۱۹۷۴ء ؛

اِلَّا انْتِفَاعٌ بِشَيْئٍ مِنْهُ بِيْعَ جَمِيْعُهٗ - [1]

د :- وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ اِذَا خَرِبَ الْمَسْجِدُ اَوِ الْوَقْفُ عَادَ اِلٰى مِلْكِ وَاقِفِهٖ لِاَنَّ الْوَقْفَ اِنَّمَا هُوَ تَسْبِيْلُ الْمَنْفَعَةِ فَاِذَا زَالَتْ مَنْفَعَتُهٗ زَالَ حَقُّ الْمَوْقُوْفِ عَلَيْهِ مِنْهُ فَزَالَ مِلْكُهٗ عَنْهُ - [2]

مسجد کی جگہ یا مسجد کا ملبہ فروخت کرنے کی ممانعت کی اصل وجہ یہ ہے کہ اس طرح کہیں مسجد کے اموال پر ناجائز تصرف کی راہ نہ کھل جائے ۔ لیکن اگر اس قسم کا کوئی خدشہ نہ ہو اور مسجد کا ملبہ جماعت کے باہمی مشورہ سے فروخت کیا جائے اور اس کا فروخت کرنا مسجد کے لئے سودمند ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں اور نہ کوئی گناہ ہے ۔

سوال :- ایک شخص نے مسجد بنانے کے لئے جگہ دی لیکن اُسے مسجد کی بجائے عام بیٹھنے کی جگہ بنا دیا گیا ۔ کیا یہ جائز ہے ؟

جواب :- جو زمین مسجد کی غرض سے دی گئی ہے وہ مسجد کے لئے ہی صرف ہونی چاہیئے اور مرکز کی اجازت کے بغیر اسے کسی اور اجتماعی مقصد کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیئے ۔ خصوصاً جبکہ ہبہ کنندہ اس کے لئے راضی بھی نہ ہو ۔

سوال :- ایک عورت نے مسجد بنانے کے لئے زمین دی ۔ مسجد وہاں پر تعمیر ہوئی لیکن اب وہ گر چکی ہے ۔ اس جگہ کی بجائے اب قریب ہی کھلی جگہ میں مسجد بنائی گئی ہے ۔ کیا پہلی مسجد کی جگہ میں مُعلّم کے لئے کوارٹر بنا سکتے ہیں ؟

جواب :- صورت مذکورہ کے مطابق اس جگہ پر جہاں مسجد تھی اور اب گر گئی ہے اور اس کی بجائے دوسری جگہ مسجد بنائی گئی ہے مقامی جماعت کے باہمی مشورہ اور مرکز سے اجازت حاصل کرنے کے بعد اس قسم کی کوئی عمارت تعمیر کی جا سکتی ہے جو اجتماعی مقاصد کے کام آئے مثلاً سکول یا لائبریری کے لئے یا معلّم اور مربّی کی رہائش کے لئے اُسے استعمال کیا جا سکتا ہے ۔ اس میں کوئی شرعی روک نہیں ہے ۔

سوال :- ہمارے گاؤں میں ہماری مسجد بہت چھوٹی اور کچّی ہے ۔ چھوٹی اتنی کہ بمشکل ایک صف ہی بنتی ہے ۔ اب لوگوں نے صلاح و مشورہ سے یہ طے کیا ہے کہ یا تو اس مسجد کو ہی پکّا بنایا جائے یا پھر باہر دوسری جگہ پر بڑی مسجد بنائی جائے ۔ اب سوال یہ ہے کہ آیا مسجد کی یہ جگہ کسی اور کام میں لائی جا سکتی ہے یا نہیں ؟

---

[1] - المغنی لابن قدامہ باب الوقف صفحہ ۲۲۵ جلد ۵ ؛ [2] - المغنی لابن قدامہ صفحہ ۵۷۵ ، الاحوال الشخصیۃ علی المذاہب الخمسۃ صفحہ ۳۳۰ ؛

جواب :۔ یہ خیال درست نہیں کہ جس جگہ ایک دفعہ مسجد بن جائے اس جگہ کو پھر کبھی بھی خواہ کیسے ہی حالات درپیش ہوں کسی اور غرض کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ اصل خرابی جس کو روکنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ اس قسم کے بہانے سے ایسی جگہ کے غلط استعمال کا راستہ نہ کھلے۔ یا لوگوں کی مرضی کے خلاف کارروائی کرنے کی کوئی صورت پیدا نہ ہو۔ اگر کوئی جائز وجہ موجود ہے مثلاً جگہ تنگ ہے اور وسیع جگہ میں مسجد تعمیر کرنے کی ضرورت ہے اور اس مسجد سے تعلق رکھنے والے لوگ اس تبدیلی پر راضی ہیں اور مرکز سے اس تبدیلی کی اجازت حاصل کرلی گئی ہے اور فتنہ کے اُٹھنے کا کوئی موقعہ ممکن نہیں تو ایسی تبدیلی شرعاً جائز ہے اور پہلی مسجد کی جگہ کو حسبِ حالات کسی اور قومی یا انفرادی مصرف میں لایا جاسکتا ہے۔

سوال :۔ موجودہ احمدیہ مسجد حاضری کے لحاظ سے ناکافی ہے اس کے اِردگرد غیر احمدی آباد ہیں کیا ہم یہ مسجد غیر احمدیوں کو مفت دیدیں یا ان سے کچھ رقم وصول کرکے نئی مسجد میں خرچ کریں یا اس مسجد کو مبلّغ کے لئے رہائشی کوارٹر میں تبدیل کردیں اور اپنے لئے نئی مسجد بنالیں ؟

جواب :۔ مقامی جماعت کی رضامندی اور مرکز کی اجازت سے یہ مسجد دوسرے عام مسلمانوں کے حوالے کرسکتے ہیں۔ بہتر ہے کہ بلا معاوضہ دی جائے ہاں اگر وہ از خود احمدیوں کی زیرِ تعمیر مسجد میں مدد کرنا چاہیں تو ایسی امداد لینے میں کوئی حرج نہیں۔

مسجد کا ایک حصّہ مکان میں ملانا

ایک شخص نے مکان کے ایک حِصّہ کو مسجد بنایا اور اب اس کی ضرورت نہیں رہی۔ تو کیا اس جگہ کو مکان میں ملایا جاسکتا ہے ؟

حضرت اقدس نے فرمایا :۔ "ہاں ملالیا جاوے"۔ [1]

سوال :۔ مسجد کا ایک حِصّہ اس طرح سے الگ کرنا جائز ہے کہ اس میں عورتیں مخصوص ایام میں بھی آسکیں اور اس حِصّہ میں اپنا اجلاس کرسکیں ؟

جواب :۔ اگر تو شروع تعمیر سے ہی یہ صورت ہے تو پھر جائز ہے لیکن اگر پہلے سارے حِصّے بطور مسجد استعمال ہوتے اور مسجد محسوب ہوتے تھے اور بعد میں یہ صورت کی گئی ہے تو خلیفۂ وقت کی خاص اجازت کے بغیر ایسی تبدیلی جائز نہیں۔

---

[1] :۔ الحکم ۱۷؍اکتوبر ۱۹۰۲ء

مسجد اور رہائشی کوارٹر

سوال :۔ مسجد کے صحن کے ایک حصہ میں امام الصلوٰۃ کے لئے بالاخانہ کے طور پر کوارٹر بنانا جائز ہے؟
جواب :۔ اگر ضرورت واضح ہو اور اس کے بغیر مشکل کا سامنا کرنا پڑتا ہو تو مسجد کے صحن کے ایک حصہ کے اُوپر امام کے لئے بالاخانہ کی طرز کا رہائشی کوارٹر بنانا جائز ہے بشرطیکہ کوارٹر میں آنے جانے کا راستہ مسجد کے صحن میں سے نہ گذرے۔

اسی طرح اس کا پرنالہ وغیرہ بھی دوسری طرف ہو۔ چنانچہ اس بارہ میں فقہائے حنفیہ کی یہ رائے بیان کی گئی ہے:۔

لَوْ بَنٰى فَوْقَهٗ (اَیْ فَوْقَ الْمَسْجِدِ) بَيْتًا لِّلْاِمَامِ لَا يَضُرُّ لِاَنَّهٗ مِنَ الْمَصَالِحِ۔ [1]

اسی طرح ھدایہ میں ہے:۔

عَنْ اَبِیْ يُوْسُفَؒ اَنَّهٗ جَوَّزَ (بِنَاءَ الْبَيْتِ) فِی الْوَجْهَيْنِ (اَیْ فَوْقَ الْمَسْجِدِ وَتَحْتَهٗ) حِيْنَ قَدِمَ الْبَغْدَادَ وَرَاٰى ضِيْقَ الْمَنَازِلِ فَكَاَنَّهٗ اِعْتَبَرَ الضَّرُوْرَةَ وَعَنْ مُحَمَّدٍ حِيْنَ دَخَلَ الرَّیَّ جَازَ ذٰلِكَ كُلُّهٗ لِمَا قُلْنَا۔ [2]

سوال :۔ کیا مساجد کو بے حرمتی سے بچانے کے لئے گرا دینا جائز ہے؟
جواب :۔ اگر ایسے حالات موجود ہوں کہ کسی جگہ کو آباد نہ رکھا جا سکتا ہو مثلاً مسلمان اس جگہ کو کسی وجہ سے چھوڑ آئے ہوں اور مسجد ویران ہو گئی ہو یا اس بات کا خدشہ ہو کہ عدم نگرانی و حفاظت کی وجہ سے غیر مسلم مسجد کی بے حرمتی کریں گے تو ایسی صورت میں مرکز یا مقامی جماعت کے مشورہ سے مسجد کو مسمار کیا جا سکتا ہے اور اس کا ملبہ دوسری مساجد کی تعمیر کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ نیز یہ بھی جائز ہے کہ اس ملبہ کو فروخت کر کے اس کی رقم دوسری آباد مسجد کے مصارف میں خرچ کی جائے۔

علماء نے مسجد یا دوسری وقف جائیدادوں میں اس قسم کے تصرف سے صرف اس لئے منع کیا ہے کہ تا اس طرح کہیں مسجد کے اموال میں ناجائز تصرف کی راہ نہ کھل جائے۔ لیکن اگر یہ وجہ نہ ہو بلکہ ضرورت اور مجبوری واضح ہو اور مقامی جماعت کی درخواست پر مرکز اس کی اجازت دے تو

---

[1] : حاشیہ ردّ المختار ص۶۵۶ ۔ [2] ھدایہ اوّلین کتاب الوقف ص۶۲۸ مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۴۸ھ

اس قسم کی تبدیلی میں کوئی امر شرعی روک نہیں۔

فقہائے امت نے ایسی تبدیلی کے بارہ میں جس خدشہ کا اظہار کیا ہے اس کی بنیادی وجہ وہی ہے جو اُوپر بیان کی گئی ہے کہ اس طرح کی اجازت سے متولی یا دوسرے کسی متغلب کے لئے ناجائز تصرف کا راستہ نکل جائے۔ چنانچہ حنفیوں کی مشہور کتاب بحرالرائق شرح کنزالدقائق میں ہے۔

نُقِلَ عَنِ الشَّیْخِ الْاِمَامِ الْحُلْوَانِیْ فِی الْمَسْجِدِ وَالْحَوْضِ اِذَا خَرِبَ لَا یُحْتَاجُ اِلَیْهِ لِتَفَرُّقِ النَّاسِ عَنْهُ اِنَّهٗ تُصْرَفُ اَوْقَافُهٗ اِلٰی مَسْجِدٍ آخَرَ وَحَوْضٍ آخَرَ۔[1]

وَفِی الْقُنْیَةِ .... لَوْ خَرِبَ اَحَدُ الْمَسْجِدَیْنِ فِیْ قَرْیَةٍ وَاحِدَةٍ فَلِلْقَاضِیْ صَرْفُ خَشَبِهٖ اِلٰی عِمَارَةِ الْمَسْجِدِ الْآخَرِ۔[2]

قَالَ مُحَمَّدٌ اِذَا خَرِبَ وَلَیْسَ لَهٗ مَا یُعْمَرُ بِهٖ وَقَدِ اسْتَغْنَی النَّاسُ عَنْهُ لِبِنَاءِ مَسْجِدٍ آخَرَ اَوْ لِخَرَابِ الْقَرْیَةِ اَوْ لَمْ یَخْرَبْ وَلٰکِنْ خَرِبَتِ الْقَرْیَةُ بِنَقْلِ اَهْلِهَا وَاسْتَغْنَوْا عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَعُوْدُ اِلٰی مِلْكِ الْوَاقِفِ اَوْ وَرَثَتِهٖ۔[3]

سوال :- کچی مسجد کے بالے کیا فروخت کئے جا سکتے ہیں یا دریا میں ڈال دینا چاہئیں یا دفن کر دینا چاہئیں؟

جواب :- مسجد کا قیمتی ملبہ دریا میں ڈالنا یا دفن کرنا اسلامی ہدایت کے مطابق درست نہیں اسے دوسری مساجد کے مقاصد میں استعمال کیا جا سکتا ہے اور مقامی مجلس عاملہ کے فیصلہ اور مرکز کی منظوری سے اسے فروخت کر کے اس کی قیمت اغراض مسجد میں صرف کی جا سکتی ہے اس میں کوئی شرعی روک نہیں۔[4]

سوال :- مسجد میں قریباً یکصد اینٹ پختہ ہے کسی کو یہ اینٹیں اس شرط پر دی جا سکتی ہیں کہ جب مسجد کا کام شروع ہوگا تو اینٹیں یا قیمت دے دے گا؟

---

[1]:- بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المساجد ص۲۵۲ ج۵ ؛ [2]:- بحرالرائق ص۲۵۳ ج۵ ؛ [3]:- بحرالرائق ص۲۵۱ ج۵ ؛
[4]:- بحرالرائق کتاب الوقف فصل فی احکام المساجد ص۲۵۱ ج۵ ؛

جواب :۔ مسجد چونکہ وقف ہے اور مقامی جماعت بصورت متولی اس کی نگران ہے اس لئے اس میں ہر ضروری تصرّف کے لئے مقامی جماعت باہمی مشورہ کے ساتھ مسجد کی عمارت کی بہتری کیلئے کوئی مناسب فیصلہ کر سکتی ہے۔

اگر تعمیر کے لئے پختہ اینٹیں پڑی ہُوئی ہوں لیکن تعمیر شروع ہونے میں دیر ہو اور ان اینٹوں کے ضائع چلے جانے کا خدشہ ہو اور ان کو بیچ دینے یا کسی کو ادھار دے دینے میں مسجد کا فائدہ ہو تو مذکورہ اصول کے مطابق ان اینٹوں کو بیچا جا سکتا ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ اینٹیں اس شرط پر کسی دوسرے دوست کو دے دی جائیں کہ تعمیر شروع ہونے پر وہ اینٹیں خرید کر مسجد کو واپس کر دے گا۔

کسی مسجد کے لئے چندہ

سوال :۔ ہم ایک مسجد بنانا چاہتے ہیں اور تبرکاً آپ سے بھی چندہ چاہتے ہیں ؟

جواب :۔ حضرت اقدس نے فرمایا :۔" ہم تو دے سکتے ہیں اور یہ کچھ بڑی بات نہیں مگر جبکہ خود ہمارے ہاں بڑے بڑے اہم اور ضروری سلسلے خرچ کے موجود ہیں جن کے مقابل میں اس قسم کے خرچوں میں شامل ہونا اسراف معلوم ہوتا ہے تو ہم کس طرح سے شامل ہوں۔ یہاں جو مسجد خُدا بنا رہا ہے اور وہی مسجد اقصیٰ ہے وہ سب سے مقدم ہے۔ اب لوگوں کو چاہیئے کہ اس کے واسطے روپیہ بھیج کر ثواب میں شامل ہوں۔ ہمارا دوست وہ ہے جو ہماری بات کو مانے نہ وہ کہ جو اپنی بات کو مقدم رکھے۔

حضرت امام ابوحنیفہ کے پاس ایک شخص آیا کہ ہم ایک مسجد بنانے لگے ہیں آپ بھی اس میں کچھ چندہ دیں۔ انہوں نے عذر کیا کہ مَیں اس میں کچھ نہیں دے سکتا حالانکہ وہ چاہتے تو بہت کچھ دیتے۔ اس شخص نے کہا کہ ہم آپ سے بہت نہیں مانگتے صرف تبرکاً کچھ دے دیجئے۔ آخر انہوں نے ایک دُوآنے کے قریب سکّہ دیا۔ شام کے وقت وہ شخص دُوآنے لے کر واپس آیا اور کہنے لگا کہ حضرت یہ تو کھوٹے نکلے ہیں وہ بہت ہی خوش ہُوئے اور فرمایا خوب ہُوا۔ دراصل میرا جی نہیں چاہتا تھا کہ مَیں کچھ دوں۔ مسجدیں بہت ہیں اور مجھے اس میں اسراف معلوم ہوتا ہے "۔[1]

سوال :۔ کیا احمدی تعمیر مسجد کے لئے دوسرے مسلمانوں یا غیر مسلموں سے چندہ لے سکتے ہیں ؟

جواب :۔ اپنے آپ کو خواہ مخواہ دوسروں سے مانگنے والوں میں شامل نہیں کرنا چاہیئے اپنی کوشش سے

---

[1] :۔ الحکم ۲۴ مئی ۱۹۰۱ء

ضرورت کے مطابق مسجد بنائی جائے۔ نیز مسجد کا شاندار ہونا یا ضرورت سے بڑی عمارت کا ہونا۔ یا پختہ ہونا ضروری نہیں۔ بہرحال اپنے پر بھروسہ کرنے کی عادت ڈالنی چاہیئے تاہم ضرورت اور مجبوری کے حالات کے لحاظ سے مندرجہ ذیل حوالے جواز کی سندیں سکتے ہیں :۔

I "۱۹۰۹ء۔ محترم منشی فرزند علی خانصاحب سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔ آپ نے ایک مقامی رئیس منشی کرم الٰہی صاحب کو جن کی ایک مسجد ویران پڑی رہتی تھی تحریک کی کہ وہ اپنی مسجد جماعتِ احمدیہ کو عنایت کر دیں۔ چنانچہ حسب ذیل چٹھی ان کو بھجوائی گئی۔ ..... "آپ کے والد صاحب مرحوم کی مسجد کی غیر آباد حالت دیکھ کر مجھے آپ کی خدمت میں اس درخواست کے پیش کرنے کی جرأت ہوئی ہے کہ آپ فیروزپور کی جماعتِ احمدیہ کو اس مسجد کے آباد کرنے کی اجازت فرما دیں "

اس کا جواب اس رئیس کی طرف سے یہ ملا کہ چونکہ یہ مسجد میرے بزرگوار کی تعمیر کروائی ہوئی ہے اور میں تا اس دم اس کا متولی ہوں۔ میں بڑی خوشی سے آپ کو اجازت دیتا ہوں کہ آپ کے ہم خیال لوگ اس میں نماز پڑھیں اور اس کو آباد کریں۔ اور شکست کی مرمت کروائیں۔ میری طرف سے اور دیگر مسلمانوں کی طرف سے آپ کو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ میں بہت خوش ہوں کہ یہ خانۂ خُدا آباد ہو۔ یہ چند سطور بطور اجازت نامہ لکھ دیتا ہوں تا کہ سند رہے۔ والسلام

جب اس کارروائی کی اطلاع مرکز میں پہنچی تو الحکم جلد ۱۳ نمبر ۲۴ میں یہ نوٹ شائع ہوا

"منشی فرزند علی صاحب ایک قابل اور ہونہار نوجوان ہیں انجمن حمایت اسلام کے لئے آپ نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ میں ابھی تھوڑے عرصہ سے داخل ہوئے ہیں اور آپ کی سعی اور ہمت کا نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جماعتِ احمدیہ فیروزپور کو ایک مسجد عطاء کر دی"۔ [۱]

II ایک صاحب نے عرض کیا کہ کیا گردوارے کی اینٹیں مسجد کی تعمیر میں استعمال کی جا سکتی ہیں جبکہ سکھوں نے ایسا کرنے کی اجازت دے دی ہے ؟

فرمایا۔ اگر سکھوں نے اجازت دے دی ہے تو بے شک یہ اینٹیں مسجد میں استعمال کی جا سکتی ہیں لیکن اگر انہوں نے اجازت نہ دی ہو تو پھر انہیں استعمال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ کسی چیز کو بغیر اس کے مالکوں کی اجازت کے استعمال کرنا اسلام میں منع ہے "۔ [۲]

---

۱ :۔ الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۶۲ء ۔ ۲ :۔ الفضل یکم جنوری ۱۹۴۸ء لاہور ۔

سوال :۔ کیا زکوٰۃ کی رقم سے مسجد بنوائی جا سکتی ہے؟
جواب :۔ بہتر تو یہی ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مسجد کی تعمیر و مرمت پر خرچ نہ کی جائے۔ تاہم
"زکوٰۃ افراد کے علاوہ ایسے مُفید اداروں کو بھی دی جا سکتی ہے جو کہ پبلک کے فائدہ کے لئے ہوں اور عام پبلک ان سے فائدہ اٹھا سکتی ہو۔ یا خاص گروہ پبلک کا جو کہ انفرادی طور پر زکوٰۃ کا مستحق ہے فائدہ اُٹھا سکتا ہو جیسے یتیم خانے۔ غریب خانے مساجد۔ ہسپتال۔ کنویں۔ تالاب وغیرہ۔ چنانچہ بعض فقہاء نے فی سبیل اللہ سے یہ استدلال کیا ہے کہ افراد کے علاوہ اداروں پر بھی یہ رقم خرچ کی جا سکتی ہے۔"[1]

سوال :۔ کیا قربانی کی کھالوں کی رقم مسجد کی ضروریات پر خرچ ہو سکتی ہے؟
جواب :۔ بہتر ہے کہ قربانی کی کھالوں کی قیمت غرباء کو دی جائے یا جیسا کہ انتظام ہے مرکز میں بھجوا دی جائے۔ اپنے طور پر بلا اجازتِ مرکز مسجد کی ضروریات پر یہ رقم خرچ کرنا مناسب نہیں۔ اور یُوں بھی یہ وقارِ مسجد کے خلاف ہے کہ ایسے صدقات کا مال جس کے مستحق غرباء ہیں مسجد کی تعمیر میں خرچ کیا جائے۔

سوال :۔ کیا فاحشہ عورت کی کمائی سے بنائی ہُوئی مسجد میں نماز پڑھنا جائز ہے؟
جواب :۔ جو مسجد بن گئی ہے اور معاشرہ میں بطور مسجد اس کا مقام مان لیا گیا ہے اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ نماز پڑھنے والے کے لئے اس بات کی چھان بین کرنے کی ضرورت نہیں کہ یہ مسجد کس نے بنائی ہے۔ کیسے پیسوں سے بنی ہے۔ رہا اپنا خیال تو جس کا جی نہیں چاہتا وہ نہ پڑھے۔ شریعت تو صرف جواز سے بحث کرتی ہے۔

سوال :۔ جو درخت کسی قبرستان میں لگے ہُوئے ہیں ان کو فروخت کر کے کیا اس کی رقم کسی مسجد میں لگانا درست ہے؟
جواب :۔ عام قبرستان کی زمین اور اُس میں اُگے ہُوئے درخت وغیرہ وقف کے حکم میں ہیں اگر گاؤں والوں کی اکثریت اتفاق رائے سے ایسی آمدن کو مسجد کی اصلاح وغیرہ میں لگائے تو اس میں شرعًا کوئی امر مانع نہیں اور ایسا کرنا جائز ہے۔ گاؤں والوں کا اتفاق اس لئے ضروری ہے تاکہ فتنہ پیدا نہ ہو۔ جو شخص صاحب اختیار اور مختار کار ہے وہ ایسے درختوں کو بیچ کر اُسے مسجد کی مرمت وغیرہ میں صَرف کر سکتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنی مسجد بنوائی اور اب جو مسجد نبوی کہلاتی ہے وہاں ایک قبیلہ کا پرانا قبرستان

---

[1] :۔ رسالہ تشریح الزکوٰۃ صفحہ ۱۲۳

تھا۔ آپ نے وہ جگہ اُس کے مالکوں سے خرید کی اور اُس میں جو کھجوریں وغیرہ تھیں اُنہیں مسجد کی چھت وغیرہ میں استعمال فرمایا۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ ہیں :۔

عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یُحِبُّ اَنْ یُّصَلِّیَ حَیْثُ اَدْرَکَہُ الصَّلٰوۃُ وَیُصَلِّیَ فِیْ مَرَابِضِ الْغَنَمِ وَاَنَّہٗ اَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَاَرْسَلَ اِلٰی مَلَاءِ بَنِی النَّجَّارِ فَقَالَ یَا بَنِی النَّجَّارِ ثَامِنُوْنِیْ بِحَائِطِکُمْ ھٰذَا قَالُوْا لَا وَاللّٰہِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَہٗ اِلَّا اِلَی اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ قَالَ اَنَسٌ وَکَانَ فِیْہِ مَا اَقُوْلُ لَکُمْ قُبُوْرُ الْمُشْرِکِیْنَ...... [1]

اس روایت سے ظاہر ہے کہ قبرستان کے درختوں کو مسجد میں استعمال کرنا منع نہیں ۔

مسجد کی زینت

دہلی کی جامع مسجد کو دیکھ کر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمایا۔ کہ مسجدوں کی اصل زینت عمارتوں کے ساتھ نہیں ہے بلکہ ان نمازیوں کے ساتھ ہوتی ہے جو اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ یہ سب مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں۔ مسجد کی رونق نمازیوں کے ساتھ ہے۔ مسجدوں کے واسطے حکم ہے کہ تقویٰ کے واسطے بنائی جاویں [2]

سوال :۔ مسجد کے محراب پر نقش ونگار یا شعر وغیرہ لکھا جا سکتا ہے ؟

جواب :۔ مساجد خصوصًا قبلہ والی دیوار اور محراب میں نقش ونگار، تحریر، اشعار و آیات وغیرہ کو پسند نہیں کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ اس طرح نمازی کی توجہ بٹتی ہے اور وہ یکسوئی سے نماز نہیں پڑھ سکتا۔

اس سلسلہ میں چند احادیث جن سے استدلال کیا گیا ہے درج ذیل ہیں :۔

(۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اُمِرْتُ بِتَشْیِیْدِ الْمَسَاجِدِ۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ لَتُزَخْرِفُنَّھَا کَمَا زَخْرَفَتِ الْیَھُوْدُ وَالنَّصَارٰی [3]

---

[1] :۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ۔ باب ھل ینبش قبور مشرکی الجاھلیۃ الخ ص۶۱ ؛ [2] :۔ فتاویٰ احمدیہ ص۲۳

[3] :۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المسجد ص۶۳ ؛

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے بلند اور عالیشان مساجد بنانے کا حکم نہیں دیا گیا۔
حضرت ابن عباسؓ اس کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ یہود و نصاریٰ کی طرح بلند و بالا عالیشان عبادتگاہیں بنانا اُن کی تزئین کرنا اور ان میں قسم قسم کے نقش و نگار بنانا اور سونے سے اُنہیں مطلی کرنا بعثتِ رسُول کے مقاصد میں شامل نہیں۔ رسُول تو سادہ زندگی کی تلقین کے لئے آتے ہیں۔

(۲) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْمُ السَّاعَۃُ حَتّٰی یَتَبَاھَی النَّاسُ فِی الْمَسَاجِدِ[۱]

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کی ایک علامت یہ ہے کہ لوگ عالی شان مساجد بنانے میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور اُنہیں باہمی تفاخر کا ذریعہ قرار دینے کی کوشش کریں گے۔

(۳) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ طَلْحَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَاہُ بَعْدَ دُخُوْلِہِ الْکَعْبَۃَ فَقَالَ اِنِّیْ کُنْتُ رَاَیْتُ قَرْنَیِ الْکَبْشِ حِیْنَ دَخَلْتُ الْبَیْتَ فَنَسِیْتُ اَنْ آمُرَکَ اَنْ تُخَمِّرَھُمَا فَخَمِّرْھُمَا فَاِنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّکُوْنَ فِیْ قِبْلَۃِ الْبَیْتِ شَیْءٌ یُلْھِی الْمُصَلِّیَ۔[۲]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کعبہ میں داخل ہوئے تو کلید بردارِ کعبہ حضرت عثمان بن طلحہؓ کو بلایا اور فرمایا۔ جب مَیں خانہ کعبہ کے اندر آنے لگا تھا تو مَیں نے مینڈھے کے سینگ دیوارِ کعبہ پر نصب دیکھے تھے۔ تم انہیں ڈھانک دو۔ کیونکہ قبلہ کی جہت کوئی ایسی چیز نہیں ہونی چاہیئے جو نمازی کی توجہ کو ہٹا دے۔

سوال :۔ مسجدوں کے اندر قرآنی آیات کے قطعات آویزاں کرنے میں کوئی حرج ہے؟
جواب :۔ اصل ہدایت یہ ہے کہ حتی الوسع نمازی کے سامنے دیوار یا کسی اور چیز پر ایسے نقش و نگار۔ قطعات و آیات وغیرہ نہیں ہونی چاہئیں جو اس کی توجہ کو ہٹا دیں اور اُس کی یکسوئی میں حارج ہوں البتہ کچھ بلندی پر جو نظر کے سامنے کے خطِ مستقیم سے اُوپر ہو تبلیغی اغراض کے ماتحت آیات، احادیث یا اشعار لکھنے یا قطعات لٹکانے میں بظاہر کچھ حرج نہیں۔

---

[۱] :۔ ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب تشیید المساجد ص۵۴ و ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی بناء المساجد ص۶۵
[۲] :۔ ابوداؤد کتاب المناسک باب الصلوٰۃ فی الکعبۃ ص۲۷۶، مسند احمد ص۶۸ ج۴ ؎

سوال :۔ کیا مسجد کی دیوار پر اندر یا باہر ایسے لوگوں کے نام کندہ ہو سکتے ہیں جنہوں نے نمایاں چندہ دے کر تعمیر مسجد میں حصّہ لیا ہو اور ان سے چندہ لینے وقت نام لکھنے کا وعدہ بھی کیا گیا ہو؟

جواب :۔ اصولاً مساجد کے اصلی حصّہ کو سادہ اور یادگاری کتبات وغیرہ سے پاک رکھنا چاہیئے تاہم اس میں ایسی سختی بھی نہیں۔ کیونکہ بعد کے خلفاء اور بزرگوں نے اس کی بعض صورتوں کو جائز رکھا ہے سب سے بہتر اور انسب صورت یہ ہے کہ .... :۔

(۱) مسجد میں اگر کسی خاص تاریخی اہمیت کا کتبہ لگانا ہو تو تفصیل لکھ کر خلیفۂ وقت یا ان کی طرف سے کسی مجاز ادارہ سے پہلے اجازت حاصل کی جائے۔

(۲) حتی الوسع کتبہ مسجد کے باہر کے حصّہ میں (جس میں مسجد کا برآمدہ اور صحن شامل نہیں) لگایا جائے۔ مثلاً مسجد میں داخلے والے بڑے دروازے کے پاس یا چار دیواری کے کسی مناسب حصّہ میں۔

یہ امر بہر حال پیش نظر رہنا چاہیئے کہ نمازیوں کے بالکل سامنے والی دیوار میں جس پر نماز پڑھتے ہوئے نظر پڑ سکتی ہے ایسے کتبات جو توجہ کو ہٹانے والے ہوں نہ لگائے جائیں۔

مسجد اور مدرسہ

سوال :۔ ہمارے یہاں مساجد میں پرائمری کلاسیں لگتی ہیں۔ مسجد میں میز کرسی لگا دی جاتی ہیں۔ لڑکے اور استاذ جوتا پہن کر مسجد میں آتے جاتے ہیں۔ نماز کے وقت صفیں اور دریاں بچھا دی جاتی ہیں۔

جواب :۔ مساجد میں تعلیم و تدریس جائز ہے لیکن بالکل مدرسہ کے طور پر اس کا استعمال درست نہیں کیونکہ مساجد کا ادب و احترام اس امر کا مقتضی ہے کہ انہیں صاف ستھرا رکھا جائے اور گندہ ہونے سے بچایا جائے۔ یا پھر ایسی جگہوں کا نام مسجد نہ رکھا جائے۔ جہاں نماز کے علاوہ اس رنگ میں تدریس و تنظیم کا کام بھی ہوتا ہو اور اس کے لئے میز کرسی یا ڈیسک استعمال کرتے پڑتے ہوں اور جوتیوں سمیت اندر یا باہر آتے جاتے ہیں کوئی روک ٹوک نہ ہو۔ بہتر ہے کہ ایسی جگہوں کا نام مدرسہ رکھ دیا جائے اور عارضی طور پر اسے نماز پڑھنے کا کام بھی لے لیا جائے۔ نماز کے وقت صفیں اور دریاں بچھا دی جائیں۔

بہر حال ایک جگہ کو مسجد قرار دینے اور اس کا نام مسجد رکھنے کے بعد آداب مسجد کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

مسجد اور اس میں سستانے کی اجازت

سوال:۔ گرمیوں میں ایک شخص مسجد میں ظہر کی نماز پڑھنے کے لئے آتا ہے اور مسجد میں نماز عصر تک رہتا ہے۔ کیا اس عرصہ میں وہ مسجد میں سو سکتا ہے؟

جواب:۔ مسجد کو خوابگاہ کے طور پر استعمال نہ کیا جائے۔ یہ ہدایت وارشاد اس مقصد کے لئے ہے کہ مسجد کو ناواجب باتوں اور غیر ضروری استعمال سے محفوظ رکھا جائے تاکہ عبادت اور ذکر الٰہی میں حرج نہ ہو۔ تاہم بوقت ضرورت مسجد میں انسان آرام کے لئے لیٹ سکتا ہے اور سو بھی سکتا ہے نہ بطور حق کے بلکہ صرف ضرورت اور مجبوری کے پیش نظر۔

سوال:۔ کیا گم شدہ اشیاء کا اعلان مسجد میں ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ مسجد کے اندر گمی ہوئی چیز کا اعلان باجازت امیر۔ پریذیڈنٹ یا امام مسجد کے اندر ہو سکتا ہے۔ جو چیز باہر گمی ہو یا لاپتہ ہوئی ہو اس کا اعلان مسجد سے باہر ہونا چاہیئے۔ اسی طرح ایسے امر کے متعلق جس کا تعلق جماعت کے انتظام سے ہو یا کسی شرعی مسئلہ سے، اس کا اعلان بھی مسجد میں کیا جا سکتا ہے[1]

سوال:۔ کیا نماز کی جگہ تھوکنا اور ادھر اُدھر کی باتیں کرنا جائز ہے؟

جواب:۔ جہاں نماز پڑھی جائے اس جگہ کو ہر قسم کے گند سے اور لغو امور سے پاک رکھنا چاہیئے۔ مسجد میں لغو باتیں کرنا اور شور مچانا بھی جائز نہیں۔

"ایک دفعہ صاحبزادہ میاں بشیر احمد صاحب اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے مسجد میں آگئے اور اپنے ابا جان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ہو بیٹھے۔ وہ اپنے لڑکپن کے باعث کسی بات کے یاد آجانے پر دبی آواز سے بار بار کھل کھلا کر ہنس پڑتے تھے۔ اس پر حضرت اقدس علیہ السّلام نے فرمایا۔ کہ مسجد میں ہنسنا نہیں چاہیئے۔"[2]

سوال:۔ گرمیوں کے موسم میں جب مسجد کا صحن سخت گرم ہو جاتا ہے تو صحن عبور کر کے آنے میں نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ اگر صحن میں ٹاٹ بچھا دیا جائے تو کیا جوتے پہنے ہوئے مسجد میں داخل ہو سکتے ہیں؟

---

[1]:۔ ابوداؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی کراھیۃ انشاد الضالۃ فی المسجد ص۹۸، ابن ماجہ باب النھی عن انشاد الضوال فی المسجد ص۵۶

[2]:۔ فتاوی احمدیہ ص۲۳

جواب :۔ اگر جوتی صاف ہو اور اس کے تلوے پر گند لگا ہوا نہ ہو تو اسے پہنے ہوئے انسان مسجد میں جا سکتا ہے۔ ٹاٹ بچھا ہوا ہو تو یہ اور زیادہ بہتر صورت ہوگی۔ تاہم چونکہ یہاں یہ طریق معروف کے مطابق نہیں اور لوگ ایسا کرنے کو بُرا مناتے ہیں اس لئے فتنہ اور جھگڑے سے بچنے کے لئے اس سے اجتناب اولیٰ ہے تاکہ فتنہ پردازی اور الزام تراشی کا کسی کو کوئی موقع نہ مل سکے۔

سوال :۔ کیا جوتا پہن کر نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

جواب :۔ صاف جوتے پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ثابت ہے تاہم فتنہ اور فساد سے بچنے کے لئے ایسا کرنے سے اجتناب کیا جائے۔ جہاں تک جواز کا تعلق ہے اس کے لئے بعض حوالہ جات درج ذیل ہیں :۔

(۱) عَنْ سَعِیْدِ بْنِ یَزِیْدَ قَالَ قُلْتُ لِاَنَسِ بْنِ مَالِکٍؓ اَکَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِیْ نَعْلَیْہِ قَالَ نَعَمْ۔ [1]

اس حدیث پر محاکمہ کرتے ہوئے حضرت امام ترمذیؒ لکھتے ہیں :

حَدِیْثُ اَنَسٍ حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ وَالْعَمَلُ علی ھذا عند اھل العلم۔ [2]

(۲) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَالِفُوْا الْیَھُوْدَ فَاِنَّھُمْ لَا یُصَلُّوْنَ فِیْ نِعَالِھِمْ وَلَا خِفَافِھِمْ۔ [3]

(۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ لَقَدْ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ فِی النَّعْلَیْنِ۔

(۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ رَأَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ حَافِیًا وَمُنْتَعِلًا۔ [4]

(۵) عن عبد اللہ قال لقد رایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُصَلّی فی النعلین والخفین۔ [5]

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مجلس میں ذکر ہوا کہ امیر کابل اجمیر کی خانقاہ میں

---

[1] :۔ مسلم کتاب الصلوٰۃ باب جواز الصلوٰۃ فی النعلین ص۲۰۸ ، بخاری باب ماجاء فی الصلوٰۃ فی النعال ص۵۶ ؛ [2] ترمذی کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی النعال ص۵۳ ؛ [3] ابوداؤد باب الصلوٰۃ فی النعل ص۹۵ ؛ [4]–[5] :۔ ابن ماجہ کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی النعال ص۷۶ ؛

بوٹ پہنے چلا گیا اور ہر جگہ بُوٹ پہنے ہُوئے نماز پڑھی۔ اور اس بات کو خانقاہ کے مجاوروں نے بُرا منایا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ اس معاملہ میں امیر حق پر تھا۔ جوتے پہنے ہُوئے نماز پڑھنا شرعًا جائز ہے۔ [1]

سوال :۔ لجنہ کی میٹنگ مسجد میں ہوتی ہے۔ کیا حائضہ عورت مسجد کے اندر منعقد ہونے والی میٹنگ میں شامل ہوسکتی ہیں؟

جواب :۔ اگر مجبُوری کی حالت ہو مثلاً اجلاس کے لئے کوئی اور موزوں جگہ ہی نہ ہو تو پھر حائضہ عورت کا مسجد میں جانا جائز ہے کیونکہ ممانعت کی اصل وجہ خالص تعبّدی یعنی محض عبادت کے لئے نہیں بلکہ تلویث مساجد یعنی خون کے گرنے کے امکان کی وجہ سے مساجد کے گندہ ہو جانے کا خدشہ ہے۔ لیکن موجودہ زمانہ میں عورتیں جس قدر اس بارہ میں احتیاط کرتی ہیں اس کے پیش نظر ایسے خدشات کا کوئی موقع نہیں ہے اس لئے بحالتِ ضرورت و مجبُوری اس کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ اس لچک کا استدلال مندرجہ ذیل روایت سے کیا جاسکتا ہے:۔

اِنَّ مَیْمُوْنَۃَ قَالَتْ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَضَعُ رَأْسَہٗ فِیْ حَجْرِ اِحْدَانَا فَیَتْلُوَ الْقُرْآنَ وَھِیَ حَائِضٌ وَتَقُوْمُ اِحْدَانَا بِخُمْرَتِہٖ اِلَی الْمَسْجِدِ فَتَبْسُطُھَا وَھِیَ حَائِضٌ۔ [2]

سوال :۔ حائضہ کے مسجد میں داخل ہونے کے بارہ میں حنفیہ کے علاوہ دوسرے مذاہب کا کیا مسلک ہے؟

جواب :۔ حائضہ عورت ضرورت کے وقت مسجد میں داخل ہوسکتی ہے یا نہیں اس بارہ میں حنفیوں کا مسلک یہ ہے کہ وہ مسجد میں نہیں جاسکتی۔ ان کے مسلک کی تائید میں صرف یہ حدیث ہے جو "افلت" نامی ایک راوی سے ابوداؤد نے روایت کی ہے:۔

"جَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَوُجُوْہُ بُیُوْتِ اَصْحَابِہٖ شَارِعَۃٌ فِی الْمَسْجِدِ فَقَالَ وَجِّھُوْا ھٰذِہِ الْبُیُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ ثُمَّ دَخَلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَمْ یَصْنَعِ الْقَوْمُ شَیْئًا رِجَاءَ اَنْ تَنْزِلَ فِیْھِمْ رُخْصَۃٌ فَخَرَجَ اِلَیْھِمْ بَعْدُ فَقَالَ وَجِّھُوْا ھٰذِہِ الْبُیُوْتَ عَنِ الْمَسْجِدِ فَاِنِّیْ لَا اُحِلُّ الْمَسْجِدَ

---

[1] : بدر ۱۱ اپریل ۱۹۰۸ء ٭ [2] :۔ نسائی کتاب المساجد ص۴۲ ٭

لِحَائِضٍ وَلَاجُنُبٍ" ۱

(۱) اس حدیث کی صحت کے متعلق علامہ ابن رشد اپنی مشہور کتاب بدایۃ المجتهد میں لکھتے ہیں :-

مارویٰ عَنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنَّهُ قَالَ لَا اُحِلّ الْمَسْجِدَ لِجُنُبٍ وَلَا حَائِضٍ وَهُوَ حَدِيْثٌ غَيْرُ ثَابِتٍ عِنْدَ اَهْلِ الْحَدِيْثِ " ۲

(۲) علامہ ابن حزم اس مسئلہ اور اس حدیث کے بارہ میں لکھتے ہیں :-

" لَمْ يَثْبُتْ فِيْ هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ وَحَدِيْثُ اَفْلَتَ بَاطِلٌ " ۳

(۳) صحابہ میں سے حضرت زید بن ثابت اور بعد کے علماء میں سے امام ابوداؤد ظاہری اور ان کے متبعین اس بات کے قائل ہیں کہ حائضہ عورت بوقت ضرورت مسجد میں جا سکتی ہے اور جس حدیث میں ممانعت آئی ہے اس کا مقصد صرف یہ ہے کہ مسجد تلویث اور گندہ ہونے سے محفوظ رہے۔ اگر اس قسم کا کوئی اندیشہ نہ ہو تو پھر حائضہ عورت کا مسجد میں جانا منع نہیں۔ ۴

ابن منذر کی روایت ہے کہ :-

" كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْشُوْنَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُمْ جُنُبٌ - ۵

سوال :- قبر کے بالمقابل نماز پڑھنی جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :- مزار یعنی قبر کو جانتے ہوئے اس کے بالمقابل نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ خواہ اس کے خیال میں اس مزار اور قبر کی تعظیم نہ بھی ہو۔ ۶

مسجد اور تنازعہ

سوال :- لوگ مل کر ایک مسجد بناتے ہیں پھر ان میں سے کچھ لوگ احمدی ہو جاتے ہیں جنہیں غیر احمدی وہاں نماز پڑھنے سے روکتے ہیں۔ کیا احمدی وہاں نماز پڑھنے سے رک جائیں ؟

---

۱ :- ابوداؤد کتاب الطہارت صفحہ ۳ ؛ ۲ :- بدایۃ المجتهد صفحہ ۴۲ ؛

۳ :- بذل المجهود شرح ابوداؤد صفحہ ۱۴۸ ؛ ۴ :- نیل الاوطار باب الرخصۃ فی اجتیاز الجنب فی المسجد ومنعه من اللبث فیه الا ان یتوضأ صفحہ ۲۳۳ ؛ ۵ :- نیل الاوطار باب ایضاً صفحہ ۲۳۸ ؛ ۶ :- الفضل ۵ اگست ۱۹۱۵ء ؛

جواب :۔ ”یہ تو سوال ہی غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے معاملات میں حالات پر غور کر لینا چاہیئے۔ اگر وہ احمدی سمجھتے ہیں کہ بغیر فساد کے وہ اپنا حق لے سکتے ہیں تو انہیں اپنا حق لے لینا چاہیئے۔ اور اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اس جھگڑے میں لمبا وقت صرف ہوگا تو مؤمن کا کام یہ ہے کہ جتنا وقت اس کا مقدمہ پر خرچ ہو سکتا ہے اتنا وقت تبلیغ پر خرچ کرے اور مقدمہ بازی نہ کرے۔“ [1]

تعظیم قبلہ

سوال :۔ قبلہ شریف کی طرف پاؤں کر کے سونا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ یہ ناجائز ہے۔ کیونکہ تعظیم کے برخلاف ہے۔

سوال :۔ احادیث میں اس کی ممانعت نہیں آئی ؟

فرمایا :۔ ”یہ کوئی دلیل نہیں ہے اگر کوئی شخص اس بناء پر کہ حدیث میں ذکر نہیں ہے اور اس لئے قرآن شریف پر پاؤں رکھ کر کھڑا ہوا کرے تو کیا یہ جائز ہو جاوے گا۔ ہرگز نہیں۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ [2] “ [3]

سوال :۔ کیا قبلہ کی طرف مجبوری سے بھی پاؤں کرنا منع ہے ؟

جواب :۔ قبلہ کی طرف پاؤں کرنا کفر تو نہیں البتہ ادب کے خلاف ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشاب وغیرہ کے متعلق فرمایا ہے اگر آگے دیوار نہ ہو تو ادھر مُنہ کر کے پیشاب نہیں کرنا چاہیئے مگر دوسری جگہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو ایسا کرتے دیکھا گیا۔ اس کی یہی تشریح کی گئی ہے کہ سامنے دیوار تھی۔ قبلہ کی طرف پاؤں نہ کرنا ادب کا طریق ہے لیکن اگر کوئی کریگا تو بد تہذیب ہے۔“ [4]

سوال :۔ کعبہ کی طرف پاؤں کر کے نہ سونے کی شرعی حجت کیا ہے ؟

جواب :۔ کعبہ کی طرف پاؤں کر کے سونے کو بزرگوں نے خلاف ادب سمجھا ہے اس لئے اس سے بچنا چاہیئے۔ سوائے اس کے کہ کوئی خاص عذر ہو۔ مثلاً بیمار کے لئے ادائیگی نماز کی یہ صورت علماء نے لکھی ہے کہ اگر انسان بوجہ بیماری لیٹ کر نماز پڑھنے پر مجبور ہو تو چت لیٹ کر نماز پڑھے۔ پاؤں کعبہ کی طرف ہوں اور سر مقابل کی سمت میں۔“ [5]

---

[1] : الفضل ۲ مئی ۱۹۶۰ء ؛ [2] : سورۃ الحج : ۳۳ ؛ [3] :۔ بدر ۲۴ جولائی ۱۹۰۴ء صفحہ ۶ ، الحکم ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء صفحہ ۲ فتاوی مسیح موعود صفحہ ۲۶ ؛ [4] :۔ الفضل ۲۹ جون ۱۹۲۶ء ؛ [5] :۔ کشف الغمہ باب صلوٰۃ المعذور صفحہ ۲۴۳ ؛

اسی طرح حدیث میں اس بات کی تصریح آئی ہے کہ کعبہ کی طرف منہ یا پیٹھ کر کے پیشاب یا پاخانہ کے لئے نہیں بیٹھنا چاہیئے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا اَتٰی اَحَدُکُمُ الْغَائِطَ فَلَا یَسْتَقْبِلُ الْقِبْلَۃَ وَلَا یُوَلِّیْھَا ظَھْرَہٗ شَرِّقُوْا اَوْ غَرِّبُوْا۔ [1]

---

[1]: ۔ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب لا تستقبل القبلۃ بغائط او بول الا عند البناء جدار او نحوہ صہ[۲۶] ۔

نماز جنازہ

جب بتقاضائے قدرت کسی کی وفات کا وقت قریب آجائے تو اس کے پاس سورہ یٰسٓ پڑھی جائے[1] دھیمے دھیمے اور بلند آواز سے کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت بھی پڑھنا چاہیئے۔ وفات واقع ہوجانے پر اور ایسی خبر ملنے پر موجود لوگ "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھیں۔ مرنے والے کی آنکھوں کو ہاتھ سے بند کردیں۔ سر کو باندھ دیں تاکہ منہ کھلا نہ رہ جائے۔ جزع و فزع کی بجائے صبر اور حوصلہ کے ساتھ متعلقین تجہیز و تکفین کا اہتمام کریں۔

میت کو غسل دیں اس کا طریق یہ ہے کہ تین بار بدن پر تازہ یا نیم گرم پانی ڈالیں اگر ہو سکے تو پانی میں بیری کے پتے ملانا مسنون ہے۔ پہلے وہ اعضاء دھوئے جائیں جو وضوء میں دھوئے جاتے ہیں۔ کلی کرانے اور ناک میں پانی ڈالنے یا پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد بدن کے دائیں اور بائیں حصہ پر پانی ڈال کر دھوئیں۔ نہلاتے وقت بدن کے واجب الستر حصہ پر کپڑا پڑا رہنا چاہیئے۔ مرد میت کو مرد اور عورت میت کو عورت نہلائے۔ بشرط ضرورت بیوی اپنے متوفی میاں کو نہلا سکتی ہے۔ اسی طرح مرد اپنی بیوی کو نہلا سکتا ہے[2]

نہلانے کے بعد کفن پہنایا جائے جس میں کم قیمت اور سادہ سفید کپڑا استعمال کیا جائے۔ مرد کے تین کپڑے۔ کرتہ، تہہ بند اور بڑی چادر جسے لفافہ بھی کہتے ہیں اور عورت کے لئے ان تین کپڑوں کے علاوہ سینہ بند اور سر بند بھی ہونے چاہئیں۔ تجہیز و تکفین میں سادگی اختیار کرنا موجب برکت و ثواب ہے۔ شہید کو نہلانے اور کفن پہنانے کی ضرورت نہیں۔ اُسے اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں ہی دفنایا جائے۔

غسل اور تکفین کے بعد میت کا منہ دیکھنے کی اجازت ہے۔[3]

---

[1]: (الف) ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ما یقال عند المریض اذا حضر ص۱۰۱
(ب) ابوداؤد کتاب الجنائز باب القرأۃ عند المیت ص۹۵

[2]: (الف) ابن ماجہ ابواب الجنائز باب فی غسل الرجل امراتہ وغسل المراۃ زوجہا ص۱۰۵
(ب) دار قطنی ص۱۹۴، بیہقی ص۳۹۶ جلد ۳۔ کتاب الحلیۃ ابو نعیم فی ترجمۃ فاطمۃ رض

[3]: ابن ماجہ ابواب الجنائز باب ما جاء فی النظر الی المیت اذا ادرج فی اکفانہ ص۱۰۶

تکفین کے بعد جنازہ کو کندھوں پر اُٹھا کر جنازہ گاہ لے جایا جائے۔ وہاں نماز جنازہ کے لئے حاضر لوگ امام کے پیچھے صف باندھیں۔ زیادہ لوگ ہوں تو صفیں طاق بنائی جائیں[۱] امام صفوں کے آگے درمیان میں کھڑا ہو۔ میّت اس کے سامنے ہو۔ امام بلند آواز سے تکبیر تحریمہ کہے۔ مقتدی بھی آہستہ آہستہ آواز میں تکبیر کہیں۔ اس کے بعد ثناء اور سورہ فاتحہ آہستہ آواز سے پڑھی جائے[۲] پھر امام بغیر ہاتھ اُٹھائے بلند آواز سے دوسری تکبیر کہے اور مقتدی بھی آہستہ آواز سے کہیں۔ پھر درود شریف جو نماز میں پڑھتے ہیں پڑھا جائے۔ پھر تیسری تکبیر کہی جائے اور میّت کیلئے مسنون دُعا کی جائے۔ اس کے بعد چوتھی تکبیر کہہ کر امام دائیں بائیں بلند آواز سے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے اور مقتدی آہستہ آواز سے یہ سلام کہیں[۳]

بوقت ضرورت کسی غیر معمولی شخصیّت کی نماز جنازہ غائب بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح جس کا جنازہ کسی نے نہ پڑھا ہو یا بہت تھوڑے سے آدمی جنازہ میں شریک ہو سکے ہوں تو اس کی نماز جنازہ غائب پڑھنا بھی جائز ہے بشرطیکہ مقامی جماعت جنازہ غائب پڑھنے کا فیصلہ دے یا مرکز سے اس کی اجازت حاصل کر لی جائے[۴]

نماز جنازہ فرض کفایہ ہے۔ یعنی سب مسلمانوں پر بحیثیت مجموعی فرض ہے۔ اگر کچھ لوگ نماز پڑھ لیں تو باقی سبکدوش ہو جائیں گے لیکن باوجود علم ہو جانے کے اگر کوئی نہ پڑھے تو سب گنہگار ہوں گے۔

نماز جنازہ کی مسنون دعائیں

بالغ مرد اور بالغ عورت کے لئے دُعا:۔

(۱) اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِحَیِّنَا وَ مَیِّتِنَا وَ شَاھِدِنَا وَ غَائِبِنَا وَ صَغِیْرِنَا وَ کَبِیْرِنَا وَ ذَکَرِنَا وَ اُنْثَانَا ۔ اَللّٰھُمَّ مَنْ اَحْیَیْتَہٗ مِنَّا فَاَحْیِہٖ عَلَی الْاِسْلَامِ وَ مَنْ تَوَفَّیْتَہٗ مِنَّا فَتَوَفَّہٗ عَلَی الْاِیْمَانِ ۔ اَللّٰھُمَّ لَا تَحْرِمْنَا اَجْرَہٗ وَلَا تَفْتِنَّا بَعْدَہٗ ۔[۵]

---

[۱]:۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی من صلی علیہ جماعۃ من المسلمین صفحہ ۱۰۸ ؛ [۲]:۔ عن ابن عباسؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قرأ علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب بخاری مرفوعاً صفحہ ۱۷۸ ، ترمذی صفحہ ۱۲۲ ، ابن ماجہ صفحہ ۱۰۷ ، ابوداؤد صفحہ ۱۰۰ ؛

[۳]:۔ تحفۃ الفقہاء صفحہ ۵۰۱ ؛ [۴]: د۔ بخاری باب الصلوٰۃ علی القبر صفحہ ۱۷۸ ۔ ب۔ نصب الرایہ احادیث الصلوٰۃ علی الغائب صفحہ ۲۸۳ ؛

[۵]:۔ ابن ماجہ کتاب الجنائز باب فی الدعاء فی صلوٰۃ الجنازۃ صفحہ ۱۰۷ ؛

یعنی اے اللہ بخش دے ہمارے زندوں کو اور جو مر چکے ہیں اور جو حاضر ہیں اور جو موجود نہیں۔ اور ہمارے چھوٹے بچوں کو اور ہمارے بڑوں کو اور ہمارے مردوں کو اور ہماری عورتوں کو۔ اے اللہ جس کو تو ہم میں سے زندہ رکھے اُسے اسلام پر قائم رکھ اور جس کو تو وفات دے اس کو ایمان کے ساتھ وفات دے۔ اے اللہ اس کے اجر و ثواب سے ہم کو محروم نہ رکھ اور اس کے بعد ہمیں کسی فتنہ میں نہ ڈال۔

۲۔ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ[1] وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَاَكْرِمْ مَنْزِلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَآءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهٖ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْاَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَاَبْدِلْهُ دَارًا خَيْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَاَهْلًا خَيْرًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَزَوْجًا خَيْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَاَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَاَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ ط۔[2]

یعنی اے اللہ اس کو بخش دے اور اس پر رحم فرما اور اس کو معاف کر دے اور اس سے درگذر فرما اور اس کو عزت کی جگہ دے اور اس کے داخل ہونے کی جگہ کو کشادہ فرما۔ اور غسل دے اس کو پانی اور برف سے اور اولوں سے یعنی تپش گناہ آب رحمت کے ذریعہ اس سے دُور کر دے۔ اور پاک و صاف کر اس کو خطاؤں سے جیسا کہ سفید کپڑا میل کچیل سے دُھل کر صاف ہوتا ہے اور اس کو اس کے گھر کے بدلہ میں اچھا گھر عطاء فرما اور اچھے اہل دے اس کے اہل سے اور اچھے ساتھی اس کے ساتھی سے۔ اور اس کو بہشت میں داخل فرما اور اس کو قبر کے عذاب اور آگ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

۳۔ نابالغ لڑکے کے جنازہ کی دُعا :۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ لَنَا سَلَفًا وَّفَرَطًا وَّذُخْرًا وَّاَجْرًا وَّشَافِعًا وَّمُشَفَّعًا[3]

یعنی۔ اے اللہ اس کو ہمارے فائدہ کے لئے پہلے جانے والا اور ہمارے آرام کا ذریعہ بنا اور سامان خیر بنا اور موجب ثواب یہ ہمارا سفارشی بنے اور اس کی سفارش قبول فرما۔

---

[1]۔ اگر عورت کی میت ہو تو مذکر کی ضمیر کی بجائے مؤنث کی ضمیر استعمال کی جائے مثلاً اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ کی جگہ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهَا وَارْحَمْهَا الخ۔ [2]: نسائی کتاب الجنائز باب الدعا صفحہ ۲۲۷/۱، ابن ماجہ کتاب الجنائز باب الدعا فی الصلوٰۃ علی الجنازہ صفحہ ۱۰۸؛ [3]: بخاری کتاب الجنائز صفحہ ۱۷۸/۱، شرح السنہ صفحہ ۳۵۷/۵؛

۴ - نابالغہ لڑکی کے جنازہ کی دُعاء :-

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا سَلَفًا وَ فَرَطًا وَ ذُخْرًا وَ اَجْرًا وَ شَافِعَةً وَّ مُشَفَّعَةً -

یعنی - اے اللہ اس بچی کو ہمارے فائدہ کے لئے پہلے جانے والی اور ہمارے آرام کا ذریعہ بنا اور سامان خیر بنا اور موجب ثواب یہ ہماری سفارشی بنے اور اس کی سفارش قبول فرما -

نماز جنازہ کے بعد جتنی جلدی ہو سکے میّت کو دفنانے کے لئے قبرستان لے جایا جائے - سب ساتھ جانے والوں کو باری باری کندھا دینے کی کوشش کرنی چاہیئے - اگر میّت بھاری ہو یا اُسے دُور لے جانا ہو تو گاڑی یا ٹرک وغیرہ پر رکھ کر لے جایا جا سکتا ہے - جنازہ لے جاتے وقت ساتھ ساتھ زیر لب ذکر الٰہی اور دُعائے مغفرت بھی کرتے جانا چاہیئے -

قبر لحد والا یا شق دار دونوں طرح جائز ہے - البتہ میّت کی حفاظت کے پیش نظر کشادہ اور گہری ہونی چاہیئے - بصورت مجبوری ایک قبر میں کئی میتیں بھی دفن کی جا سکتی ہیں - اگر میّت کو امانتاً دفن کرنا ہو یا زمین سخت سیلابہ ہو تو میّت کی حفاظت کے مدّ نظر لکڑی یا لوہے کے صندوق میں دفن کر سکتے ہیں [۱] چنانچہ صاحب ردّ المحتار لکھتے ہیں :-

(ولا بأس باتخاذ تابوت) ولو بحجر او حدید (له عند الحاجة) کرخاوة الارض -

میّت کو احتیاط کے ساتھ قبر میں اتارتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ عَلٰی مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ [۲] کے الفاظ کہے جائیں - اور لپٹی ہُوئی چادر کا بند کھول کر میّت کا مُنہ ذرا قبلہ کی طرف جُھکا دیا جائے - کچھ اینٹیں یا چوڑے پتھر رکھ کر لحد بند کر دی جائے اور اُوپر مٹی ڈال دی جائے - ہر حاضر کو مٹی ڈالنے میں کچھ نہ کچھ حصّہ لینا چاہیئے اور نہیں تو دونوں ہاتھوں سے تین مٹھی مٹی ڈالے اور ساتھ یہ آیۂ کریمہ پڑھے :-

مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَىٰ - [۳]

قبر کو مُسطّح اور تھوڑی سی کوہان دار بنانا مسنون ہے - قبر تیار ہونے پر مختصر سی دُعائے مغفرت کی جائے

---

[۱] :- ردّ المختار ص۸۳۶ جلد اوّل حاشیہ ؛ [۲] :- ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ماجاء فی ادخال المیّت القبر ص۱۱۱ ؛ [۳] :- سورہ طٰہٰ : ۵۶ ، بیہقی بحوالہ نیل الاوطار باب من این یدخل المیّت قبرہ .....الخ ص۸۴ ؛

اس کے بعد اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَ اِنَّا اِنْشَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ - کہتے ہوئے بادلِ حزین وصبر و حوصلہ واپس آئیں۔[1]

میت کے عزیزوں کے ساتھ تعزیت کی جائے اور صبر و حوصلہ کی تلقین کی جائے۔ قریبی یا پڑوسی پسماندگان کے گھر ایک وقت کا کھانا بھی بھجوائیں ۔ رسوم پرستی اور توہمات سے اجتناب کیا جائے۔ افسوس اور تعزیت کی حالت تین دن تک قائم رکھی جائے۔ اس کے بعد زندگی معمول پر آجانی چاہیئے۔ البتہ جس عورت کا خاوند مر جائے وہ چار ماہ دس دن تک سوگ منائے۔ یعنی بلا اشد ضرورت گھر سے باہر نہ نکلے۔ بناؤ سنگار نہ کرے۔ بھڑکیلے کپڑے نہ پہنے۔ خوشبو کا استعمال نہ کرے۔ خوشی کی تقریبات میں شامل نہ ہو اور صبر و شکر کے ساتھ ذکر الٰہی میں یہ دن گذارے۔

---

[1] :- ابن ماجہ کتاب الجنائز باب فیما یقال اذا دخل المقابر ص۱۱۱۔

متفرقات

مرض کی صورت میں صحیح علاج کی طرف زیادہ توجہ دی جائے ۔نیز شافیٔ مطلق کے حضور صحت کے لئے درد و الحاح کے ساتھ دُعا کی جائے ۔ صدقہ دیا جائے ۔

دُعا کی ایک صورت دَم بھی ہے اور اس رنگ میں کسی بزرگ سے بطور تبرک دم کرانا جائز ہے لیکن نہ تو اس طریق کو عام کیا جائے اور نہ ہی اسے بطور پیشہ اختیار کیا جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عموماً یہی طریق تھا اور آپ کے صحابہؓ کا بھی یہی عمل رہا کہ دُعا کے اس طریق کو بہت کم اختیار کیا گیا۔ کیونکہ اس میں بدعت کے راہ پانے اور رسم چل پڑنے کا بھی ڈر ہے ۔

عام طور پر سورۂ فاتحہ اور معوذتین پڑھ کر دَم کرنے کے بارہ میں روایات[1] آئی ہیں ۔

سوال :۔ مریض کو قرآن مجید کی کونسی آیات پڑھ کر دَم کیا جائے ؟

جواب :۔ بخاری کی یہ روایت اس بارہ میں ہماری رہنمائی کرتی ہے :۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا آوٰى اِلٰى فِرَاشِهٖ نَفَثَ فِىْ كَفَّيْهِ بِقُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ وَ بِالْمُعَوِّذَتَيْنِ جَمِيْعًا ثُمَّ يَمْسَحُ بِهِمَا وَجْهَهٗ وَمَا بَلَغَتْ يَدَاهُ مِنْ جَسَدِهٖ قَالَتْ عَائِشَةُ فَلَمَّا اشْتَكٰى كَانَ يَاْمُرُنِىْ اَنْ اَفْعَلَ ذٰلِكَ بِهٖ[2]

یعنی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام جب سونے کے لئے بستر پر لیٹتے تو اپنے دستِ مبارک پر سورۂ اخلاص۔ سورۂ فلق اور سورۂ الناس پڑھ کر پھونک مارتے اور پھر ہاتھوں کو چہرہ اور تمام جسم پر جہاں تک ہاتھ پہنچتا پھیرتے اور جب آپ بیمار ہوتے تو مجھے ایسا کرنے کے لئے فرماتے ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا :۔

”دم مریض پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور مَیں سمجھتا ہُوں کہ عقلاً اس کا فائدہ اور اس کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔ باقی چیزوں پر دم ...... رسُول اللہ

---

[1] :۔ بخاری کتاب الطب باب النفث فی الرقیۃ صفحہ ۸۵۵ ج ۲ ۔ [2] :۔ بخاری کتاب الطب باب النفث فی الرقیۃ صفحہ ۸۵۵ ج ۲ ۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ...... گو اس میں بھی بعض حالات میں فائدہ ہو سکتا ہے مگر اس سے بعض نتائج پیدا ہو سکتے ہیں جو خطرناک ہیں۔ ان کا فائدہ کم ہے اور نقصان زیادہ ہے۔ یہ روحانیت پر ایسا اثر ڈال دیتی ہے کہ خدا تعالیٰ سے دور کر دیتی ہے یہ چیزیں انسان کو دعا سے غافل کر دینے والی ہیں اور خدا کی طرف بار بار رجوع کرنا جو ایمان کی جزو ہے اس سے انسان کو دور کر دیتی ہے۔" [1]

سوال :۔ وفات کے وقت مسلمان کے لئے کونسی دعا پڑھی جاتی ہے ؟

جواب :۔ جب ایک مسلمان پر حالت نزع طاری ہو تو پاس والے کلمات خیر کہیں۔ مثلاً

(الف) لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ پڑھیں۔ [2]

(ب) خوش الحانی سے حاضرین میں سے کوئی سورۂ یاسین کی تلاوت کرے۔ [3]

(ج) نیز یہ ذکر کرنے کا بھی حکم ہے :۔

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ اَللّٰهُمَّ اَجِرْنِیْ فِیْ مُصِيْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَيْرًا مِّنْهَا ۔ [4]

سوال :۔ اگر کوئی عورت ایسی حالت میں مر جائے کہ وہاں کوئی دوسری عورت نہیں یا مرد مر جائے جبکہ کوئی دوسرا مرد وہاں نہیں تو پھر غسل اور نماز جنازہ وغیرہ کس طرح ہوگا۔

جواب :۔ میدان جنگ میں اگر کوئی عورت ماری جائے تو بلا غسل اس کی تجہیز و تکفین کی جائے۔ ہاں نماز جنازہ میں اگر کوئی روک نہ ہو تو پڑھی جائے۔ بحالت ضرورت غیر محرم مرد عورت کا جنازہ اُٹھا سکتے ہیں۔ اور اس کی تدفین بھی کر سکتے ہیں۔ اگر کوئی عورت میدان جنگ میں قتل نہ ہو بلکہ کسی مرض سے وفات ہو تو غسل کے لئے کپڑوں سمیت اُوپر پانی ڈالا جائے اور پھر کفن میں لپیٹ کر تدفین کی جائے۔

بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس صورت میں بلا غسل تدفین ہو یا میّت کو تیمم کرا دیا جائے۔ یعنی اس کی باہوں اور منہ پر ہاتھ پھیرا جائے اور اس وقت تیمم کرانے والا اپنے ہاتھوں پر کپڑا لپیٹ لے۔ [5]

---

[1] : الفضل ۲۶ فروری ۱۹۲۲ء ؛ [2] : ترمذی ص۱۱۱ ، ابوداؤد باب فی التلقین ص۸۸ ؛ [3] : ابوداؤد کتاب الجنائز باب القراءة عند المیّت ص۸۹ ؛ [4] : مسلم باب مایقال عند المصیبة ص۳۶۰ مصری ؛ [5] : مراسیل ابوداؤد باب غسل المیّت ص۱۷ ؛

ہمارے نزدیک میّت کے رشتہ دار یا جماعت کے ذمہ دار عہدہ دار حسبِ صوابدید وموقع مناسب فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جس طرح بیماری کی صورت میں اگر لیڈی ڈاکٹر نہ ملے تو عورت مرد ڈاکٹر سے بھی علاج اور قابلِ ستر حصّہ میں بیماری کی تشخیص کرا سکتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی یہ طرزِ عمل اختیار کیا جا سکتا ہے۔

بہرحال یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے اور پردہ اور غیر محرم کو چھُونے کی ممانعت سے متعلق عام ہدایات پر اس اجتہاد کی بنیاد ہے۔ فقہاء نے اس سلسلہ میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:۔

اِتَّفَقُوْا عَلٰی اَنَّ الرِّجَالَ یَغْسِلُوْنَ الرِّجَالَ - وَالنِّسَآءَ یَغْسِلْنَ النِّسَآءَ وَاخْتَلَفُوْا فِی الْمَرْأَةِ تَمُوْتُ مَعَ الرِّجَالِ اَوِ الرَّجُلُ یَمُوْتُ مَعَ النِّسَآءِ مَالَمْ یَکُوْنَا زَوْجَیْنِ عَلٰی ثَلَاثَةِ اَقْوَالٍ فَقَالَ قَوْمٌ یَغْسِلُ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَہٗ مِنْ فَوْقِ الثِّیَابِ وَقَالَ قَوْمٌ یَتَیَمَّمُ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَہٗ وَبِہٖ قَالَ الشَّافِعِیُّ وَاَبُوْحَنِیْفَةَ وَجُمْهُوْرُ الْعُلَمَاءِ وَقَالَ قَوْمٌ لَا یَغْسِلُ کُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا صَاحِبَہٗ وَلَا یَتَیَمَّمُہٗ وَقَالَ لَیْثُ بْنُ سَعْدٍ بَلْ یُدْفَنُ مِنْ غَیْرِ غُسْلٍ [1]

غسل میّت طاعون زدہ

سوال:۔ طاعون زدہ کے غسل کے واسطے کیا حکم ہے؟

جواب:۔ فرمایا "مؤمن طاعون سے مرتا ہے تو وہ شہید ہے۔ شہید کے واسطے غسل کی ضرورت نہیں"۔ [2]

طاعون زدہ کو کفن

سوال:۔ طاعون زدہ کو کفن پہنایا جاوے یا نہیں؟

جواب:۔ فرمایا "شہید کے واسطے کفن کی ضرورت نہیں۔ وہ انہیں کپڑوں میں دفن کیا جائے۔ ہاں اس پر ایک چادر ڈال دی جائے تو ہرج نہیں ہے"۔ [3]

سوال:۔ خواتین کے کفن میں کتنے کپڑے ہوتے ہیں۔ سُنا ہے آجکل ایک پاجامہ کا اضافہ ہُوا ہے؟

---

[1] بدایۃ المجتہد الباب الثانی فی غسل المیّت الفصل الثالث صفحہ ۱۷۹ ؛ [2] [3] صفحہ ۳۰۲ :۔ بدر ۴ اپریل ۱۹۰۷ء ؛

جواب :۔ کفن کے طور پر عورت کے لئے ضرورت کے لحاظ سے پانچ کپڑے تفصیل ذیل ہونے چاہئیں
تہہ بند، کُرتا، لفافہ، سینہ بند، صافی جس سے سر کے بال باندھے جائیں۔ یہ مسنون تعداد ہے۔ اس سے
زیادہ کپڑے کفن میں استعمال کرنا بدعت کا رنگ اختیار کر سکتا ہے۔ اس سے بچنا چاہیئے۔
کفن سفید معمولی قیمت کے لٹھے یا کھدر کا ہونا چاہیئے۔

سوال :۔ جنازہ اٹھاتے وقت میّت کا سَر کس طرف ہونا چاہیئے؟

جواب :۔ جنازہ کو قبرستان لے جانا اور اس کی تدفین میں حصّہ لینا ایک شرعی ہدایت ہے اور شرعی
ہدایت کی بنیاد قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر ہے۔ ہم اپنے قیاس یا خود
ساختہ حکمت سے کسی امر یا طریق کار کو شرعی قرار نہیں دے سکتے۔ اس اصول کو مدّنظر رکھتے
ہُوئے جنازہ کو اٹھانے کے بارہ میں جو ہدایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے ملتی
ہے وہ یہ ہے کہ میّت کو چارپائی یا اسی شکل کی کسی اور چیز مثلاً سٹریچر وغیرہ پر لٹانا چاہیئے۔ حدیث
میں اس کے لئے سریر کا لفظ آیا ہے پھر اس جنازہ کو چار آدمی اٹھائیں البتہ اگر مشکل ہو یا عذر ہو تو دو
آدمی بھی اُٹھا سکتے ہیں۔ اسی طرح بوقت ضرورت سواری کے کسی جانور۔ گاڑی۔ چھکڑے۔
ایمبولینس کار وغیرہ پر بھی جنازہ کو قبرستان کی طرف لے جا سکتے ہیں۔

احادیث میں ایسی کوئی تشریح نہیں ملتی جس سے بالوضاحت یہ پتہ چل سکے کہ جنازہ لے جاتے
وقت میّت کا سَر کس طرف اور پاؤں کس طرف ہونے چاہئیں۔ تاہم طبعی طریق جسے سنّت، عمل
اور اُمّت کے تعامل نے واضح کیا ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء نے
عملاً اس کی تصدیق فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ میّت کا سَر ادھر ہونا چاہیئے جدھر جنازہ لے جایا جا رہا
ہے اور حکمت دینی کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

فقہ کی کتابوں میں جنازہ اٹھانے کا جو طریق لکھا ہے وہ یہ ہے :۔

”تُحْمَلُ الْجَنَازَةُ مِنْ جَوَانِبِهَا الْاَرْبَعِ فَيَبْدَأُ الَّذِيْ يُرِيْدُ حَمْلَهَا
بِالْمُقَدَّمِ الْاَيْمَنِ مِنَ الْمَيِّتِ فَيَجْعَلُهُ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ
الْمُؤَخَّرِ الْاَيْمَنِ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ الْمُقَدَّمِ الْاَيْسَرِ عَلٰى
عَاتِقِهِ الْاَيْسَرِ ثُمَّ الْمُؤَخَّرِ الْاَيْسَرِ عَلٰى عَاتِقِهِ الْاَيْسَرِ۔“[1]

یعنی جنازہ چار اطراف سے اُٹھایا جائے۔ جو شخص جنازہ کو کندھا دینا چاہے وہ پہلے میّت کے
اگلے حصّہ کی دائیں جانب کو کندھا دے۔ پھر دوسرا اس کے پچھلے حصّہ کی دائیں جانب کو کندھے پر

---

[1] :۔ تحفة الفقهاء ص۳۶۶ ؎

رکھے۔ پھر تیسرا اگلے حصّہ کی بائیں جانب کو کندھا دے اور چوتھا پچھلے حصہ کی بائیں جانب کو کندھا دے۔

حضرت انسؓ سے طبرانی کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مَنْ حَمَلَ جَوَانِبَ السَّرِيْرِ الْاَرْبَعِ كَفَّرَ اللّٰهُ عَنْهُ اَرْبَعِيْنَ كَبِيْرَةً [1]

یعنی جو شخص جنازہ کو چاروں اطراف سے اٹھاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے چالیس قصور معاف کر دے گا۔

نماز جنازہ میں چار سے زیادہ تکبیریں

مسلم ترمذی ابوداؤد کی حدیث ہے کہ:۔

(۱) كَانَ زَيْدُ بْنُ اَرْقَمَ يُكَبِّرُ عَلٰى جَنَائِزِنَا اَرْبَعًا وَاِنَّهٗ كَبَّرَ خَمْسًا فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُهَا۔ [2]

یعنی۔ زید بن ارقمؓ نے ایک جنازہ پڑھاتے ہوئے پانچ تکبیریں کہیں جب پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی (کبھی کبھی) اس طرح چار سے زائد تکبیریں کہا کرتے تھے۔

(۲) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ كَانَ يُكَبِّرُ عَلٰى اَهْلِ بَدْرٍ سِتًّا وَعَلَى الصَّحَابَةِ خَمْسًا وَعَلٰى سَائِرِ النَّاسِ اَرْبَعًا۔ [3]

ب:۔ عَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ كَبَّرَ عَلٰى سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ سِتًّا وَقَالَ اِنَّهٗ شَهِدَ بَدْرًا۔ [4]

یعنی۔ ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ بدری صحابہ کے جنازہ میں چھ۶ دوسرے صحابہ کے جنازہ میں پانچ اور عام لوگوں کے جنازہ میں چار تکبیریں کہا کرتے تھے۔ بخاری میں بھی اسی مضمون کی حدیث آئی ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک بدری صحابی سہل بن حنیف کے جنازہ پر چھ تکبیریں کہیں۔

---

[1] : طبرانی الاوسط بحوالہ نیل الاوطار کتاب الجنائز باب حمل الجنازة والسیر بہا ص۶۵ ج۴ [2] : ابوداؤد ابواب الجنائز باب التکبیر علی الجنازة ص۱۰۱ ج۲
[3] :- ابن منذر بحوالہ نیل الاوطار ص۵۸ ج۴ [4] : بخاری کتاب المغازی ص۵۷۱ ج۲ و نصب الرایہ ص۲۶۶ ج۲ و نیل الاوطار ص۵۹ ج۴

پس ان احادیث سے چار سے زائد تکبیرات کا جواز ثابت ہے۔ گو عام دستور چار تکبیریں کہنے کا ہے۔

سوال :۔ بمباری کی وجہ سے بہت سے فوجی ریزہ ریزہ ہو گئے ان کی نماز جنازہ اور قبر کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب :۔ ایک ہی جگہ نعشوں کے بچے ہوئے حصوں کو جمع کر کے اکٹھے جنازہ پڑھا جائے اور ایک قبر میں دفن کر دیا جائے۔ اس میں کچھ حرج نہیں۔ اُحد کی جنگ میں ایک قبر میں کئی کئی شہدا کو دفن کیا گیا تھا۔

كُفِّنَ الرَّجُلُ وَالرَّجُلَانِ وَالثَّلٰثَةُ فِيْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ ثُمَّ يُدْفَنُوْنَ فِيْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ۔ [1]

مشتبہ الحال شخص کا جنازہ

مشتبہ الحال شخص سے مراد ایسا شخص ہے جو اگرچہ باقاعدہ طور پر تو جماعت احمدیہ میں داخل نہ ہو مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مکذب بھی نہ ہو بلکہ احمدیوں سے میل جول رکھتا ہو اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے متعلق ان کی ہاں میں ہاں ملا کر ایک گونہ تصدیق کرتا ہو۔ ایسے شخص کے جنازہ کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ظاہراً کوئی حرج نہیں سمجھا۔ اگرچہ انقطاع کو بہتر قرار دیا ہے۔ جماعت احمدیہ کا عمل ایسے شخص کے بارہ میں بھی حضور کے ارشاد کے آخری حصہ پر ہے یعنی انقطاع کو بہرحال بہتر خیال کیا گیا ہے۔ مناسب حالات میں پہلے حصے پر بھی عمل کرنے میں کچھ حرج نہیں (جس کی اجازت لی جا سکتی ہے) بشرطیکہ امام احمدیوں میں سے ہو۔ اگر نماز جنازہ میں امام احمدی نہ ہو سکتا ہو تو پھر ایسے شخص کے جنازہ کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مندرجہ ذیل خط ایک سند کی حیثیت رکھتا ہے:۔

"جو شخص صریح گالیاں دینے والا۔ کافر کہنے والا اور سخت مکذب ہے اس کا جنازہ تو کسی طرح درست نہیں۔ مگر جس شخص کا حال مشتبہ ہے اس کے لئے کچھ ظاہراً حرج نہیں ہے۔ کیونکہ جنازہ صرف دعا ہے اور انقطاع بہرحال بہتر ہے۔" [2]

سوال :۔ جو آدمی اس سلسلہ میں داخل نہیں اس کا جنازہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ حضرت اقدس نے فرمایا:۔

---

[1] : ترمذی باب قتلی احد و ذکر حمزۃؓ صفحہ ۱۲۱ ۔ [2] : ۲۳ ر فروری ۱۹۰۲ء ۔

”اگر اس سلسلہ کا مخالف تھا اور ہمیں بُرا کہتا تھا اور بُرا سمجھتا تھا تو اس کا جنازہ نہ پڑھو اور اگر خاموش تھا اور درمیانی حالت میں تھا تو اس کا جنازہ پڑھ لینا جائز ہے بشرطیکہ نمازِ جنازہ کا امام تم میں سے ہو ورنہ کوئی ضرورت نہیں۔ متوفی اگر بالجہر مکذب اور مکفر نہ ہو تو اس کا جنازہ پڑھ لینے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ علام الغیوب خُدا ہی کی ذات پاک ہے۔“ [۱]

غیر مبائع کا جنازہ۔

”ایسے غیر مبائع جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں خدمت کی ہے۔ اگر اب انہوں نے ہتک نہ کی ہو تو ہمارا فرض ہے کہ حضور کی طرف سے ان کی خدمت کا آخری بدلہ جنازہ پڑھ کر دیں۔ اس پر کئی لوگ مجھ پر ناراض بھی ہوئے مگر اس بارے میں میرا نفس اس قدر مطمئن ہے کہ میں کسی کی ناراضگی کی پرواہ نہیں کرتا۔ میں سمجھتا ہوں ہمارے دل بُغض سے پاک ہونے چاہئیں۔ زندگی میں ہم اُن سے دلائل سے لڑیں گے لیکن ان کی وفات کے بعد خُدا تعالیٰ سے یہی کہیں گے کہ یہ تیرے مسیح پر ایمان لائے تھے ہمیں جو تکلیف ان سے پہنچی ہے وہ ہم معاف کرتے ہیں اور تیرے حضور اُن کے لئے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں۔ خواجہ کمال الدین صاحب کی وفات پر بھی میں نے ایسا کیا تھا۔ خلافت سے انکار تو اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھتا ہے مگر اُن کی وفات کی خبر سُنتے ہی میں نے اُن کے لئے دُعا کی اور کہا کہ میں اپنی تکلیف معاف کرتا ہوں اللہ تعالیٰ تو بھی انہیں معاف کر دے۔“ [۲]

بچوں کا جنازہ

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:۔

”احمدیوں کے بچے احمدی ہیں اور جب تک کسی احمدی کا لڑکا یا لڑکی بلوغت کو پہنچ کر احمدیت کا انکار نہ کرے وہ احمدی ہی سمجھا جائے گا۔ اور ایسے احمدیوں کا سا ہی معاملہ ہوگا۔ کیونکہ اولاد جب تک ان میں سے کوئی بالغ ہو کر باپ کے مذہب کی مخالفت کا اعلان نہ کرے باپ کے مذہب پر ہی شمار ہوگی بلکہ احمدی ماں کے بچے بھی احمدی ہی سمجھے جائیں گے خواہ باپ غیر احمدی ہی کیوں نہ ہو۔ پس ایسے تمام لڑکے لڑکیوں کا جنازہ جائز ہے۔“ [۳]

---

[۱] الحکم ۳۰ اپریل ۱۹۰۲ء، البدر ۲۸ نومبر ۱۹۰۲ء ؛ [۲] الفضل ۹ جنوری ۱۹۳۲ء ص۳ ؛ [۳] الفضل ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۸ء ؛

سوال :- پھانسی پانے والے شخص کی نماز جنازہ ؟

جواب :- جس شخص کو پھانسی کی سزا ملی ہو اس کی نماز جنازہ جائز ہے ۔ امام احمد بن حنبلؒ فرمایا کرتے تھے:-

مَا يُعْلَمُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَرَكَ الصَّلٰوةَ عَلٰى اَحَدٍ اِلَّا عَلَى الْغَالِّ وَ قَاتِلِ نَفْسِهٖ ۔ [1]

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قومی امانت (غنائم) میں خیانت کرنے والے اور خودکشی کرنے والے کے سوا باقی سب کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرتے تھے اور یہی عام علماء کا مسلک ہے۔

ایک عورت نے بدکاری کے جرم کا اعتراف کیا اور اسے اس جرم میں سزا ملی اور وہ مر گئی۔ کسی نے اس عورت کے حق میں برا بھلا کہا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اسے برا نہیں کہنا چاہیئے۔ اس نے اپنے جرم کا اعتراف کرکے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر کوئی بڑا ظالم حاکم بھی کرے تو اس کی بخشش ہو جائے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اعتراف جرم کی صورت میں سزا پانا ایسی توبہ کا رنگ رکھتا ہے کہ اگر یہ توبہ ایک بڑی قوم پر تقسیم کی جائے تو ان کی بھی مغفرت ہو جائے۔ حدیث کے الفاظ ہیں:-

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ اُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ ۔ [2]

سوال :- خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ ؟

جواب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خودکشی کرنے والے کی نماز جنازہ نہیں پڑھی۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے:-

"اِنَّ رَجُلًا قَتَلَ نَفْسَهٗ بِمَشَاقِصَ فَلَمْ يُصَلِّ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" [3]

ایک شخص نے تیز پھل والے تیر سے خودکشی کر لی تو آپؐ نے اس کی نماز جنازہ نہ پڑھی بعض

---

[1] :- نیل الاوطار کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علیٰ من قتل فی حدٍ ص۴۲ ؛

[2] :- مسلم کتاب الحدود باب من اعترف علی نفسہ بالزنیٰ ص۱۱ ؛

[3] :- ابن ماجہ کتاب الجنائز باب فی الصلوٰۃ علیٰ اھل القبلۃ ص۱۱ ؛

علماء نے کہا ہے کہ آپ کا یہ عمل عبرت اور فعل کی شناعت کے اظہار کے لئے تھا کہ یہ بہت ہی بدی کا کام ہے۔ اسی بناء پر حضرت امام ابوحنیفہؒ ۔ حضرت امام مالکؒ اور بعض دوسرے علماء نے اجازت دی ہے کہ اگر عام لوگ ایسے شخص کی نماز جنازہ پڑھ لیں تو کوئی شناعت نہیں [۱] تاہم ہماری جماعت اجتناب کو بہتر سمجھتی ہے۔

غیر مسلم کی وفات اسلامی معاشرہ میں

اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کے ہاں یا اسلامی معاشرہ میں فوت ہو جائے اور اس کے لواحقین کے لئے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا ممکن نہ ہو تو تکفین و تدفین کا انتظام مسلمان اپنے طریق پر کر سکتے ہیں۔ البتہ غسل دینے کی ضرورت نہیں۔ [۲]

جنازہ غائب

کسی عبادت کے جواز کے لئے شرعی سند کا تعدد ضروری نہیں اگر یہ ثابت ہو جائے کہ ایک بار بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسا کام کیا جس کا بنیادی تعلق دین و عبادت سے ہے۔ اور پھر امام وقت نے اس سند کی بناء پر اس دینی کام کو رواج دیا اور اس میں ایک تسلسل اور باقاعدگی کی طرح ڈالی تو یہ طرز عمل جواز و استحسان کے لئے اصول شرعیہ اور قواعد فقہیہ کے عین مطابق ہوگا۔

اس اصول کی بناء پر جماعت احمدیہ نماز جنازہ غائب کی قائل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ آپ نے نجاشی شاہ حبشہ (جو مسلمان ہو چکے تھے) کی نماز جنازہ پڑھی تھی جبکہ نجاشی کی نعش ظاہری لحاظ سے عام دستور کے مطابق آپ کے سامنے نہ تھی۔ چنانچہ مسند احمد کی روایت ہے:-

نَعٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّجَاشِيَّ لِاَصْحَابِهٖ ثُمَّ قَالَ اسْتَغْفِرُوْا لَهٗ ثُمَّ خَرَجَ بِاَصْحَابِهٖ اِلَى الْمُصَلّٰى ثُمَّ قَامَ فَصَلّٰى بِهِمْ كَمَا يُصَلّٰى عَلَى الْجَنَازَةِ۔ [۳]

---

[۱]:- نیل الاوطار باب ترک الامام الصلوٰۃ علی الغال وقاتل نفسہ صفحہ ۴۷ جلد ۴۔ [۲]:- (الف) ابوداؤد باب الرجل یموت لہ قرابۃ مشرک صفحہ ۱۵۲ جلد ۲ - (ب) ھدایہ صفحہ ۱۴۱ جلد ۱۔ [۳]:- مسند احمد صفحہ ۵۲۹ جلد ۲۔

حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کو نجاشی کی وفات کی خبر سنائی۔ پھر فرمایا اس کے لئے بخشش کی دُعا کرو۔ پھر آپ اپنے صحابہ کے ساتھ جنازہ گاہ میں آئے اور کھڑے ہو کر اس طرح نماز پڑھائی جس طرح (سامنے پڑے ہُوئے) جنازے کی نماز پڑھائی جاتی ہے۔

ترمذی نے بھی اسی مضمون کی روایت کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ أَخَاكُمُ النَّجَاشِي قَدْ مَاتَ فَقُوْمُوْا فَصَلُّوْا عَلَيْهِ۔ [1]

ایک اور روایت ہے:۔

عَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ أَنَّ أُمَّ سَعْدٍ مَاتَتْ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَائِبٌ فَلَمَّا قَدِمَ صَلَّى عَلَيْهَا وَقَدْ مَضٰى لِذٰلِكَ شَهْرًا۔ [2]

یعنی حضور علیہ السلام باہر تھے کہ ام سعدؓ وفات پا گئیں۔ جب ایک ماہ کے بعد آپ تشریف لائے اور آپ کو وفات کا علم ہُوا تو آپ نے اُس کی نماز جنازہ پڑھائی۔

مجموعہ احادیث کی مشہور کتاب کشف الغمہ میں ہے:۔

كَانَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيْ عَلَى الْغَائِبِ عَنِ الْبَلَدِ۔ [3]

کہ حضور علیہ السلام اس شخص کا جنازہ پڑھتے جو مدینہ سے دُور کسی دوسری جگہ فوت ہوتا۔

غرض اس مضمون کی احادیث صحاح ستہ میں بکثرت آئی ہیں۔ اسی بناء پر صاحب نیل الاوطار لکھتے ہیں:۔

بِذٰلِكَ قَالَ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَجُمْهُوْرُ السَّلَفِ حَتّٰى قَالَ ابْنُ حَزْمٍ لَمْ يَأْتِ عَنْ أَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ مَنْعُهٗ۔ قَالَ الشَّافِعِيُّ الصَّلٰوةُ عَلَى الْمَيِّتِ دُعَاءٌ لَهٗ فَكَيْفَ لَا يُدْعٰى لَهٗ وَهِيَ غَائِبٌ أَوْ فِي الْقَبْرِ۔ [4]

یعنی فقہ کے مشہور عالم حضرت امام شافعیؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور اکثر بزرگان سلف جنازہ غائب پڑھنے کے قائل تھے۔ مشہور محدث ابن حزم کہتے ہیں کہ کسی صحابی کے متعلق یہ نہیں آتا کہ اس نے جنازہ غائب سے منع کیا ہو۔ امام شافعیؒ فرمایا کرتے

---

[1]:۔ ترمذی ص۱۲۳ ؛ [2]:۔ ترمذی باب الصلوٰۃ علی القبر ص۱۲۳ ؛ [3]:۔ کشف الغمہ ص۲۹۲

[4]:۔ نیل الاوطار الصلاۃ علی الغائب بالنیۃ و علی القبر الی شہر ص۲۹ ؛

تھے کہ نماز جنازہ تو ایک دُعا ہے پھر غائب میّت کے لئے یہ دُعا کیوں جائز نہیں ۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا :۔

جو جنازہ میں شامل نہ ہوسکیں وہ اپنے طور پر دُعا کریں یا جنازہ غائب پڑھیں ۔" ؎۱

اس سلسلہ میں جماعتِ احمدیہ کا بالعموم طرزِ عمل یہ ہے کہ مندرجہ ذیل صورتوں میں جنازہ غائب مستحسن ہے :۔

(۱) وفات پانے والی اہم شخصیت ہو اور مرکز سے جنازہ غائب کی تلقین کی گئی ہو ۔

(۲) موقع پر جنازہ پڑھنے والا کوئی نہ ہو یا کسی وجہ سے بہت تھوڑے لوگ جنازہ میں شرکت کرسکے ہوں اور مقامی جماعت نے اس بناء پر بالاتفاق جنازہ غائب کا فیصلہ کیا ہو۔

(۳) امام وقت کسی خاص وجہ سے کسی مرحوم کی نماز جنازہ غائب پڑھنا مناسب خیال کریں یا اس کی ہدایت دیں ۔

نماز جنازہ کا تکرار

ایک میّت کی کئی بار نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے اور اس کا جواز مندرجہ ذیل روایات سے ثابت ہے :۔

(۱) اَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلّٰى عَلٰى قَتْلٰى اُحُدٍ عَشَرَةً وَفِيْ كُلِّ عَشَرَةٍ حَمْزَةُ حَتّٰى صَلّٰى عَلَيْهِ سَبْعِيْنَ ۔ ؎۲

(۲) حضرت امام اعظمؒ کی چھ بار نماز جنازہ پڑھی گئی ۔ ؎۳

سوال :۔ نماز جنازہ حاضر یا غائب میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شمولیت کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب :۔ نماز جنازہ میں عورتوں کی شمولیت کے اہتمام کو پسند نہیں کیا گیا ۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے زمانہ میں اور پھر اس زمانہ کے حکم و عدل کے عہد میں اس نماز میں عورتوں کی شمولیت کی کوئی نمایاں مثال ہمیں نہیں ملتی ۔ البتہ اگر اتفاقی طور پر کوئی عورت شامل نماز ہو جائے ۔ مثلاً جمعہ یا درس کے لئے عورتیں جمع ہیں اور جنازہ آگیا ہے یا گھر کے صحن میں نمازِ جنازہ ہو رہی ہے اور صفوں کے پیچھے دو چار عورتوں نے اپنی صف بنا کر نماز پڑھ لی ہے تو ایسی

؎۱ :۔ بدر ۱۹ ارمئی ۱۹۰۸ء ؎۲ :۔ نیل الاوطار ترک الصلوٰۃ علی الشہید ص۴۲ مراسیل ابوداؤد ص۱۸
؎۳ :۔ سیرت ائمہ اربعہ ص۶۳

صورت جائز ہوگی ۔

اسی طرح نماز جنازہ غائب میں بصورت موجودگی (جیسے جمعہ کی نماز کے بعد جنازہ غائب یا حاضر ہو اور عورتوں کو اپنی الگ صف بنانے کے لئے مسجد سے باہر نہ جانا پڑے) تو وہ نماز جنازہ میں شامل ہو سکتی ہیں۔ اس کا جواز مندرجہ ذیل روایات سے نکلتا ہے اور سابقہ علماء نے بھی ان سے ایسا ہی استدلال کیا ہے۔

(۱) عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عَائِشَةَ لَمَّا تُوُفِّیَ سَعْدُ ابْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَتْ اَدْخِلُوْا بِهِ الْمَسْجِدَ حَتّٰی اُصَلِّیَ عَلَیْهِ فَاُنْكِرَ ذٰلِكَ عَلَیْهَا فَقَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَلَی ابْنَیْ بَیْضَاءَ فِی الْمَسْجِدِ سُهَیْلٍ وَ اَخِیْهِ ۔[۱]

(۲) قَدْ یُرْوٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَانَ مُعْتَكِفًا لِهٰذَا صَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ ۔[۲]

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت سعد بن ابی وقاص کی نماز جنازہ میت مسجد میں رکھوا کر پڑھی ۔

(۳) وَیُسْتَدَلُّ لِجَوَازِ صَلٰوةِ النِّسَاءِ بِمَا اَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ اَنَّ اَبَا طَلْحَةَ دَعَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی عُمَیْرِ بْنِ اَبِیْ طَلْحَةَ حِیْنَ تُوُفِّیَ فَاَتَاهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَصَلّٰی عَلَیْهِ فِیْ مَنْزِلِهِمْ فَتَقَدَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ اَبُوْ طَلْحَةَ وَرَائَهُ وَاُمُّ سُلَیْمٍ وَرَاءَ اَبِیْ طَلْحَةَ وَلَمْ یَكُنْ مَعَهُمْ غَیْرُهُمْ قَالَ الْحَاكِمُ هٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ ۔[۳]

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوطلحہ کے بیٹے عمیر کی نماز جنازہ ان کے گھر میں پڑھی۔ حضور آگے تھے ان کے پیچھے ابوطلحہ اور ان کے پیچھے ام سلیم صف بنا کر کھڑی تھیں ۔

(۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ دَخَلَ النَّاسُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

---

[۱] مسلم کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الجنازہ فی المسجد ص۳۱۵ ج۲ : [۲] مشکوٰۃ ابواب الجنائز ص۱۴۵ حاشیہ ۲
[۳] ۔ اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالکؒ ص۱۶۱ ج۲ ؛

اِذْسَالاً یُصَلُّوْنَ عَلَیْہِ حَتّٰی اِذَا فَرَغُوْا اَدْخَلُوْا النِّسَآءَ حَتّٰی اِذَا فَرَغُوْا اَدْخَلُوْا الصِّبْیَانَ وَلَمْ یَؤُمَّ النَّاسَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔[1]

یعنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ عورتوں نے بھی پڑھی۔

تاہم اس جواز کے باوجود یہ بات مسلّم ہے کہ عورتوں کے لئے خاص طور پر جنازہ کے ساتھ نکلنا اور جنازہ کی نماز میں اہتمام کے ساتھ شامل ہونا پسند نہیں کیا گیا۔

مسجد میں میّت رکھ کر نماز جنازہ ادا کرنا

عام علماء کا مسلک یہ ہے کہ جنازہ کی نماز مسجد سے باہر ہو۔ یعنی میّت اور نماز جنازہ پڑھنے والے دونوں مسجد سے باہر ہوں۔ لیکن ضرورت یا مجبوری ہو تو مسجد کے اندر بھی نماز جنازہ ہو سکتی ہے۔ میّت کو بلا اشد مجبوری مسجد کے اندر نہیں رکھنا چاہیئے۔ بلکہ صورت یہ ہو کہ امام اور مقتدی مسجد کے اندر صف باندھے ہوں اور میّت مسجد سے باہر امام کی نظر کے سامنے ہو۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بعض اوقات اسی طریق کے مطابق جنازہ پڑھاتے ہیں۔ تاہم نہ تو اس طرز عمل کو عادت بنا لینا چاہیئے اور نہ مقامی انتظامیہ کی باقاعدہ اجازت کے بغیر اسے عام کرنا چاہیئے۔

بہرحال اس طریق عمل کے جواز کے لئے سند موجود ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:

"عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا لَمَّا تُوُفِّیَ سَعْدُ بْنُ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَتِ ادْخُلُوْا بِہٖ الْمَسْجِدَ حَتّٰی اُصَلِّیَ عَلَیْہِ فَاُنْکِرَ ذَالِکَ عَلَیْھَا فَقَالَتْ وَاللّٰہِ لَقَدْ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی ابْنَیْ بَیْضَاءَ فِی الْمَسْجِدِ سُھَیْلٍ وَاَخِیْہِ۔[2]

یعنی۔ حضرت سعد بن وقاصؓ کی جب وفات ہوئی تو حضرت عائشہؓ معتکف تھیں۔ اس لئے انہوں نے کہلا بھیجا کہ میّت مسجد میں لائی جائے تاکہ وہ بھی جنازہ میں شامل ہو سکیں۔ بعض لوگوں نے اس پر اعتراض کیا تو آپ نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیضاء کے دو بیٹوں کا جنازہ (غالباً اعتکاف کی وجہ سے یا بارش کے پیش نظر) مسجد میں پڑھا تھا۔

۲۔ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی نعش مبارک مسجد نبوی میں منبر اور روضہ کے درمیان رکھکر نماز جنازہ ادا کی گئی تھی۔[3]

---

[1]: ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۱۹؛ [2]: مسلم کتاب الجنائز باب الصلوٰۃ علی الجنازہ ص۳۱۳؛
[3]: عمر فاروق اعظمؓ از محمد حسین ہیکل اردو ترجمہ ص۳۷۹؛

حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

" عَنْ نَافِعٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ اَنَّہٗ قَالَ صُلِّیَ عَلٰی عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فِی الْمَسْجِدِ " [۱]

۳۔ صاحب شرح وقایہ لکھتے ہیں :۔

" کُرِهَتْ فِیْ مَسْجِدِ جَمَاعَةٍ اِنْ کَانَ الْمَیِّتُ فِیْهِ وَاِنْ کَانَتْ خَارِجَةً ...... لَا تُکْرَهُ عِنْدَ الْمَشَائِخِ ۔ " [۲]

یعنی مسجد میں میّت رکھ کر جنازہ پڑھنا بعض علماء کے نزدیک مکروہ اور ناپسندیدہ ہے لیکن اگر نمازی مسجد میں ہوں اور میّت مسجد سے باہر ہو تو یہ جائز ہے اور مکروہ نہیں ہے۔ [۳]

سوال :۔ نماز جنازہ جوتیوں سمیت اور ننگے سر ادا کرنا کیسا ہے ؟

جواب :۔ (الف) حدیث میں یہ امر پُوری وضاحت کے ساتھ آیا ہے کہ جوتی کے ساتھ نماز جائز ہے حدیث کی ہر مشہور کتاب میں یہ روایت موجود ہے۔ ہم جو مساجد میں جوتیاں لے جانے سے منع کرتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مساجد میں صفائی رہے۔ دریاں اور فرش گندے نہ ہوں ورنہ یہ ممانعت کسی شرعی حکم کی وجہ سے نہیں ہے۔ نماز جنازہ چونکہ مسجد سے باہر ہوتی ہے اس لئے جوتیاں پہن کر نماز جنازہ ادا کر لینے میں کوئی حرج نہیں ۔

(ب) ننگے سر نماز ادا کرنا پسندیدہ امر نہیں کیونکہ یہ امر بزرگوں اور سلف صالحین کے طریق کے خلاف ہے اس لئے معیوب ہے ۔

سوال :۔ نماز جنازہ بعد نماز عصر ۔

جواب :۔ نماز جنازہ کسی وقت بھی ہو سکتی ہے۔ نماز عصر کے بعد بھی اور نماز فجر کے بعد بھی۔ اس میں کوئی شرعی روک نہیں ہے۔ البتہ حنفی اور بعض مسلمان فرقے مکروہ اوقات میں نماز جنازہ پسندیدہ نہیں سمجھتے ۔ [۴]

سوال :۔ تدفین کے بعد نعش ایک ملک سے دوسرے ملک میں لے جانا۔ نیز کتنے عرصہ بعد نعش نکال سکتے ہیں۔ اور تابوت کی کیا سند ہے ؟

---

[۱] :۔ موطا امام مالک باب الصلوٰۃ علی الجنازہ فی المسجد صفحہ ۵ ونصب الرایہ صفحہ ۲۷۶ ؛ [۲] :۔ شرح وقایہ صفحہ ۲۵۶ ؛

[۳] :۔ نیز دیکھیں کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعہ صفحہ ۵۲۷ ؛ [۴] :۔ (الف) ترمذی باب کراہیۃ الصلوٰۃ علی الجنازہ صفحہ ۱۲۲ (ب) شرح وقایہ کتاب الصلوٰۃ صفحہ ۱۴۹ ؛

جواب :۔ میّت اگر ایک جگہ دفن ہو اور ضرورت کی بناء پر اُسے دوسری جگہ یا دوسرے ملک میں منتقل کرنا ہو تو اس میں کوئی شرعی روک نہیں ہے۔ اصل مقصد میت کی توقیر ہے۔ اگر نعش نکالنے کا مقصد اس کی تحقیر نہ ہو بلکہ کوئی مفید اور مُسلّم غرض ہو تو نعش کو قبر سے نکالا جا سکتا ہے خصوصاً جبکہ وہ بکس میں محفوظ ہو۔

ضرورت اور مصلحت کا فیصلہ مسلمانوں کے مرکزی نظام یا مقامی تنظیم کو کرنا چاہیئے۔ اصل مقصد بُو سے بچنا ہے اگر بُو نہیں تو عرصہ کی تعیین کے بغیر بھی بکس نکالا جا سکتا ہے۔ عرصہ اور مدت کوئی شرعی مسئلہ نہیں بلکہ اندازہ اور تجربہ کی بناء پر چھ ماہ یا سال کی مدت بتائی جاتی ہے کہ اس عرصہ میں بالعموم بُو ختم ہو جاتی ہے اور نعش خشک ہو جاتی ہے۔

سابقہ فقہاء کی آراء اور بعض واقعات کے حوالے درج ذیل ہیں :۔

(۱) كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرَخِّصُ فِيْ نَقْلِ الْمَيِّتِ وَنَبْشِ قَبْرِهٖ لِمَصْلَحَةٍ۔ [۱]

(۲) مَاتَ سَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَسَعِيْدُ بْنُ زَيْدٍ بِقَصْرِهِمَا بِالْعَتِيْقِ فَحُمِلَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ وَدُفِنَا بِهَا۔ [۲]

(۳) تُوُفِّيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍؓ بِالْحَبَشَه (اسمُ مَكانٍ)، فَحُمِلَ اِلٰى مَكَّةَ وَدُفِنَ بِهَا۔۔۔۔۔۔ [۳]

(۴) حضرت یعقوب اور حضرت یوسف علیہما السلام کی نعشیں مصر سے منتقل کر کے فلسطین لائی گئیں۔ [۴]

(۵) تابوت کے جواز کے بارہ میں مندرجہ ذیل سند قابلِ مطالعہ ہے :۔

(الف) لَا بَأْسَ بِاتِّخَاذِ التَّابُوْتِ وَلَوْ بِحَجَرٍ اَوْ حَدِيْدٍ عِنْدَ الْحَاجَةِ كَرَخَاوَةِ الْاَرْضِ۔

(ب) اِسْتَحْسَنَ مَشَائِخُنَا اِتِّخَاذَ التَّابُوْتِ لِلنِّسَاءِ وَلَوْ لَمْ تَكُنِ الْاَرْضُ رَخْوَةً فَاِنَّهٗ اَقْرَبُ اِلَى السَّتْرِ وَالتَّحَرُّزِ عَنْ مَسِّهَا عِنْدَ الْوَضْعِ فِي الْقَبْرِ۔ [۵]

۱، ۲، ۳ :۔ کشف الغمہ ص ۲۰۹ جلد ۱ باب فی نقل المیّت ؛ ۴ :۔ (الف) طبری الجزء اوّل تاریخ الامم والملوک ص ۲۱۶-۱۸۷ (ب) البدایہ والنہایہ ص ۲۲۰ جلد ۱۔ (ج) رد المحتار ص ۸۴۰ جلد ۱ ؛ ۵ :۔ رد المحتار ص ۸۳۶ جلد ۱ ؛

سوال :- جس گھر میں وفات ہو جائے تو وہاں قریبی رشتہ داروں اور پڑوسیوں کی طرف سے کھانے بھیجنے کے بارہ میں کیا ہدایت ہے ؟

جواب :- وفات کے موقع پر میّت والوں کے گھر میں پڑوسیوں یا قریبی رشتہ داروں کی طرف سے دو تین دن کھانا بھجوانا مسنون ہے۔ حدیث میں آتا ہے :-

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ قَالَ لَمَّا جَاءَ نَعْیُ جَعْفَرٍ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِصْنَعُوْا لِاَھْلِ جَعْفَرٍ طَعَامًا فَاِنَّهٗ قَدْ جَاءَھُمْ مَا یَشْغَلُھُمْ [1]

یعنی حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آپ کے والد حضرت جعفرؓ کی شہادت کی خبر آئی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا۔ جعفرؓ کے اہل و عیال کے لئے کھانا تیار کرو کیونکہ وہ جعفر کی وفات کے غم میں مبتلا ہیں اور کھانے کا اہتمام نہیں کر سکتے۔

زیارتِ قبور

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے زیارتِ قبور کے متعلق فرمایا :-

"قبرستان میں ایک روحانیت ہوتی ہے اور صبح کا وقت زیارتِ قبور کے لئے ایک سنّت ہے یہ ثواب کا کام ہے اور اس سے انسان کو اپنا مقام یاد آجاتا ہے۔ انسان اس دُنیا میں مسافر آیا ہے۔ آج زمین پر ہے تو کل زمین کے نیچے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جب انسان قبروں میں جاوے تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُسْلِمِیْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِکُمْ لَاحِقُوْنَ۔ اَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَکُمُ الْعَافِیَةَ۔[2]

سوال :- قبر پر کیا دُعا کرنی چاہیئے ؟

جواب :- فرمایا۔ صاحب قبر کے واسطے دُعائے مغفرت کرنی چاہیئے۔ اور اپنے واسطے بھی خُدا سے دُعا مانگنی چاہیئے۔ انسان ہر وقت خُدا کے حضور دُعا کرنے کا محتاج ہے [3]

مُردوں کے لئے دعا کرنا

سوال :- قبر پر کھڑے ہو کر کیا پڑھنا چاہیئے ؟

---

[1] :- ترمذی ابواب الجنائز باب فی الطعام یصنع لاھل المیت صفحہ ۱۱۹ ؛ [2] :- مسلم کتاب الجنائز باب مایقال عند دخول القبور- الخ ، ترمذی باب مایقول اذا دخل المقابر صفحہ ۱۲۵ ؛ [3] :- بدر ۱۹۰۵ء ۳۱/۱ ۲ ، فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۹۹ ؛

جواب :۔ میّت کے واسطے دُعا کرنی چاہیئے کہ خدا تعالیٰ اس کے درجات کو بلند کرے اور اگر اس نے کوئی قصور کیا ہے تو اُس کے قصوروں اور گناہوں کو بخشے اور ان کے پسماندگان کے واسطے اپنے فضل کے سامان کرے۔

سوال :۔ دُعا میں کونسی آیت پڑھنی چاہیئے ؟

جواب :۔ یہ تکلّفات ہیں۔ تم اپنی زبان میں جس کو بخوبی جانتے ہو اور جس میں تم کو جوش پیدا ہوتا ہے میّت کے واسطے دُعا کرو ۔[1]

سوال :۔ قبر پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا جائز ہے یا نہیں ؟

جواب :۔ قبر پر ہاتھ اُٹھا کر دُعا مانگنا جائز ہے[2] اور حدیث سے ثابت ہے حضرت امام بخاریؒ اپنے رسالہ رفعُ الیدین میں یہ حدیث لائے ہیں :۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَةٍ فَاَرْسَلْتُ بَرِیْرَةَ فِیْ اَثَرِہٖ لِتَنْظُرَ اَیْنَ یَذْھَبُ فَسَلَکَ نَحْوَ الْبَقِیْعِ الْغَرْقَدِ فَوَقَفَ فِیْ اَدْنَی الْبَقِیْعِ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ ثُمَّ انْصَرَفَ فَرَجَعَتْ بَرِیْرَةُ فَاَخْبَرَتْنِیْ فَلَمَّا اَصْبَحْتُ سَاَلْتُہٗ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیْنَ خَرَجْتَ اللَّیْلَةَ قَالَ بُعِثْتُ اِلٰی اَھْلِ الْبَقِیْعِ لِاُصَلِّیَ عَلَیْھِمْ[3]

یعنی حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے اپنی خادمہ حضرت بریرہؓ کو پیچھے بھیجا کہ جا کر دیکھو حضورؐ کدھر جاتے ہیں۔ چنانچہ بریرہ نے واپس آکر بتایا کہ حضور جنت البقیع گئے تھے اور وہاں حضور نے ہاتھ اُٹھا کر دُعا کی۔ صبح حضرت عائشہؓ نے حضور سے پوچھا کہ آپؐ رات کس لئے باہر گئے تھے تو آپ نے فرمایا مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا تھا کہ میں جنت البقیع میں مدفون اپنے صحابہ کے لئے دُعا کروں ۔

---

[1] :۔ بدر ۱۹۰۶ء ، فتاویٰ حضرت مسیح موعودؑ صفحہ ۱۰۹ ؛ [2] :۔ الفضل ۱۸ / مارچ ۱۹۱۶ء ؛

[3] :۔ (الف) مسلم باب مایقال عند دخول القبر والدعاء لاھلھا صفحہ ۳۸۸

(ب) حاشیہ المنتقی من اخبار المصطفیٰ صفحہ ۳۳۲ مطبوعہ مطبع رحمانی دہلی ۱۳۳۷ھ ؛

قبر میں سوال وجواب

سوال:۔ قبر میں سوال وجواب رُوح سے ہوتا ہے یا جسم میں وہ رُوح واپس ڈالی جاتی ہے؟
جواب:۔ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا:۔
"اس پر ایمان لانا چاہیئے کہ قبر میں انسان سے سوال وجواب ہوتا ہے لیکن اس کی تفصیل اور کیفیت کو خُدا پر چھوڑنا چاہیئے۔ یہ معاملہ انسان کا خُدا کے ساتھ ہوتا ہے وہ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے۔ پھر قبر کا لفظ وسیع ہے جب انسان مر جاتا ہے تو اس کی حالت بعد الموت میں جہاں خُدا اس کو رکھتا ہے وہی قبر ہے خواہ دریا میں غرق ہو جاوے خواہ جل جاوے خواہ زمین پر پڑا رہے۔ دُنیا سے انتقال کے بعد انسان قبر میں ہے اور اس سے مطالبات اور مواخذات جو ہوتے ہیں اس کی تفصیل کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ اُس دُنیا کے لئے تیاری کرے نہ کہ اسکی کیفیت معلوم کرنے کے پیچھے پڑے۔" [۱]

سوال:۔ سماع موتیٰ کے بارہ میں جماعت احمدیہ کا مسلک کیا ہے؟
جواب:۔ ہمارے نزدیک فوت شدہ اس دُنیا کے رہنے والوں کی باتیں براہ راست نہیں سُن سکتے۔ البتہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ یہاں کے رہنے والوں کی باتیں ان تک پہنچا سکتا ہے۔ اور بعض اوقات مصلحت کی بناء پر پہنچاتا بھی ہے۔ اسی طرح مرنے والے اللہ تعالیٰ کی اجازت اور توفیق کے مطابق دُنیا والوں کے لئے دعائیں بھی کرتے ہیں لیکن چونکہ ان سب امور کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ارادہ کے ساتھ ہے اس لئے اس کے متعلق وہی طریق اختیار کرنا چاہیئے جس کی اجازت شریعت نے بالوضاحت دی ہے مثلاً ان کے حق میں دعا کرنا انہیں ثواب پہنچانے کے لئے رسم ورواج سے بچ کر صدقہ وخیرات کرنا۔ اظہار تعلق کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس صورت میں اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو مرنے والوں کو بھی اس کی اطلاع کر دے گا۔ اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہُوئی توفیق سے اپنے پسماندگان کے لئے دُعا کریں گے۔ براہ راست مُردوں کو مخاطب کرنا کہ وہ اس کے لئے دُعاء کریں یا اس کا یہ کام کر دیں ایک رنگ کا شرک ہے جسے اسلام پسند نہیں کرتا۔

---

[۱]:۔ بدر ۱۴ فروری ۱۹۰۷ء

مُردوں کو سلام اور اُن کا سننا

سوال :- اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا اَھْلَ الْقُبُوْرِ جو کہا جاتا ہے کیا مُردے سُنتے ہیں ؟

جواب :- سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا :-

"دیکھو وہ سلام کا جواب وَعَلَیْکُمُ السَّلَامُ تو نہیں دیتے ۔ خُدا تعالیٰ وہ سلام جو ایک دُعا ہے پہنچا دیتا ہے ۔ اب ہم جو آواز سُنتے ہیں اس میں ہوا ایک واسطہ ہے لیکن یہ واسطہ مُردہ اور تمہارے درمیان نہیں ۔ لیکن سَلَامُ عَلَیْکُمْ میں خُدا تعالےٰ ملائکہ کو واسطہ بنا دیتا ہے ۔ اسی طرح درود شریف ہے کہ ملائکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچا دیتے ہیں ۔" [۱]

مُردہ کی آواز

سوال :- کیا مُردہ کی آواز دنیا میں آتی ہے ؟

جواب :- خُدا تعالیٰ کی آواز تو ہمیشہ آتی ہے مگر مُردوں کی نہیں آتی ۔ اگر کبھی کسی مُردے کی آواز آتی ہے تو خُدا تعالیٰ کی معرفت یعنی خدا تعالیٰ کوئی خبر ان کے متعلق دے دیتا ہے ۔ اصل یہ ہے کہ کوئی ہو خواہ نبی ہو یا صدیق یہ حال ہے کہ "آں را کہ خبر شُد خبرش باز نیامد" اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اور اہل و عیال کے درمیان ایک حجاب رکھ دیتا ہے وہ سب تعلق قطع ہو جاتے ہیں ۔ اس لئے فرماتا ہے " فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ " [۲]

مرنے پر کھانا کھلانا

سوال :- دیہات میں دستور ہے شادی غمی کے موقع پر ایک قسم کا خرچ کرتے ہیں ۔ کوئی چودھری مَر جاوے تو تمام مسجدوں ، دواروں و دیگر کمیوں کو بحصہ رسدی کچھ دیتے ہیں ۔ اس کی نسبت حضور کا کیا ارشاد ہے ؟

جواب :- سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا :-

"طعام جو کھلایا جاوے اس کا مُردہ کو ثواب پہنچ جاتا ہے ۔ گو ایسا مفید نہیں جیسا کہ وہ اپنی زندگی میں خود کرتا ہے ۔ عرض کیا گیا حضور وہ خرچ وغیرہ کمیوں میں بطور حق الخدمت

---

[۱] :- بدر ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء ۔ [۲] :- فتاویٰ احمدیہ ص۱۱۴ ۔

تقسیم ہوتا ہے۔

فرمایا۔ تو پھر کچھ ہرج نہیں۔ یہ ایک علیحدہ بات ہے کسی کی خدمت کا حق تو دینا چاہیئے۔
عرض کیا گیا کہ اس میں فخر و ریاء تو ضرور ہوتا ہے۔ یعنی دینے والے کے دل میں یہ ہوتا ہے کہ مجھے کوئی بڑا آدمی کہے۔ فرمایا۔ بہ نیّت ایصالِ ثواب تو وہ پہلے ہی خرچ نہیں۔ حق الخدمت ہے۔ بعض ریاء شرعاً بھی جائز ہیں مثلاً چندہ وغیرہ۔ نماز با جماعت ادا کرنے کا جو حکم ہے تو اسی لئے کہ دوسروں کو ترغیب ہو۔ غرض اظہار و اخفاء کے لئے مواقع ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ شریعت سب رسوم کو منع نہیں کرتی۔ اگر ایسا ہوتا تو پھر ریل پر چڑھنا۔ تار و ڈاک کے ذریعہ خبر منگوانا سب بدعت ہو جائے۔" لہ

دسویں محرم کو خیرات

سوال:۔ محرم کی دسویں کو جو شربت و چاول وغیرہ تقسیم کرتے ہیں اگر یہ للّٰہ بہ نیّت ایصالِ ثواب ہو تو اس کے متعلق حضور کا کیا ارشاد ہے؟

جواب:۔ فرمایا۔" ایسے کاموں کے لئے دن اور وقت مقرر کرنا ایک رسم و بدعت ہے اور آہستہ آہستہ ایسی رسمیں شرک کی طرف لے جاتی ہیں۔ پس اس سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ایسی رسموں کا انجام اچھا نہیں۔ ابتداء میں اسی خیال سے مگر اب تو اس نے شرک اور غیر اللہ کے نام کا رنگ اختیار کر لیا ہے اس لئے ہم اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جب تک ایسی رسوم کا قلع قمع نہ ہو عقائد باطلہ دُور نہیں ہوتے۔" ٢ہ

مُردہ کے لئے قرآن خوانی

" مُردہ کے لئے قرآن پڑھنے کے متعلق فرمایا کہ اُسے قرآن کریم کا ثواب نہیں پہنچتا مگر صدقہ و خیرات کا ثواب مُردے کو پہنچتا ہے کیونکہ قرآن کا پڑھنا عبادت ہے۔ صدقہ بھی مُردے کے اعمال میں نہیں لکھا جاتا بلکہ کسی اور رنگ میں اس کو ثواب ملتا ہے۔" ۳ہ

مُردہ کا ختم و اسقاطِ میّت

سوال:۔ مُردہ کا ختم وغیرہ جو کرایا جاتا ہے یہ جائز ہے یا ناجائز؟

لہ:۔ بدر ۱۷ر جنوری ۱۹۰۷ء ؛ ٢ہ:۔ بدر ۱۴ر مارچ ۱۹۰۷ء ؛ ۳ہ:۔ الفضل ۳ر جولائی ۱۹۲۲ء ؛

جواب :۔ "اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے صرف دُعا اور صدقہ میّت کو پہنچتی ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ نماز پنجگانہ ادا کرے اور رکوع سجود میں میّت کے لئے دُعا کرے۔ یہ طریق نہیں ہے کہ الگ کلام پڑھ کر بخشے۔ اب دیکھو لغت کا کلام منقول چلا آتا ہے کسی کا حق نہیں ہے کہ اپنی طرف معنے گھڑے۔ ایسے ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو امر ثابت ہو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ نہ کہ اپنی من گھڑت پر ایک طریق اسقاط کا رکھا ہے کہ قرآن شریف کو چکر دیتے ہیں۔ یہ اصل میں قرآن شریف کی بے ادبی ہے۔ انسان خُدا سے سچا تعلق رکھنے والا نہیں ہو سکتا۔ جب تک سب نظر خُدا پر نہ ہو۔" [1]

مُردہ کی اسقاط

سوال :۔ لوگ مُردہ کے پاس کھڑے ہو کر اسقاط کراتے ہیں کیا اس کا کوئی طریق جائز ہے؟

جواب :۔ فرمایا "اس کا کہیں ثبوت نہیں ہے۔ مُلّاؤں نے ماتم اور شادی میں بہت سی رسمیں پیدا کر لی ہیں یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔" [2]

میّت کے لئے قُل

سوال :۔ میّت کے لئے قل جو تیسرے دن پڑھے جاتے ہیں ان کا ثواب اسے پہنچتا ہے یا نہیں؟

جواب :۔ "قل خوانی کی کوئی اصل شریعت میں نہیں ہے دُعا اور استغفار میّت کو پہنچتی ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ مُلّانوں کو اس سے ثواب پہنچ جاتا ہے۔ سو اگر انہیں ہی کو مُردہ تصوّر کر لیا جاوے تو ہم مان لیں گے۔ ہمیں تعجب ہے کہ یہ لوگ ایسی باتوں پر اُمید کیسے باندھ لیتے ہیں۔ دین اسلام تو ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے اس میں ان باتوں کا نام تک نہیں۔ صحابہ کرامؓ بھی فوت ہوئے۔ کیا کسی کے قُل پڑھے گئے۔ صدہا سال بعد اور بدعتوں کی طرح یہ بھی ایک بدعت نکل آئی ہوئی ہے۔" [3]

مُردہ کی فاتحہ خوانی

سوال :۔ کسی کے مرنے کے بعد چند روز لوگ ایک جگہ جمع رہتے ہیں اور فاتحہ خوانی کرتے ہیں فاتحہ خوانی

---

[1]:۔ بدر ۱۰ مارچ ۱۹۰۴ء ٭ [2]:۔ بدر ۲۴ اپریل ۱۹۰۳ء ٭ [3]:۔ بدر ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء ٭

ایک دُعائے مغفرت ہے۔ پس اس میں کیا مضائقہ ہے؟

جواب:۔ فرمایا "ہم تو دیکھتے ہیں کہ وہاں سوائے غیبت اور بے ہودہ بکواس کے اور کچھ نہیں ہوتا۔ پھر یہ سوال ہے کہ آیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام و ائمہ عظام میں سے کسی نے یوں کیا۔ جب نہیں کیا تو کیا ضرورت ہے۔ خواہ مخواہ بدعات کا دروازہ کھولنے کی۔ ہمارا مذہب تو یہی ہے کہ اس رسم کی کچھ ضرورت نہیں۔ ناجائز ہے۔ [1]

ختم اور ختم کی ریوڑیاں

سوال:۔ ختم کی ریوڑیاں وغیرہ لے کر کھانی چاہئیں کہ نہ؟

جواب:۔ "ختم کا دستور بدعت ہے۔ شرک نہیں ہے۔ اس لئے کھالینی جائز ہیں۔ لیکن ختم دلوانا ناجائز ہے اور اگر کسی پیر کو حاضر و ناظر جان کر اس کا کھانا دیا جاتا ہے وہ ناجائز ہے۔" [2]

مُردہ پر نوحہ

"ماتم کی حالت میں جزع فزع اور نوحہ یعنی سیاپا کرنا اور چیخیں مار کر رونا اور بے صبری کے کلمات زبان پر لانا۔ یہ سب ایسی باتیں ہیں جن کے کرنے سے ایمان کے جانے کا اندیشہ ہے اور یہ سب رسمیں ہندوؤں سے لی گئی ہیں۔ جاہل مسلمانوں نے اپنے دین کو بھلا دیا اور ہندوؤں کی رسمیں اختیار کر لیں۔ کسی عزیز اور پیارے کی موت کی حالت میں مسلمانوں کے لئے یہ حکم قرآن شریف میں ہے کہ صرف اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن کہیں۔ یعنی ہم خُدا کا مال اور مِلک ہیں اسے اختیار ہے جب چاہے اپنا مال لے لے اور اگر رونا ہو تو صرف آنکھوں سے آنسو بہانا جائز ہے اور جو اس سے زیادہ کرے وہ شیطان ہے۔ برابر ایک سال تک سوگ رکھنا اور نئی نئی عورتوں کے آنے کے وقت یا بعض خاص دنوں میں سیاپا کرنا اور باہم عورتوں کا سر ٹکرا کر چلّا کر رونا اور کچھ کچھ منہ سے بھی بکواس کرنا اور پھر برابر ایک برس تک بعض چیزوں کا پکانا چھوڑ دینا اس عذر سے کہ ہمارے گھر میں یا ہماری برادری میں ماتم ہو گیا ہے یہ سب ناپاک رسمیں ہیں اور گناہ کی باتیں ہیں جن سے پرہیز کرنا چاہیئے۔" [3]

---

[1]:۔ بدر ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء، ۱۹ مئی ۱۹۰۷ء [2]:۔ بدر ۱۶ مارچ ۱۹۰۴ء [3]:۔ فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۱۰۳

قبر پکّی بنانا

سوال :۔ مَیں اپنے بھائی کی پکّی قبر بناؤں یا نہیں ؟

جواب :۔ " اگر نمود اور دکھلاوے کے واسطے پکّی قبریں اور نقش و نگار اور گنبد بنائے جاویں تو یہ حرام ہے ۔ لیکن اگر خشک ملّا کی طرح یہ کہا جاوے کہ ہر حالت اور ہر مقام میں کچی ہی اینٹ لگائی جاوے تو یہ بھی حرام ہے ۔ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ ۔ عمل نیّت پر موقوف ہے ۔ ہمارے نزدیک بعض وجوہ میں پکّی کرانا درست ہے ۔ مثلاً بعض جگہ سیلاب آتا ہے بعض جگہ قبر میں میّت کو کتے اور بجو وغیرہ نکال لے جاتے ہیں ۔ مُردے کے لئے بھی ایک عزّت ہوتی ہے ۔ اگر ایسی وجوہ پیش آجائیں تو اس حد تک کہ نمود اور شان نہ ہو بلکہ صدمہ سے بچانے کے لئے قبر کا پکّا کرنا جائز ہے ۔ اللہ اور رسُول نے مومن کی لاش کے لئے بھی عزّت رکھی ہے ۔ ورنہ عزّت ضروری نہیں تو غسل دینے ۔ کفن دینے ۔ خوشبو لگانے کی کیا ضرورت ہے ۔ مجوسیوں کی طرح جانوروں کے آگے پھینک دو ۔ مؤمن اپنے لئے ذلّت میں رہنا نہیں چاہتا ۔ حفاظت ضروری ہے ۔ جہاں تک نیّت صحیح ہے خُدا تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کرتا ۔

دیکھو مصلحت الٰہی نے یہی چاہا کہ حضرت رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پختہ گنبد ہو اور کئی بزرگوں کے مقبرے پختہ ہیں ۔ مثلاً نظام الدین ۔ فرید الدین ۔ قطب الدین ۔ معین الدین رحم اللہ علیہم ۔ یہ سب صلحاء تھے ۔ " [1]

قبہ یا روضہ بنانا

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :۔

" اگر قبر کی حفاظت کے لئے ضروری نہ ہو تو قبہ وغیرہ کی ضرورت نہیں ۔ اور اگر یادگار کے خیال سے قبہ بنایا جائے تو مَیں ایسی یادگار کا قائل نہیں کہ اس کے لئے قبہ ضروری ہو ۔ یہی خیال ہے جس سے آگے شرک پیدا ہوتا ہے ۔ پس پروٹیکشن (حفاظت) تو ٹھیک ہے لیکن میموریل (یادگار) ٹھیک نہیں کیونکہ قبر کی اس رنگ میں یادگار ہی وہ چیز ہے جو آگے شرک تک پہنچا دیتی ہے ۔ بے شک ہم تو احترام کے طور پر قبے بنائیں گے لیکن دوسرے لوگ اس احترام کو اس حد تک پہنچا دیں گے کہ جس سے شرک شروع

[1] :۔ الحکم ۱۷ مئی ۱۹۰۱ء ۔ فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۹۲-۹۳ ۔

ہو جائے گا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر جو قبہ بنایا گیا ہے وہ بھی حفاظت کے لئے ہے نہ کہ اس لئے کہ مزار کی عزت کی جائے"۔ [1]

سوال :۔ قبروں پر قبہ بنانا کیوں جائز نہیں؟

جواب :۔"انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے کہ جن وجودوں کے ساتھ اسے محبت ہوتی ہے ان کے مرنے کے بعد بھی جہاں تک ہو سکے ان کا احترام کرنا چاہتا ہے یوں تو جب کوئی شخص مرجاتا ہے اس کی لاش اگر کتے بھی کھا جائیں تو اُسے کیا تکلیف ہوگی لیکن اس سے محبت رکھنے والے جو زندہ انسان ہوں ان کی فطرت گوارا نہیں کرتی کہ لاش کی یہ حالت ہو۔ اس لئے وہ اپنے طور پر اس کا احترام کرتے ہیں۔ مگر یہ کوئی شرعی احترام نہیں ہوتا۔ کیونکہ شرعی طور پر احترام جائز نہیں۔ کیونکہ اس سے شرک پھیلتا ہے۔ بچوں وغیرہ کی قبر پر کوئی قبہ نہیں بناتا مگر بزرگوں کی قبر پر قبہ بناتے ہیں کیونکہ ان کی غرض ہی یہ ہوتی ہے کہ ان سے کچھ حاصل ہوگا"۔ [2]

مزار کو بوسہ دینا

ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار کو بوسہ دینے کے متعلق پوچھا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :۔

"یہ جائز نہیں لغویات ہے۔ اس قسم کی حرکات سے شرک شروع ہوتا ہے اصل چیز نبی کی تعلیم پر عمل کرنا ہے مگر لوگ اسے چھوڑ کر لغو باتوں میں جا پڑے ہیں"۔ [3]

[1] :۔ الفضل یکم مارچ ۱۹۲۷ء۔ [2] :۔ الفضل یکم مارچ ۱۹۲۷ء۔ [3] :۔ الفضل ۱۸ مئی ۱۹۲۶ء۔

روزہ

اسلامی عبادات کا دوسرا اہم رکن روزہ ہے۔ روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس میں نفس کی تہذیب اس کی اصلاح اور قوتِ برداشت کی تربیت مدّنظر ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں:-

"جس دین میں مجاہدات نہ ہوں وہ دین ہمارے نزدیک کچھ نہیں"۔ [۱]

صوم (روزہ) کے لغوی معنی رُکنے اور کوئی کام نہ کرنے کے ہیں۔ شرعی اصطلاح میں طلوع فجر (صبح صادق) سے لے کر غروب آفتاب تک عبادت کی نیّت سے کھانے پینے اور جماع سے رُکے رہنے کا نام صوم یا روزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ [۲]

رات کے وقت کھاؤ اور پیؤ یہاں تک کہ تمہیں سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔ یعنی فجر طلوع ہو جائے۔ تو اس کے بعد رات آنے تک سارا دن روزہ کی تکمیل میں لگے رہو۔ خُدا کی خاطر اور اُس کی رضا کے حصول کے لئے کھانے پینے اور جنسی خواہش سے رکنے کا حکم ہر قِسم کی برائیوں سے بچنے کے لئے بطور علامت ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا:-

"مَنْ لَّمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ فَلَيْسَ لِلّٰهِ حَاجَةٌ فِيْ اَنْ يَّدَعَ طَعَامَهٗ وَشَرَابَهٗ"۔ [۳]

یعنی۔ "جو شخص روزہ میں جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانا پینا چھوڑنے کی کیا ضرورت"۔

جب اصل مقصد حاصل کرنے کا جذبہ ہی نہیں تو روزہ کا کیا فائدہ۔ اِسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا:-

"لَيْسَ الصِّيَامُ مِنَ الْاَكْلِ وَالشُّرْبِ وَاِنَّمَا الصِّيَامُ مِنَ اللَّغْوِ وَالرَّفَثِ فَاِنْ سَابَّكَ اَحَدٌ اَوْ جَهِلَ عَلَيْكَ فَقُلْ اِنِّيْ صَائِمٌ اِنِّيْ صَائِمٌ كَمْ مِنْ صَائِمٍ لَيْسَ لَهٗ مِنْ صِيَامِهٖ اِلَّا الْجُوْعُ وَالْعَطَشُ وَكَمْ مِنْ قَائِمٍ

---

[۱]:- فتاویٰ احمدیہ ص۱۸۳ ۔ [۲]:- بقرہ: ص۱۸۸ ۔ [۳]:- بخاری کتاب الصوم ص۲۵۵ ۔

لَیْسَ لَہٗ مِنْ قِیَامِہٖ اِلَّا السَّھَرُ"[1]

یعنی۔ روزہ صرف کھانے پینے سے رکنے کا نام نہیں بلکہ ہر قسم کی بیہودہ باتیں کرنے اور فحش بکنے سے رُکنے کا مفہوم بھی اس میں شامل ہے۔ پس اے روزہ دار اگر کوئی شخص تجھے گالی دے یا غصہ دلائے تو تُو اُسے کہدے کہ میں روزہ دار ہوں۔ جو شخص روزہ دار ہونے کے باوجود گالی گلوچ کرتا ہے تو اس کا روزہ صرف بھوکا پیاسا رہنا ہے جس سے اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوگا۔

قدیم مذاہب میں روزہ

روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا وجود قدیم سے قدیم مذاہب میں بھی ملتا ہے۔ چنانچہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ[2]

اے مسلمانو! تم پر روزہ رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور اس کی غرض تقویٰ کا حصول اور تہذیب نفس ہے۔

اسلامی روزوں اور قدیم مذاہب کے روزوں کی شکل میں گو اختلاف ہے مگر بنیادی عناصر سب میں مشترک ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

"فَصْلُ مَا بَیْنَ صِیَامِنَا وَصِیَامِ اَھْلِ الْکِتَابِ اَکْلَۃُ السَّحَرِ"[3]

ہمارے اور اہلِ کتاب کے روزوں میں ایک فرق سحری کھانا بھی ہے۔ مسلمان سحری کھا کر روزہ رکھتے ہیں اور اہل کتاب سحری نہیں کھاتے۔ اسی طرح ہندو اپنے روزہ کے دوران میں کئی چیزیں کھا بھی لیتے ہیں پھر بھی ان کا روزہ قائم رہتا ہے گویا ان کے ہاں صرف بعض بعض چیزوں سے پرہیز کا نام روزہ ہے۔ عیسائیوں کے روزے بھی اسی قسم کے ہیں کہ کسی روزے میں گوشت نہیں کھانا۔ کسی میں خمیری روٹی نہیں کھانی۔ بعض مذاہب میں پورے دن رات کا روزہ بغیر سحری کھائے ہوتا ہے۔ وہ صرف شام کے وقت افطار کرتے ہیں۔ کسی مذہب میں چار چار دن متواتر روزہ رکھنے کا حکم ہے۔ بعض مذاہب میں ایسے روزے بھی پائے جاتے ہیں جن میں صرف ٹھوس غذا کھانے سے منع

---

[1]:۔ دارمی بحوالہ مشکوٰۃ صفحہ ۱۷۷؛ [2]:۔ بقرہ: ۱۸۴؛

[3]:۔ مسند دارمی باب فضل السحور صفحہ ۱۵۴، حاشیہ المنتقی من اخبار المصطفیٰ مطبوعہ رحمانی دہلی ۱۳۳۶ھ؛

کیا گیا ہے ۔ اور ہلکی غذا دودھ پھل وغیرہ کے استعمال کی اجازت ہے ۔

روزہ کی غرض

روزہ اصلاح نفس کا ذریعہ ہے کیونکہ جہاں انسان خُدا کی خاطر لذّات کو ترک کر دیتا ہے وہاں اسے اپنے نفس کو زیادہ سے زیادہ نیکی پر قائم کرنے اور ہر قسم کی حرام اور نجس چیزوں سے پرہیز کی کوشش کرنے کا سبق بھی اسے ملتا ہے ۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ فرماتے ہیں :۔

"روزوں کی غرض کسی کو بُھوکا یا پیاسا مارنا نہیں ہے ۔ اگر بھوکا مرنے سے جنّت مل سکتی تو مَیں سمجھتا ہُوں کافر سے کافر اور منافق سے منافق لوگ بھی اس کے لینے کے لئے تیار ہو جاتے کیونکہ بھوکا پیاسا مَر جانا کوئی مشکل بات نہیں ۔

درحقیقت مشکل بات اخلاقی اور روحانی تبدیلی ہے ۔ لوگ بھوکے تو معمولی معمولی باتوں پر رہنے لگ جاتے ہیں ۔ قید خانوں میں جاتے ہیں تو بُھوک ہڑتال (مرن برت) شروع کر دیتے ہیں اور برہمنوں کا تو یہ مشہور حیلہ چلا آتا ہے کہ جب لوگ ان کی کوئی بات نہ مانیں تو کھانا چھوڑ دیتے ہیں ۔ بس بھوکا رہنا تو کوئی بڑی بات نہیں اور نہ یہ رمضان کی غرض ہے ۔

رمضان کی اصل غرض یہ ہے کہ اس ماہ میں انسان خُدا تعالیٰ کے لئے ہر ایک چیز چھوڑنے کے لئے تیار ہو جائے اس کا بھوکا رہنا علامت اور نشان ہوتا ہے اس بات کا کہ وہ اپنے ہر حق کو خُدا کے لئے چھوڑنے کے لئے تیار ہے ۔ کھانا پینا انسان کا حق ہے میاں بیوی کے تعلقات اس کا حق ہے اس لئے جو شخص ان باتوں کو چھوڑتا ہے وہ یہ بتاتا ہے کہ مَیں خدا تعالیٰ کے لئے اپنا حق چھوڑنے کے لئے تیار ہوں ۔ ناحق کا چھوڑنا تو بہت ادنیٰ بات ہے اور کسی مؤمن سے یہ اُمید نہیں کی جا سکتی کہ وہ کسی کا حق مارے مؤمن سے جس بات کی اُمید کی جا سکتی ہے وہ یہی ہے کہ خُدا تعالیٰ کی رضاء کے لئے اپنا حق بھی چھوڑ دے ۔ لیکن اگر رمضان آئے اور یونہی گذر جائے اور ہم یہی کہتے رہیں کہ ہم اپنا حق کس طرح چھوڑ دیں تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے رمضان سے کچھ حاصل نہ کیا کیونکہ رمضان یہی بتانے کے لئے آیا تھا کہ خُدا کی رضا کیلئے اپنے حقوق بھی چھوڑ دینے چاہئیں ۔" [1]

[1] :۔ الفضل ۳۰ ر مارچ ۱۹۲۶ء صفحہ ۵-۶ ؎

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے کہ:۔

"جو انسان روزہ میں اپنی چیزیں خدا کے لئے چھوڑتا ہے جن کا استعمال کرنا اس کے لئے کوئی قانونی اور اخلاقی جرم نہیں تو اسے اسے عادت ہوتی ہے کہ غیروں کی چیزوں کو ناجائز طریق سے استعمال نہ کرے اور ان کی طرف نہ دیکھے اور جب وہ خدا کے لئے جائز چیزوں کو چھوڑتا ہے تو اس کی نظر ناجائز چیزوں پر پڑ ہی نہیں سکتی"۔ ؎۱

غرض جہاں روزہ سے تزکیۂ نفس و تجلّی قلب ہوتی ہے وہیں روزہ جسمانی، اخلاقی اور معاشرتی فوائد کا موجب بھی بن جاتا ہے اس سے کشفی طاقت بڑھتی اور ترقی پذیر ہوتی ہے۔ جس طرح جسمانی روٹی سے جسم کو قوت ملتی ہے ایسا ہی روحانی روٹی (یعنی روزہ کی حالت) روح کو قائم رکھتی ہے اور اس سے روحانی قویٰ تیز تر ہوتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا:۔ "اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ"۔ ؎۲ یعنی اگر تم روزہ رکھ ہی لیا کرو تو اس میں تمہارے لئے بڑی خیر ہے۔

قرآن کریم میں روزہ کو متقی بننے کا ایک مجرب نسخہ بتایا گیا ہے۔ یعنی اگر تم اس نسخہ پر عمل کرو گے تو متقی بن جاؤ گے۔ فرمایا:۔

"يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ"۔ ؎۳

ترجمہ:۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو تم پر بھی روزوں کا رکھنا اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح اُن لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں تاکہ تم روحانی اور اخلاقی کمزوریوں سے بچو۔

"جس قدر بدیاں پیدا ہوتی ہیں ان کا منبع چار چیزیں ہیں باقی آگے اس کی فروع ہیں۔ وہ چار منابع یہ ہیں۔ اوّل۔ کھانا۔ دوئم پینا۔ سوئم شہوت۔ چہارم حرکت سے بچنے کی خواہش۔

سب عیوب ان چاروں باتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان چاروں منبعوں کو بدی سے روکنے کے لئے روزے رکھنے کا حکم دیا گیا ہے مثلاً ایک شخص خیانت اس لئے کرتا ہے کہ محنت سے بچنا چاہتا ہے یعنی محنت کر کے کھانا نہیں چاہتا اور دوسرے کا مال کھاتا ہے۔ لیکن روزہ دار کو رات کے زیادہ حصہ میں اُٹھ کر عبادت کرنی پڑتی ہے۔ سحری کے لئے اُٹھنا ہے۔ سارا دن مونہہ بند رکھتا ہے۔ سوتا کم ہے۔ ایک ماہ تک روزے دار کو یہ

؎۱ الفضل ۱۰ دسمبر ۱۹۶۶ء ص ؎۲:۔ بقرہ: ۱۸۵ ؎۳ بقرہ: ۱۸۴

تکلیف اٹھانی پڑتی ہے جس سے اس کا جسم عادی ہو جاتا ہے اور اس سے غفلت کی عادت کو دھکا لگتا ہے۔ پھر کھانے پینے اور شہوت سے بدیاں پیدا ہوتی ہیں۔ ان کے لئے بھی روزہ رکھا گیا ہے۔ انسان کھانا پینا ترک کرتا ہے ضروریاتِ زندگی کو چھوڑتا ہے۔ پس جن ضرورتوں کے باعث انسان گناہ میں پڑتا ہے انہیں عارضی طور پر روک دیا جاتا ہے"۔ [1]

روزہ کا جسمانی فائدہ بھی ہے اور وہ یہ ہے کہ انسانی جسم تکالیف اور شدائد برداشت کرنے کا عادی ہو جاتا ہے اور اس وجہ سے اس میں قوت برداشت اور صبر کا مادہ پیدا ہوتا ہے علاوہ ازیں صحت کے برقرار رکھنے میں فاقہ کی طبّی اہمیت مسلّم ہے۔ اگر اعتدال پیش نظر رہے تو اس سے صحت میں نمایاں فرق پڑتا ہے۔ گویا روزہ جسم کی صحت کا ضامن ہے اور روحانی لحاظ سے تقویٰ کا منبع اور سرچشمہ ہے۔ اس سے خوش خلقی۔ عفت۔ دیانت۔ نیک چلنی اور تزکیہ نفس کی توفیق ملتی ہے۔ صبر و جرأت کی قوتوں کی نشو و نما ہوتی ہے۔ غرباء کی تکالیف کا احساس ہوتا ہے اور ان کی مدد کرنے کا جذبہ بڑھتا ہے اور اس طرح اقتصادی اور طبقاتی مساوات کے رجحانات کو فروغ ملتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صحت بھی برقرار رہتی ہے۔

روزہ رکھنے والے کا درجہ

حدیث قدسی ہے:۔ "کُلُّ عَمَلِ ابْنِ اٰدَمَ لَهٗ اِلَّا الصِّيَامُ فَاِنَّهٗ لِیْ وَ اَنَا اَجْزِیْ بِهٖ وَالصِّيَامُ جُنَّةٌ"۔ [2]

۲- وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَخُلُوْفُ فَمِ الصَّآئِمِ اَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْكِ۔ [3]

یعنی۔ انسان کے سب کام اس کے اپنے لئے ہیں مگر روزہ میرے لئے ہے اس لئے مَیں خود اس کی جزا بنوں گا۔ (کیونکہ وہ اپنی تمام خواہشات اور کھانے پینے کو میری خاطر چھوڑ دیتا ہے)۔

نیز فرمایا:۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے روزے دار کے مُنہ کی بُو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری سے بھی زیادہ پاکیزہ اور خوشگوار ہے۔

اسی طرح فرمایا:۔

---

[1] الفضل ۱۷ دسمبر ۱۹۶۶ء ٭ [2] بخاری کتاب الصوم ص۲۵۵ ٭ [3] بخاری کتاب الصوم ص۲۵۵ ٭

مَنْ قَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّ اِحْتِسَابًا غُفِرَلَہٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِہٖ۔ [1]

جو شخص ایمان کے تقاضے کے مطابق اور ثواب کی نیت سے رات کو اُٹھ کر نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے اس کے گذشتہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔

روزوں کی اقسام

متعدد قسموں کے روزوں کا ذکر قرآن و حدیث میں پایا جاتا ہے مثلاً فرض روزے۔ نفلی روزے۔

فرض روزوں کی مثال جیسے [1] رمضان کے روزے۔ رمضان [2] کے چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء۔ کفارہ [3] ظہار کے روزے۔ کفارہ [4] قتل کے روزے۔ عمداً [5] رمضان کا روزہ توڑ دینے کی سزا کے [6] ساٹھ روزے۔ کفارۂ [7] قسم کے روزے۔ نذر [8] کے روزے۔ حج [9] تمتع یا حج قران کے روزے۔ بحالت [10] احرام شکار کرنے کی وجہ سے روزہ۔ بحالت [11] احرام سر منڈوانے کی وجہ سے روزہ۔

دوسری قسم نفلی روزوں کی ہے جیسے۔ شوال [1] کے چھ روزے۔ عاشورہ [2] کا روزہ۔ صوم [3] داؤد علیہ السلام یعنی ایک دن روزہ اور ایک دن افطار۔ یوم [4] عرفہ کا روزہ۔ ہر اسلامی مہینے کی ۱۳ - ۱۴ - ۱۵ تاریخ کا روزہ۔

بعض دنوں میں روزہ رکھنا منع اور مکروہ ہے مثلاً صرف ہفتہ یا جمعہ کے دن کو خاص کر کے روزہ رکھنا پارسیوں کی طرح نیروز و مہرگان کے دن روزہ رکھنا۔ صوم دہر یعنی بلا ناغہ مسلسل روزے رکھتے چلے جانا۔ عید کے دن اور ایام تشریق یعنی ۱۱ - ۱۲ اور ۱۳ ذوالحجہ کو روزہ رکھنا سخت منع ہے [2]

رمضان کے روزے

ماہ رمضان اور اس کی فضیلت :۔ ماہ رمضان کو خدا تعالیٰ نے ایک اہم اور بابرکت مہینہ قرار دیا ہے۔ قرآن کریم کے نزول کا آغاز اسی مہینہ سے ہوا۔ فرمایا :۔

"شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ" [3]

رمضان کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس کے بارہ میں قرآن کریم نازل کیا گیا ہے وہ قرآن جو تمام انسانوں کے لئے ہدایت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :۔

---

[1]:۔ بخاری کتاب الصوم صفحہ ۲۶ جلد ۱ ⁘ [2] : فتاویٰ عالمگیری و درمختار بحوالہ بہار شریعت صفحہ ۹۸ جلد ۵ ⁘ [3] : بقرہ صفحہ ۱۸۶ ⁘

"اِذَا جَاءَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَ غُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ وَصُفِّدَتِ الشَّيَاطِيْنُ" ؎۱

اس بابرکت مہینہ میں جنّت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں۔ شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں۔

یعنی۔ یہ مبارک مہینہ فضلِ الٰہی اور رحمتِ خداوندی کو جذب کرنے کا ایک بابرکت مہینہ ہے اس مہینہ میں خصوصاً اس کے آخری عشرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت دعائیں مانگا کرتے اور بہت زیادہ صدقہ و خیرات کیا کرتے تھے۔

روزہ کس پر فرض ہے

رمضان کے روزے ہر بالغ عاقل تندرست مقیم مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہیں۔ مسافر اور بیمار کو یہ رعایت ہے کہ وہ دوسرے ایّام میں ان روزوں کو پورا کرلیں۔ جو اس ماہ میں ان سے رہ گئے ہیں۔ مستقل بیمار جنہیں صحت یاب ہونے کی کبھی امید نہ ہو یا ایسے کمزور و ناتوان ضعیف جنہیں بعد میں بھی روزہ رکھنے کی طاقت نہ ملے۔ اسی طرح ایسی مرضعہ اور حاملہ جو تسلسل کے ساتھ ان عوارض سے دوچار رہتی ہے۔ ایسے معذور حسب توفیق روزوں کے بدلہ میں فدیہ ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

مَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ " ؎۲

تم میں سے جو شخص مریض ہو یا سفر میں ہو تو اُسے اور دنوں میں تعداد پوری کرنی ہوگی اور اُن لوگوں پر جو اس یعنی روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں بطور فدیہ ایک مسکین کا کھانا دینا بشرطِ استطاعت واجب ہے۔

روزہ کب رکھنا چاہیئے

رمضان کے روزوں کے لئے حکم ہے کہ " لَا تَصُوْمُوْا حَتّٰى تَرَوُا الْهِلَالَ " جب تک ماہ رمضان کا چاند نظر نہ آجائے روزہ نہ رکھو۔ یہ رویت نظری بھی ہوسکتی ہے اور علمی بھی۔

رویت علمی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ شعبان کے پورے تیس دن گزر چکے ہوں یا باتفاق علماءِ

؎۱:۔ بخاری کتاب الصوم صفحہ ۲۵۵ ؎ ؎۲:۔ بقرہ: ۱۸۵ ؎

اُمّت ایسا حسابی کلنڈر بنا لیا جائے جس میں چاند نکلنے کا پُورا پُورا حساب ہو اور غلطی کا امکان نہ رہے۔

ریڈیو وغیرہ کے ذریعہ چاند نکلنے کی خبر شرعاً معتبر ہے اس کے مطابق حسب فیصلہ ارباب علم و اقتدار عمل کیا جائے گا۔ لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ جگہ جہاں چاند دیکھا گیا ہے اور جہاں خبر پہنچی ہے دونوں کا افق اور مطلع ایک ہو ورنہ یہ خبر قابلِ عمل نہ ہوگی۔ یعنی اگر دونوں علاقوں کا فاصلہ بہت زیادہ ہو جیسے برطانیہ اور پاکستان تو یہ خبران علاقوں کے لحاظ سے ایک دوسرے کے لئے قابل عمل نہ ہوگی۔

اگر مطلع صاف نہ ہو ابر یا گہری دھند ہو تو رمضان کے چاند کی رویت کے ثبوت کے لئے ایک معتبر عادل آدمی کی گواہی قبول کی جا سکتی ہے لیکن افطار اور عید الفطر منانے کے فیصلہ کے لئے کم از کم دو عادل آدمیوں کی گواہی ضروری ہے۔ [۱]

روزہ کے لئے نیّت ضروری ہے

جس شخص کا روزہ رکھنے کا ارادہ ہو اسے روزہ رکھنے کی نیت ضرور کرنی چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:۔

"مَنْ لَمْ يَجْمَعِ الصَّوْمَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِيَامَ لَهُ۔" [۲]

جو صبح سے پہلے روزہ کی نیت نہ کرے اس کا کوئی روزہ نہیں۔ نیّت کرنے کے لئے کوئی معین الفاظ زبان سے ادا کرنے ضروری نہیں۔

نیّت دراصل دل کے اس ارادے کا نام ہے کہ وہ کس لئے کھانا پینا چھوڑ رہا ہے۔

نفلی روزہ میں دن کے وقت دوپہر سے پہلے پہلے (بشرطیکہ نیّت کرنے کے وقت تک کچھ کھایا پیا نہ ہو) روزہ کی نیّت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی عذر ہو مثلاً رمضان کا چاند نکلنے کی خبر طلوع فجر کے بعد ملی ہو اور ابھی کچھ کھایا پیا نہ ہو تو اس وقت روزہ کی نیّت کر سکتے ہیں اور ایسے شخص کا اس دن کا روزہ ہو جائے گا۔

روزہ رکھنے اور افطار کرنے کا وقت

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ

[۱]: ترمذی کتاب الصوم باب الصوم بالشہادۃ صفحہ ۸۶ ؛ [۲]: ترمذی کتاب الصوم باب لاصیام لمن لم یعزم من اللیل صفحہ ۹۱

مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۔ ؂۱

کھاؤ اور پیو یہاں تک کہ تمہیں صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے الگ نظر آنے لگے۔ اس کے بعد صبح سے رات تک روزوں کی تکمیل کرو۔

حدیث میں ہے :۔

اِذَا اَقْبَلَ اللَّيْلُ وَاَدْبَرَ النَّهَارُ وَغَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ ۔ ؂۲

جب دن چلا جائے رات آجائے۔ سورج ڈوب جائے تو روزہ افطار کر لو۔

آدھی رات کو اُٹھ کر سحری کھا لینا یا بغیر سحری کھائے روزہ رکھنا مسنون نہیں۔ اصل برکت اور اتباعِ سنّت اس میں ہے کہ طلوع فجر سے تھوڑا پہلے انسان کھا پی لے۔ اس کے بعد روزہ کی نیّت کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کا یہی طریق تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

"تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السَّحُوْرِ بَرَكَةً"۔ ؂۳

سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔

موجودہ زمانہ میں طلوع فجر یعنی صبح صادق کا اندازہ بذریعہ گھڑی اس طرح لگایا جا سکتا ہے کہ کسی دن سورج نکلنے کا وقت نوٹ کر لیا جائے اور اس سے قریبًا ایک گھنٹہ بائیس منٹ پہلے تک سحری کھالی جائے۔

حدیث میں ہے :۔ تَسَحَّرْنَا ثُمَّ قُمْنَا اِلَى الصَّلٰوةِ ۔ ؂۴

کہ سحری کھانے کے بعد ہم نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے۔

سحری کھانے اور نماز فجر میں تقریبًا پچاس آیتیں تلاوت کرنے کے برابر وقفہ ہوتا تھا۔

ایک اور حدیث میں ہے :۔

كُنْتُ اَتَسَحَّرُ فِیْ اَهْلِیْ ثُمَّ تَكُوْنُ سُرْعَةٌ بِیْ اَنْ اُدْرِكَ صَلٰوةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ۔ ؂۵

؂۱ : بقرہ : ۱۸۸ ؂۲ : ترمذی باب اذا اقبل اللیل الخ ص۸۸ ؂۳ : بخاری باب برکۃ السحور ص۲۵۷ ؂۴ : ترمذی کتاب الصوم باب تاخیر السحور ص۸۸ ؂۵ : بخاری کتاب مواقیت الصلوٰۃ باب وقت الفجر ص۸۲، بخاری فی تعجیل السحور ص۲۵۷

کہ سحری کھانے کے بعد نماز فجر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پانے کے لئے ہمیں جلدی ہوتی تھی۔

وقتِ افطار

غروب آفتاب کے ایک دو منٹ بعد روزہ افطار کر لینا چاہیئے۔ غیر معمولی تاخیر درست نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَّا عَجَّلُوْا الْفِطْرَ۔ [۱]

کہ روزہ افطار کرنے میں جب تک لوگ جلدی کرتے رہیں گے اس وقت تک خیر و برکت بھلائی اور بہتری حاصل کرتے رہیں گے۔

ایک اور حدیث ہے :-

عَنْ اَبِیْ اَوْفٰی قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَلَمَّا غَابَتِ الشَّمْسُ قَالَ لِرَجُلٍ اَنْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ اَمْسَیْتَ قَالَ اَنْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا قَالَ اِنَّ عَلَیْنَا نَهَارًا قَالَ اَنْزِلْ فَاجْدَحْ لَنَا فَنَزَلَ فَجَدَحَ لَہٗ فَشَرِبَ ثُمَّ قَالَ اِذَا رَأَیْتُمُ اللَّیْلَ قَدْ اَقْبَلَ مِنْ هٰهُنَا وَاَشَارَ بِیَدِہٖ نَحْوَ الْمَشْرِقِ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ۔ [۲]

حضرت ابی اوفیٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک سفر میں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا غروب آفتاب کے بعد حضورؐ نے ایک شخص کو افطاری لانے کا ارشاد فرمایا۔ اس شخص نے عرض کی حضور ذرا تاریکی ہو لینے دیں۔ آپ نے فرمایا کہ افطاری لاؤ۔ اس شخص نے پھر عرض کی کہ حضور ابھی تو روشنی ہے۔ حضور نے فرمایا۔ افطاری لاؤ۔ وہ شخص افطاری لایا۔ آپؐ نے روزہ افطار کرنے کے بعد فرمایا کہ جب تم غروب آفتاب کے بعد مشرق کی طرف سے اندھیرا اٹھتے دیکھو تو افطار کر لیا کرو۔ مغرب کی طرف نہ دیکھتے رہو کہ اس طرف روشنی غائب ہوئی ہے یا نہیں۔

---

[۱]: بخاری باب تعجیل الافطار ص ۲۶۳ ج ۱ ۔ [۲]: مسلم کتاب الصوم باب بیان وقت انقضاء الصوم ص ۳۵۶ ج ۱ ۔

روزہ کس چیز سے افطار کرنا چاہیئے

روزہ کھجور، دودھ، سادہ پانی سے کھولنا مسنون ہے۔

اِذَا اَفْطَرَ اَحَدُکُمْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی تَمْرٍ فَاِنْ لَمْ یَجِدْ فَلْیُفْطِرْ عَلٰی مَاءٍ فَاِنَّهٗ طَهُوْرٌ۔ [1]

جب روزہ افطار کرنا ہو تو کھجور سے افطار کرے کیونکہ اس میں برکت ہے۔ اگر یہ میسر نہ ہو تو پانی سے روزہ افطار کرلے کیونکہ یہ بہت پاک چیز ہے۔

افطار کرتے وقت یہ دُعا پڑھے:۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔ [2]

اے اللہ میں نے تیری خاطر ہی روزہ رکھا ہے اور تیرے ہی رزق سے میں نے افطار کیا ہے۔

بعد افطار یہ کہے:۔

ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ۔ [3]

پیاس دُور ہوگئی اور رگیں تر و تازہ ہوگئیں اور اجر ثابت ہوگیا اگر خُدا تعالیٰ چاہے۔

کسی روزہ دار کو روزہ افطار کرانا بہت ثواب کا کام ہے۔ روزہ افطار کرانے والے کو روزہ دار جتنا ثواب ملتا ہے۔

مَنْ فَطَّرَ صَائِمًا كَانَ لَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ غَيْرَ اَنَّهٗ لَا يَنْقُصُ مِنْ اَجْرِ الصَّائِمِ شَيْئٌ۔ [4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جو روزہ افطار کرائے اُسے روزہ رکھنے کے برابر ثواب ملے گا لیکن اس سے روزے دار کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

نواقضِ روزہ

عمداً کھانے پینے اور جماع یعنی جنسی تعلق قائم کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ انیما کرانے،

---

[1]: ۔ ترمذی باب ما یستحب علیہ الافطار ص ۸۸-۸۷ جلد ۱؛ [2]: ۔ ابوداؤد باب القول عند الافطار ص ۳۲۲ جلد ۱؛
[3]: ۔ ابوداؤد کتاب الصوم باب القول عند الافطار ص ۳۲۱ جلد ۱؛ [4]: ۔ ترمذی کتاب الصوم باب فضل من فطّر صائماً ص ۱۰۱ جلد ۱؛

ٹیکہ لگوانے اور جان بوجھ کر قے کرنے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ حدیث ہے :۔

مَنْ ذَرَعَهُ الْقَيْئُ وَهُوَ صَائِمٌ فَلَيْسَ عَلَيْهِ قَضَاءٌ، وَمَنِ اسْتَقَاءَ عَمَدًا فَلْيَقْضِ ۔[1]

اگر کسی روزہ دار کو بے اختیار قے آجائے تو اس پر روزہ کی قضاء نہیں۔ لیکن جو روزہ دار جان بوجھ کر قے کرے تو وہ روزہ قضاء کرے۔

رمضان کا روزہ عمداً توڑنے والے کے لئے اس روزہ کی قضاء کے علاوہ کفارہ (یعنی بطورِ سزا) ساٹھ روزے متواتر رکھنا بھی واجب ہے۔

اگر روزہ رکھنے کی استطاعت نہ ہو تو اپنی حیثیت کے مطابق ساٹھ غریبوں کو کھانا کھلانا اکھٹے بٹھا کر یا متفرق طور پر یا ایک غریب کو ہی ساٹھ دن کے کھانے کا راشن دے دینا یا اس کی قیمت ادا کرنا کافی ہے۔

اگر کھانا کھلانے کی بھی استطاعت نہ ہو تو اُسے اللہ تعالیٰ کے رحم اور اُس کے فضل پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔[2]

اگر کوئی غلطی سے رمضان کا روزہ کھول لے تو کوئی گناہ نہیں لیکن اس روزہ کی قضاء ضروری ہے۔

اگر روزہ دار ہونے کی صورت میں عورت کے خاص ایام شروع ہو جائیں یا بچہ پیدا ہو تو روزہ ختم ہو جائے گا البتہ بعد میں ان ایام کے روزوں کی قضاء واجب ہے۔

وہ امور جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

اگر کوئی بھول کر کچھ کھا پی لے تو اس کا روزہ علیٰ حالہٖ باقی رہے گا اور کسی قسم کا نقص اس کے روزہ میں واقع نہیں ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :۔

إِذَا نَسِيَ أَحَدُكُمْ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللّٰهُ وَسَقَاهُ ۔[3]

اگر کوئی شخص بھول کر روزہ میں کھا پی لے تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹے گا۔ وہ اپنا روزہ

---

[1]:۔ ترمذی باب من استقاء عمداً صفحہ ۹۔ [2]:۔ بخاری باب اذا جامع فی رمضان ولم یکن له شیئ .... الخ صفحہ ۲۵۹/۱۔ [3]:۔ بخاری کتاب الصوم باب الصائم اذا اکل اوشرب ناسیاً صفحہ ۲۵۹/۱۔

پُورا کرے کیونکہ اس کو اللہ تعالیٰ کھلا پلا رہا ہے۔

اگر بلا اختیار حلق میں یا پیٹ میں دھواں۔ گرد و غبار۔ مکھی۔ مچھر۔ کلّی کرتے وقت چند قطرے پانی چلا جائے تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اسی طرح کان میں پانی جانے یا دَوا ڈالنے۔ بلغم نگلنے۔ بلا اختیار قَے آنے۔ آنکھ میں دَوا ڈلوانے۔ نکسیر پھُوٹنے۔ دانت سے خون جاری ہونے۔ چیچک کا ٹیکہ لگواتے مسواک یا برُش کرنے۔ خوشبو سُونگھنے۔ ناک میں دَوا چڑھانے[1]۔ سَر یا داڑھی پر تیل لگانے۔ بچے یا بیوی کا بوسہ لینے۔ دن کے وقت سوتے میں احتلام[2] ہو جانے یا سحری کے وقت غسل جنابت نہ کر سکنے کی وجہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ دن کے وقت عورت سرمہ لگا سکتی ہے۔ مرد کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

لَاتَكْتَحِلْ بِالنَّهَارِ وَاَنْتَ صَائِمٌ وَ اكْتَحِلْ لَيْلاً۔[3]

اے عزیز بحالت روزہ دن کو سُرمہ نہ لگا البتہ رات کو لگا سکتے ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام فرماتے ہیں :-

" دن کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہی کیا ہے رات کو لگائے۔"[4]

روزہ نہ رکھنے والے

رمضان کا روزہ بلا عذر یا معمولی معمولی باتوں کو عذر بنا کر ترک کرنا درست نہیں ایسے لوگ جو جان بوجھ کر روزہ نہیں رکھتے ان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے :-

" مَنْ اَفْطَرَ يَوْمًا مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَلَا مَرَضٍ فَلَا يَقْضِيْهِ صِيَامُ الدَّهْرِ كُلِّهِ وَلَوْ صَامَ الدَّهْرَ"۔[5]

جو شخص بلا عذر رمضان کا ایک روزہ بھی ترک کرتا ہے وہ شخص اگر بعد میں تمام عمر بھی اس روزہ کے بدلہ میں روزے رکھے تو بھی بدلہ نہیں چکا سکے گا۔ اور اس غلطی کا تدارک نہیں ہو سکے گا۔

---

[1] :- قَالَ الْحَسَنُ لَا بَأْسَ بِالسَّعُوْطِ لِلصَّائِمِ اِنْ لَمْ يَصِلْ اِلٰى حَلْقِهٖ۔ (بخاری باب قول النبی اِذَا تَوَضَّأَ ... الخ)

[2] :- ثَلٰثٌ لَا يُفْطِرْنَ الصَّائِمَ اَلْحِجَامَةُ وَالْقَيْءُ وَالْاِحْتِلَامُ۔ (ترمذی ص ۹۰)

[3] :- مسند دارمی باب الکحل للصائم ص ۱۵۶ ؛ [4] :- بدر ۲/۱۹۰۷ ؛ [5] :- مسند دارمی باب من افطر یوماً من رمضان متعمداً ص ۱۵۶

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے :-

"میرے نزدیک ایسے لوگ بھی ہیں جو روزہ کو بالکل معمولی حکم تصوّر کرتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی وجہ کی بناء پر روزہ ترک کر دیتے ہیں بلکہ اس خیال سے بھی کہ ہم بیمار ہو جائیں گے روزہ چھوڑ دیتے ہیں حالانکہ یہ کوئی عذر نہیں کہ آدمی خیال کرے میں بیمار ہو جاؤں گا...... روزہ ایسی حالت میں ہی ترک کیا جا سکتا ہے کہ آدمی بیمار ہو اور وہ بیماری بھی اس قسم کی ہو کہ اس میں روزہ رکھنا مضر ہو...... وہ بیماری کہ جس پر روزہ کا کوئی اثر نہیں پڑتا اس کی وجہ سے روزہ ترک کرنا جائز نہیں ہوگا" [1]

فتاویٰ

سوال :- اگر کسی ملک میں ۲۹ تاریخ کو مطلع ابر آلود ہونے کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے اور کسی اور ملک سے ریڈیو پر یہ اطلاع مل جائے کہ چاند نظر آگیا ہے تو کیا اوّل الذکر ملک کے لوگ اس رویت کی اتباع کر سکتے ہیں؟

جواب :- اگر افق اور مطلع میں اتحاد ہو تو ایک علاقہ کے لوگ دوسرے علاقہ کی رویت پر روزہ افطار کر سکتے ہیں اور عید منا سکتے ہیں۔ رمضان شروع ہونے کا بھی یہی حکم ہے۔ دُور کے ممالک جن کا افق یعنی مطلع ایک نہیں اس حکم کے ماتحت نہیں آتے۔ اسی طرح بعض اوقات حکومتوں کا اختلاف بھی اثر انداز ہوتا ہے۔ جیسا کہ آگے تفصیلی ذکر آتا ہے۔

علامہ ابن رُشد اپنی مشہور کتاب بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں :-

هَلْ يَجِبُ عَلَىٰ أَهْلِ بَلَدٍ مَا إِذَا لَمْ يَرَوْهُ أَنْ يَأْخُذُوا فِي ذَالِكَ بِرُؤْيَةِ بَلَدٍ آخَرَ أَمْ لِكُلِّ بَلَدٍ رُؤْيَةٌ فِيهِ خِلَافٌ...... رَوَى الْمَدَنِيُّوْنَ عَنْ مَالِكٍ أَنَّ الرُّؤْيَةَ لَا تَلْزَمُ بِالْخَبَرِ عِنْدَ غَيْرِ أَهْلِ الْبَلَدِ الَّذِيْ وَقَعَتْ فِيْهِ الرُّؤْيَةُ إِلَّا أَنْ يَكُوْنَ الْإِمَامُ يَحْمِلُ النَّاسَ عَلَىٰ ذَٰلِكَ..... وَأَجْمَعُوْا أَنَّهُ لَا يُرَاعَىٰ ذَٰلِكَ فِي الْبُلْدَانِ النَّائِيَةِ كَالْأَنْدُلُسِ وَالْحِجَازِ...... أَمَّا إِنَّ الْبِلَادَ إِذَا لَمْ تَخْتَلِفْ مَطَالِعُهَا كُلَّ الْاِخْتِلَافِ فَيَجِبُ أَنْ يُحْمَلَ بَعْضُهَا عَلَىٰ بَعْضٍ لِأَنَّهَا فِي قِيَاسِ الْأُفُقِ

---

[1] :- الفضل ۱۱ اپریل ۱۹۲۵ء

الْوَاحِدِ" [1]

یعنی کیا یہ ضروری ہے کہ اگر ایک علاقہ میں چاند دیکھا گیا ہو تو دوسرے علاقہ والے جنہوں نے چاند نہیں دیکھا اس علاقہ کے لوگوں پر اعتبار کر کے ان کی پیروی کریں یا یہ ضروری نہیں؟

اس سوال کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ وغیرہ کہتے ہیں کہ اگر افق ایک ہے تو پیروی ضروری ہے اور اہل مدینہ کی روایت کے مطابق امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ ایک افق کی صورت میں بھی پیروی ضروری نہیں۔ ہاں اگر اس علاقہ کی مسلمان حکومت ان کی رویت کے مطابق فیصلہ کرے اور اتباع کا حکم دے تو پھر پیروی کرنی چاہیئے۔ اور اگر دونوں علاقے بہت دُور دُور واقع ہوں۔ اس طرح کہ دونوں کے مطالع بکلی مختلف ہوں جیسے حجاز اور اندلس کے مطلع (افق) میں فرق ہے تو پھر ایک علاقہ کے لوگوں کا چاند دیکھنا دوسرے علاقہ والوں پر اثر انداز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی اس کی پیروی ضروری ہے۔

ایک حدیث[2] میں آتا ہے کہ حضرت کریبؓ ایک دفعہ کسی کام کے لئے شام گئے وہاں انہوں نے جمعرات کو رمضان کا چاند دیکھا۔ جب وہ مدینہ واپس آئے تو حضرت ابن عباسؓ نے ان سے پوچھا کہ کب چاند دیکھا تھا۔ انہوں نے کہا جمعرات کو۔ اور وہاں کے لوگوں نے اس کے مطابق روزے رکھے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم نے ہفتہ کی رات کو چاند دیکھا تھا اور ہم اس کے مطابق اپنے روزے پورے کریں گے۔ اس پر حضرت کریبؓ نے کہا کیا حاکمِ وقت حضرت معاویہؓ کا چاند دیکھنا آپ کے لئے کافی نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا ہی حکم ہے۔[3]

اس حدیث سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ دُور کے ممالک اختلاف مطلع کی بناء پر ایک دوسرے کی رویت کے لازماً پابند نہیں ہیں۔ تاہم اگر دونوں علاقوں کے مطالع میں کوئی خاص فرق نہ ہو تو اتحادِ افق کی وجہ سے ایک علاقہ کی رویت کا دوسرے علاقہ والوں کو اعتبار کرنا چاہیئے اور اسے تسلیم کر کے

---

[1]: بدایۃ المجتہد کتاب الصیام ص۱۹۷ جلد ۱؛ [2]: ترمذی کتاب الصوم باب لکل اھل بلد رویتھم ص۸۳ جلد اوّل؛ [3]: ترمذی کتاب الصیام باب لکل اھلِ بلدٍ رویتھم ص۸۳ جلد اوّل؛

اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے [1]

چاند دیکھنے کی جو خبر مصدقہ اور صحیح ہو خواہ معتبر ریڈیو کے ذریعہ ملے ۔ جماعتِ احمدیّہ کے نزدیک (معتبر اور) جائز العمل ہے ۔

چاند دیکھنے کا غیر طبعی طریق

سوال :۔ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر اُوپر جانے والوں کو اگر رمضان یا عید کا چاند نظر آجائے لیکن زمین پر ظاہری آنکھ سے کسی کو نظر نہ آئے تو کیا روزہ یا عید ہو جائے گی یا نہیں ؟ ۔

جواب :۔ اس طرح چاند دیکھنے کا شرعًا اعتبار نہیں کیونکہ یہ تکلّف ہے ۔ چاند کا دیکھنا وہی معتبر ہے جو عام آنکھ سے بغیر کسی تکلّف یا سائنسی آلہ کی مدد کے دیکھا جائے ۔ مطلع ابر آلود ہونے کی صورت میں ماہ رمضان کے روزہ کے لئے ایک معتبر آدمی کی یہ گواہی کہ اُس نے چاند دیکھا ہے جائز التسلیم ہوگی اور عید منانے کے لئے دُو معتبر آدمیوں کی گواہی ضروری ہوگی ۔ تاہم اس قسم کے معاملات میں جماعتِ مسلمین کے مرکزی نظام کو آخری فیصلہ کا اختیار حاصل ہے ۔

سوال :۔ حدیث میں آتا ہے کہ چاند دیکھ کر روزہ افطار کرو ۔ کیا اگر چاند سورج ڈوبنے سے پہلے نظر آجائے تو روزہ افطار کر لینا چاہیئے ؟

جواب :۔ اس حدیثِ افطار کے معنے یہ ہیں کہ اگر بعد دوپہر سورج ڈوبنے سے پہلے شوال کا چاند نظر آجائے تو لوگ اگلے دن عید الفطر منائیں اور روزہ نہ رکھیں ۔ یہ نہیں کہ چاند دیکھتے ہی روزہ کھول دیں بالکل اُسی طرح جس طرح صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ کے معنی ہیں کہ چاند نظر آنے پر اگلے دن سے روزے رکھنے شروع کر دو یہ نہیں کہ جونہی چاند نظر آئے اُسی وقت سے روزہ شروع کر دو ۔ کیونکہ روزہ کا وقت خواہ وہ روزہ فرض ہو یا نفلی طلوع فجر سے لیکر غروبِ آفتاب تک ہے اس سے کم وقت کا روزہ صحیح روزہ نہیں ہوگا ۔

قرآن پاک کی آیت ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ متواترہ اسی حقیقت کو ثابت کرتی ہے ۔ رہا یہ خیال کہ سُورج ڈوبنے سے پہلے جو چاند نظر آجاتا ہے وہ دراصل ایک دن پہلے کا ہے اور یہ دن گویا روزے کا ہے ہی نہیں ۔ تو اصولاً یہ خیال درست نہیں کیونکہ بعض صورتوں میں چاند پہلی کا ہوتے ہُوئے بھی غروبِ آفتاب سے کچھ دیر قبل نظر آسکتا ہے ہاں بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ اگر چاند اس دن

---

[1] : ترمذی باب ماجاء فی الصوم بالشہادۃ صفحہ ۱ ، ابن ماجہ کتاب الصوم باب فی الشہادۃ علی رویۃ الہلال صفحہ ۱۱۹ ؎

دوپہر سے پہلے نظر آئے تو پھر چاند دیکھتے ہی روزہ توڑ دینا چاہیئے ۔ کیونکہ یہ دراصل یکم شوال یعنی عید کا دن ہوگا ۔ ۲۹ یا ۳۰ رمضان کا دن نہ ہوگا ۔

حضرت عمرؓ نے عتبہ بن فرقد کو ایک خط میں لکھا : ۔

۱ ۔ اگر چاند صبح کو نظر آئے تو روزہ توڑ دو ۔ کیونکہ وہ کل کا ہے اور اگر چاند آخر دن میں نظر آئے تو اس دن کا روزہ پورا کرلو کیونکہ وہ آنے والی کل کا ہے ۔

۲ ۔ کچھ نئے چاند بڑے ہوتے ہیں ۔ اس لئے اگر تم دن میں چاند دیکھو تو اس وقت تک روزہ نہ توڑو جب تک دو مسلمان گواہی نہ دیں کہ انہوں نے گذشتہ رات چاند دیکھا تھا ۔ [۱]

علامہ ابن رشد اپنی مشہور کتاب "بدایۃ المجتہد" میں لکھتے ہیں : ۔

" قَالَ اَبُوْ يُوْسُفَ مِنْ اَصْحَابِ اَبِيْ حَنِيْفَةَ وَالثَّوْرِيُّ وَابْنُ حَبِيْبٍ مِنْ اَصْحَابِ مَالِكٍ اِذَا رُؤِيَ الْهِلَالُ قَبْلَ الزَّوَالِ فَهُوَ لِلَّيْلَةِ الْمَاضِيَةِ وَاِنْ رُؤِيَ بَعْدَ الزَّوَالِ فَهُوَ لِلْاٰتِيَةِ ۔ وَرَوَى الثَّوْرِيُّ اَنَّهُ بَلَغَ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اِنَّ قَوْمًا رَاَوُا الْهِلَالَ بَعْدَ الزَّوَالِ فَاَفْطَرُوْا فَكَتَبَ اِلَيْهِمْ يَلُوْمُهُمْ وَقَالَ اِذَا رَاَيْتُمُ الْهِلَالَ نَهَارًا قَبْلَ الزَّوَالِ فَاَفْطِرُوْا وَاِذَا رَاَيْتُمُوْهُ بَعْدَ الزَّوَالِ فَلَا تُفْطِرُوْا ۔" [۲]

یعنی حنفیوں میں سے امام ابو یوسفؒ اور مالکیوں میں سے ابن حبیبؒ نیز امام ثوریؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر شوال کا چاند دوپہر سے پہلے[۳] نظر آجائے تو روزہ فوراً توڑ دینا چاہیئے کیونکہ یہ چاند آنے والی رات کا نہیں بلکہ گذشتہ رات کا ہے اور یہ دن یکم شوال کا گذر رہا ہے ۔

---

[۱] : ۔ حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط از خورشید احمد فاروقی ص ۲۳۶ بحوالہ کنز العمال ص ۳۲۵/۴ منقول از مصنف ابن ابی شیبہ قلمی ص ۴۲/۲ ؛ [۲] : ۔ بدایۃ المجتہد کتاب الصوم ص ۱۹۵/۱ ؛

[۳] : ۔ بعض ماہرین ہیئت کی رائے یہ ہے کہ یہ صورت درست نہیں ہے کیونکہ پہلی کا چاند دوپہر سے پہلے نظر نہیں آسکتا ۔ لیکن محترم مرزا عبد الحق صاحب صدر تدوین فقہ کمیٹی کا بیان ہے کہ ۱۹۲۷ء میں خود انہوں نے دس بجے چاند دیکھا ؛

حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک علاقہ کے لوگوں نے دوپہر کے بعد چاند دیکھا اور اسی وقت روزے کھول لئے۔ حضرت عمرؓ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے انہیں تنبیہہ فرمائی اور لکھا کہ اگر چاند دوپہر سے پہلے دیکھا جائے تو پھر روزہ توڑ دینا چاہیئے۔ لیکن اگر دوپہر کے بعد نظر آئے تو پھر روزہ مکمل کرنا چاہیئے اور غروب آفتاب کے بعد کھولنا چاہیئے۔

سوال:۔ امریکہ کے ایک نومسلم نے لکھا "اس وقت میں روزے رکھ رہا ہوں گو مجھے صحیح علم نہیں کہ رمضان کس تاریخ کو شروع ہؤا۔ میں نے روزے گذشتہ ماہ کی ۲۱ تاریخ کو شروع کئے تھے اور اس ماہ کی ۲۰ تاریخ تک رکھوں گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

"رمضان المبارک ۵ مئی سے ۲ جون تک رہا اور ۳ جون کو عید ہوئی لیکن جس شخص کو علم نہ ہو (کہ رمضان کب شروع ہؤا کب ختم ہؤا) وہ جس وقت بھی روزے رکھے خدا تعالیٰ کے نزدیک وہی مقبول ہیں کیونکہ ہمارا خدا ہمارے علم کے مطابق ہم سے مطالبہ کرتا ہے۔ اگر وہ اپنے علم کے مطابق ہم سے مطالبہ کرے تو دنیا کا کوئی انسان بھی نجات نہ پائے۔" [1]

روزہ اور نیّت

سوال:۔ کیا روزہ کے لئے نیت ضروری ہے؟

جواب:۔ حضور نے فرمایا:۔

"روزے کے لئے نیّت ضروری ہے۔ بغیر نیّت کا ثواب نہیں۔ نیّت دل کے ارادے کا نام ہے۔ افق مشرق پر سیاہ دھاری سے سفید دھاری شمالاً جنوباً ظاہر ہونے تک کھانا پینا جائز ہے۔ اگر اپنی طرف سے احتیاط ہو اور بعد میں کوئی کہے کہ اس وقت سفیدی ظاہر ہو گئی تھی تو روزہ ہو جاتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانا کھانے اور نماز فجر میں ۵۰ آیت پڑھنے تک وقفہ ہوتا تھا۔" [2]

ایک شخص صبح سے شام تک بغیر کچھ کھائے پیئے سویا رہا یا کسی کام میں ایسا منہمک ہؤا کہ کھانے پینے کی ہوش ہی نہ رہی تو اس شخص کے اِس فاقہ کو روزہ سمجھنا درست نہ ہوگا۔ کیونکہ روزہ رکھنے

---

[1]: الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۵۲ء

[2]: الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء

کی اس کی نیّت ہی نہ تھی اور نہ ہی اس کا یہ فاقہ اس ارادہ سے تھا کہ اس کا روزہ ہے۔

سوال :۔ اگر بوقت سحری روزہ کی نیّت نہ تھی لیکن ۱۰ یا ۱۱ بجے دن کے روزہ کا ارادہ کر لیا تو کیا اس کا روزہ ہو جائے گا؟

جواب :۔ روزہ کی نیت طلوعِ فجر سے پہلے کی جانی چاہیئے۔ البتہ اگر کوئی عذر ہو مثلاً اسے علم نہیں ہو سکا کہ آج سے رمضان شروع ہے یا سویا رہا۔ صبح بیدار ہونے پر پتہ چلا کہ آج تو روزہ ہے یا کوئی اور اسی قسم کا عذر ہے تو وہ دوپہر سے پہلے پہلے اس دن کے روزہ کی نیت کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس نے طلوع فجر کے بعد سے کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے :۔

عن ابن عمر عن حفصة عن النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم انّہ قَالَ مَنْ لَمْ یَجْمَعِ الصِّیَامَ قَبْلَ الْفَجْرِ فَلَا صِیَامَ لَہٗ۔[۱] رواہ الخمسة۔

یعنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ روزہ صرف اُسی شخص کا ہے جس نے فجر سے پہلے پختہ عزم کے ساتھ روزہ کی نیت کر لی ہو۔

لیکن اس کے ساتھ ہی ایک اور حدیث ہے کہ :۔

اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَدْخُلُ عَلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ فَیَقُوْلُ هَلْ مِنْ غَدَاءٍ فَاِنْ قَالُوْا لَا قَالَ فَاِنِّیْ صَائِمٌ۔[۲]

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعض دفعہ گھر تشریف لاتے اور دریافت فرماتے کہ ناشتہ کے لئے کوئی چیز ہے؟ اگر یہ جواب ملتا کہ کچھ نہیں تو آپ فرماتے اچھا آج میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر فجر سے پہلے نیّت کرنے میں کوئی عذر ہو تو دن کے وقت بھی روزے کی نیت کی جا سکتی ہے۔ گو حضور علیہ السلام کے یہ روزے نفلی تھے۔

اسی طرح ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار دوپہر سے پہلے خبر ملی کہ کل رمضان کا چاند مدینہ کی کسی مضافاتی بستی میں دیکھ لیا گیا تھا۔ اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا جس نے صبح سے

---

[۱] :۔ نیل الاوطار باب وجوب النیة من اللیل ص۱۹۵ ج۴، ترمذی کتاب الصوم باب لاصیام لمن لم یعزم من اللیل ص۹۱ ج۱ ؛

[۲] :۔ مسلم کتاب الصوم باب جواز صوم النافلة بنیة من النہار ص۳۸۱ ج۱ ؛

کچھ نہیں کھایا وہ روزہ کی نیّت کر لے اور جس نے کچھ کھا پی لیا ہے وہ بعد میں اس روزہ کی قضاء کرے"۔ [1]

سوال :۔ (ا) ایک شخص نفلی روزہ کی نیّت کرتا ہے لیکن سحری کھانے سے رہ جاتا ہے تو کیا وہ روزہ رکھے؟

(ب) رمضان میں رات کو بیمار تھا۔ صبح سحری کے وقت طبیعت سنبھل گئی تو کیا وہ روزہ رکھے؟

(ج) فرض روزہ کے لئے سحری نہ کھا سکے تو کیا روزہ رکھے؟

جواب :۔ (ا) سحری کھانا مسنون ہے ضروری اور واجب نہیں اس لئے اگر کوئی سحری نہیں کھا سکا تو وہ روزہ رکھ سکتا ہے یہ نہیں کہ اس کا روزہ ہی نہیں ہوتا۔

(ب) اگر سحری کے وقت طبیعت اچھی ہو تو روزہ رکھنا چاہیئے۔ رات سے روزہ کی نیّت ہونے کے معنے یہ ہیں کہ طلوع فجر سے پہلے پہلے روزہ رکھنے کا ارادہ کرے۔

سوال :۔ کیا سحری کھانا ضروری ہے؟

جواب :۔ سحری کھائے بغیر روزہ رکھنے میں برکت نہیں۔ ویسے ضرورت اور عذر کی صورت میں سحری کھائے بغیر بھی روزہ رکھنا جائز ہے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

تَسَحَّرُوْا فَاِنَّ فِی السَّحُوْرِ بَرَکَۃً۔ [2]

سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کھانے میں برکت ہے۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے سحری کھانے والوں پر درود بھیجتے ہیں۔ [3]

سفیدی میں نیّتِ روزہ

سوال :۔ ایک شخص کا سوال پیش ہوا کہ میں مکان کے اندر بیٹھا ہوا تھا اور میرا یقین تھا کہ ہنوز روزہ رکھنے کا وقت ہے اور میں نے کچھ کھا کر روزے کی نیّت کی مگر بعد میں ایک دوسرے شخص سے

---

[1] ابوداؤد کتاب الصیام باب فی شہادۃ الواحد علی رؤیۃ ہلال رمضان صفحہ ۳۲۱ ؛ [2] بخاری کتاب الصوم باب برکۃ السحور من غیر ایجاب الخ صفحہ ۲۵۷ ؛ [3] اوجز المسالک شرح مؤطا امام مالک صفحہ ۱۵ جلد ۳ ؛

معلوم ہوا کہ اس وقت سفیدی ظاہر ہوگئی تھی اب میں کیا کروں؟

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسی حالت میں اس کا روزہ ہوگیا دوبارہ رکھنے کی حاجت نہیں کیونکہ اپنی طرف سے اُس نے احتیاط کی اور نیت میں فرق نہیں۔" [1]

سوال:۔ قرآن کریم کی آیت ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ میں اَلَّیْل سے ازروئے لغت کیا مُراد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روزہ کی افطاری کے بارہ میں کیا عمل تھا؟

جواب:۔ لغت میں لیل کے معنی ہیں "من مغرب الشمس الی طلوع الشمس" یعنی سورج کے غروب ہونے سے لے کر اُس کے طلوع ہونے تک کے وقت کو لیل کہتے ہیں لیکن سنّتِ متواترہ اور اُمّت کے اجتماعی عمل سے یہ امر ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ میں ساری رات مُراد نہیں بلکہ اس کا کوئی حصّہ ہے جس میں روزہ کھولنا ہے۔ اب ہم اس حصّہ کی تعیین کے لئے قرآنی محاورہ پر غور کرتے ہیں تو یہ رات کا آغاز یعنی سورج کے غروب ہونے کا وقت بنتا ہے کیونکہ اِلٰی کا مفہوم یہ ہے کہ روزہ رات آنے تک رکھنا ہے اور اس کے شروع ہوتے ہی افطار کرلینا ہے چنانچہ احادیث بھی اسی مفہوم کی تائید کرتی ہیں۔ بخاری اور مسلم کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِذَا اَقْبَلَ اللَّیْلُ وَ اَدْبَرَ النَّھَارُ وَغَابَتِ الشَّمْسُ فَقَدْ اَفْطَرَ الصَّائِمُ" [2] کہ جونہی مشرق سے رات آئے اور مغرب کی طرف دن جائے۔ یعنی سورج افق میں غائب ہو جائے تو اُسی وقت روزہ دار کو روزہ کھول لینا چاہیئے۔ اسی طرح فرمایا: "لَا یَزَالُ النَّاسُ بِخَیْرٍ مَا عَجَّلُوْا الْفِطْرَ" [3]۔ جب تک لوگ روزہ جلدی افطار کرتے رہیں گے اُس وقت تک بہتری اور بھلائی اُن کے ساتھ رہے گی۔ ابن ماجہ کی حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہود و نصارٰی روزہ افطار کرنے میں دیر کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو ایسا نہیں کرنا چاہیئے۔ [4]

ترمذی کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ جلدی افطار کرنے کا خاص اہتمام فرمایا

---

[1]:۔ بدر ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء، فتاویٰ مسیح موعود ص ۱۲۶ ؛ [2]:۔ بخاری کتاب الصوم باب متی یحل فطر الصائم ص ۲۶۲ ج ۱، مسلم باب بیان وقت انقضاء الصوم الخ ص ۳۵۶ ج ۱، ترمذی کتاب الصوم ص ۸۸ ج ۱ ؛ [3]: بخاری باب تعجیل الافطار ص ۲۶۳ ج ۱ ؛

[4]:۔ عن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر عجلوا الفطر فان الیہود یؤخرون (ابن ماجہ کتاب الصوم باب ماجاء فی تعجیل الافطار ص ۱۲۲) ؛

کرتے تھے۔ ؎۱

پس یہی سنّت متواتر ہے اور اہل سنّت والجماعت کے تمام علماء کا اسی کے مطابق عمل ہے۔

سفر میں روزہ کی ممانعت کی وضاحت

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سفر میں روزہ رکھنے کو حکم عدولی قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں:۔

"مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا۔"

حضور علیہ السلام کا یہ فیصلہ آیتِ قرآنی فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؎۲ پر مبنی ہے اور احادیث نبوی کے مجموعی مفہوم سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر کی حالت میں رمضان میں روزہ رکھنے والوں کو "عُصَاۃ" ؎۳ قرار دیا ہے۔ جن احادیث سے رخصت معلوم ہوتی ہے امام زہری رح نے ان احادیث کو پہلے کی قرار دیا ہے۔ چنانچہ صحیح مسلم کی تصریح ہے ؎۴

۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے باہر سے آنے والے احمدیوں کے لئے قادیان کو وطن ثانی قرار دیا ہے اس لئے وہ وہاں قیام کے دوران میں رکھ سکتے ہیں اور اگر نہ رکھیں تب بھی جائز ہے۔

۳۔ وطن ثانی کی طرف سفر بھی سفر ہی ہے۔ اس لئے روزہ رکھنا جائز نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے افطاری کے وقت سے پہلے قادیان آنے والے روزہ داروں کا روزہ کھلوا دیا تھا۔

۴۔ وہ تمام لوگ جن کی ڈیوٹی ہی سفر سے متعلق ہو جیسے ریلوے گارڈ۔ ڈرائیور۔ پائیلٹ۔ سفری ایجنٹ دیہاتی ہرکارے وغیرہ مقیم کے حکم میں ہوں گے اور رمضان کے روزے رکھیں گے ؎۵

حضرت اقدس علیہ السلام نے سفر میں روزہ کے حکم کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:۔

"اگر ریل کا سفر ہو کوئی تکلیف کسی قسم کی نہ ہو تو رکھ لے ورنہ خدا تعالیٰ کی رخصت سے فائدہ اٹھائے۔" ؎۶

؎۱:۔ ترمذی باب تعجیل الافطار ص۱ ؛ ؎۲:۔ سورۃ البقرۃ آیت نمبر ۱۸۵ ؛

؎۳:۔ مسلم کتاب الصوم باب جواز الصوم والفطر الخ ص۳۶۵ ؛ ؎۴: قال الزہری وکان الفطر آخر الامرین وانما یؤخذ من امر رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بالآخر فالآخر۔ (مسلم ص۳۶۴) ؛

؎۵:۔ فیصلہ مجلس افتاء ۲۶ مورخہ ۲۶ فروری ۱۹۷۶ء ؛ ؎۶:۔ الحکم ۲۴ دسمبر ۱۹۰۱ء ؛

سوال :۔ اگر کسی روزہ دار کو سفر کرنے کی ضرورت پیش آئے تو کیا وہ روزہ توڑ سکتا ہے ؟
جواب :۔ رمضان کے دنوں میں حتی الوسع سفر سے بچنا چاہیئے۔ اور ضرورت کے وقت ہی سفر پر جانا چاہیئے۔ کونسا سفر ضروری ہے اس کا فیصلہ خود سفر کرنے والے کی صوابدید پر ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہے کوئی دوسرا اس کے متعلق فیصلہ نہیں کر سکتا۔ باقی سفر کوئی سا ہو جب تک وہ جاری ہے اس میں روزہ نہیں رکھنا چاہیئے۔

روزہ رکھکر سفر شروع کرنا

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی فرماتے تھے :۔

"سفر کے متعلق میرا عقیدہ اور خیال یہی ہے ممکن ہے بعض فقہاء کو اس سے اختلاف ہو کہ جو سفر سحری کے بعد شروع ہو کر شام کو ختم ہو جائے وہ روزہ کے لحاظ سے سفر نہیں۔ سفر میں روزہ رکھنے سے شریعت روکتی ہے۔ مگر روزہ میں سفر کرنے سے نہیں روکتی۔ پس جو سفر روزہ رکھنے کے بعد شروع ہو کر افطاری سے پہلے ختم ہو جائے وہ روزہ کے لحاظ سے سفر نہیں۔ روزہ میں سفر ہے۔ سفر میں روزہ نہیں"۔[1]

سوال :۔ بحالتِ سفر روزہ رکھا جا سکتا ہے یا نہیں۔ نیز کتنے میل تک کا سفر ہو جس میں روزہ نہیں رکھنا چاہیئے؟
جواب :۔ سفر میں رمضان کا روزہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ البتہ رمضان کے احترام میں برسرِعام کھانے پینے سے احتراز کرنا مستحسن ہے۔ سفر اور اس کی مسافت کی کوئی شرعی حد اور تعریف مقرر نہیں اسے انسان کی اپنی تمیز اور قوتِ فیصلہ پر رہنے دیا گیا ہے۔[2]

خلاصہ

سفر میں روزے کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں :۔

۱ ۔ اگر سفر جاری ہو یعنی پیدل یا سواری پر۔ اور چلتا چلا جا رہا ہو تو روزہ نہ رکھا جائے۔ کیونکہ اس صورت میں روزہ چھوڑنا ضروری ہے۔
۲ ۔ اگر سفر کے دوران کسی جگہ رات کو ٹھہرنا ہے اور سہولت میسّر ہے تو روزہ رکھا جا سکتا ہے یعنی روزہ رکھنے اور نہ رکھنے دونوں کی اجازت ہے۔ جبکہ دن بھر وہاں قیام ہے۔

---

[1] الفضل ۵ ستمبر ۱۹۴۲ء
[2] :۔ سفر کی مزید تفصیل کے لئے دیکھیں باب قصر الصلوٰۃ

۳ ۔ سحری کھانے کے بعد گھر سے سفر شروع ہو اور افطاری سے پہلے پہلے سفر ختم ہو جائے یعنی گھر واپس آجانے کا ظن غالب ہو تو روزہ رکھ سکتا ہے ۔

۴ ۔ اگر کسی جگہ پندرہ دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنا ہے تو وہاں سحری کا انتظام کیا جائے اور روزہ رکھا جائے ۔

بیمار اور مسافر

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمایا کہ :۔

" جو شخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہِ صیام میں روزہ رکھتا ہے وہ خدا تعالیٰ کے صریح حکم کی نافرمانی کرتا ہے ۔ خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ بیمار اور مسافر روزہ نہ رکھے ۔ مرض سے صحت پانے اور سفر کے ختم ہونے کے بعد روزے رکھے خدا کے اس حکم پر عمل کرنا چاہیئے کیونکہ نجات فضل سے ہے اور اپنے اعمال کا زور دکھا کر کوئی شخص نجات حاصل نہیں کر سکتا ۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو یا لمبا بلکہ حکم عام ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے ۔ مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا ۔" [1]

روزہ رکھنے کی عمر

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا :۔

" کئی ہیں جو چھوٹے بچوں سے بھی روزہ رکھواتے ہیں ۔ حالانکہ ہر ایک فرض اور حکم کے لئے الگ الگ حدیں اور الگ الگ وقت ہوتا ہے ۔ ہمارے نزدیک بعض احکام کا زمانہ چار سال کی عمر سے شروع ہو جاتا ہے اور بعض ایسے ہیں جن کا زمانہ سات سال سے بارہ سال تک ہے اور بعض ایسے ہیں جن کا زمانہ ۱۵ یا ۱۸ سال کی عمر سے شروع ہوتا ہے میرے نزدیک روزوں کا حکم ۱۵ سے ۱۸ سال تک کی عمر کے بچے پر عائد ہوتا ہے اور یہی بلوغت کی حد ہے ۔ ۱۵ سال کی عمر سے روزہ رکھنے کی عادت ڈالنی چاہیئے اور ۱۸ سال کی عمر میں روزے فرض سمجھنے چاہئیں ۔ مجھے یاد ہے جب ہم چھوٹے تھے ہمیں بھی روزہ رکھنے کا شوق ہوتا تھا ۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمیں روزہ نہیں رکھنے دیتے تھے اور بجائے اس

---

[1] : بدر ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۷ء

کے کہ ہمیں روزہ رکھنے کے متعلق کسی قسم کی تحریک کرنا پسند کریں ہمیشہ ہم پر رعب ڈالتے تھے۔ تو بچوں کی صحت کو قائم رکھنے اور اُن کی قوت کو بڑھانے کے لئے روزہ رکھنے سے انہیں روکنا چاہیئے۔ اس کے بعد جب ان کا وہ زمانہ آجائے جب وہ اپنی قوت کو پہنچ جائیں جو ۱۵ سال کی عمر کا زمانہ ہے تو پھر ان سے روزے رکھوائے جائیں اور وہ بھی آہستگی کے ساتھ۔ پہلے سال جتنے رکھیں دوسرے سال ان سے کچھ زیادہ اور تیسرے سال اس سے زیادہ رکھوائے جائیں۔ اس طرح بتدریج ان کو روزہ کا عادی بنایا جائے۔" [۱]

"بوڑھا جس کے قویٰ مضمحل ہو چکے ہیں اور روزہ اسے زندگی کے باقی اشغال سے محروم کر دیتا ہے اس کے لئے روزہ رکھنا نیکی نہیں۔ پھر وہ بچہ جس کے قویٰ نشوونما پا رہے ہیں اور آئندہ ۵۰۔ ۶۰ سال کے لئے طاقت کا ذخیرہ جمع کر رہے ہیں اس کے لئے بھی روزہ رکھنا نیکی نہیں ہو سکتا۔ مگر جس میں طاقت ہے اور جو رمضان کا مخاطب ہے وہ اگر روزہ نہیں رکھتا تو گناہ کا مرتکب ہے۔" [۲]

مرضعہ حاملہ بچہ اور طالب علم

"قرآن میں صرف بیمار اور مسافر کے لئے روزہ نہ رکھنے کی وضاحت ہے۔ دودھ پلانے والی عورت اور حاملہ کے لئے کوئی ایسا حکم نہیں مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بیمار کی حد میں رکھا ہے۔ اسی طرح وہ بچے بھی بیمار کی حد میں ہیں جن کے اجسام ابھی نشوونما پا رہے ہیں یا کمزور صحت کے ساتھ جو امتحان کی تیاری میں بھی مصروف ہیں۔ اُن دنوں اُن کے دماغ پر اس قدر بوجھ ہوتا ہے کہ بعض پاگل ہو جاتے ہیں۔ کئی ایک کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ پس اس کا کیا فائدہ۔ ہے کہ ایک بار روزہ رکھ لیا اور پھر ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔" [۳]

سوال :۔ طالب علم جو امتحان کی تیاری میں مصروف ہے اس کے لئے روزہ رکھنے کی کیا ہدایت ہے؟

جواب :۔ روزہ کی وجہ سے روزمرہ کی مصروفیات کو ترک کرنے کا ہمیں حکم نہیں دیا گیا اس لئے روزمرہ کے کام کی وجہ سے اگر ایک انسان کے لئے روزہ ناقابلِ برداشت ہے تو وہ مریض کے حکم میں ہے لیکن اس بارہ میں کلیتہً وہ اپنے اقدام کا خود ذمہ وار ہوگا اور اس کی

---

[۱]۔ الفضل ۱۱ اپریل ۱۹۲۵ء ؛ [۲]:۔ الفضل ۲ فروری ۱۹۳۳ء ؛ [۳]:۔ الفضل جلد ۱۸ نمبر ۸۰ ۳۱۔۳۰ء ؛

نیّت اور حالت کے مطابق اللہ تعالیٰ سلوک کرے گا۔ گویا اپنے حالات کے بارہ میں فیصلہ دینے میں انسان آپ مفتی ہے۔
جو شخص روزہ رکھنے سے بیمار ہو جاتا ہے خواہ وہ پہلے بیمار نہ ہو اس کے لئے روزہ معاف ہے۔ اگر اس کی حالت ہمیشہ ایسی رہتی ہو تو کبھی اُس پر روزہ واجب نہ ہوگا۔ اور اگر کسی موسم میں ایسی حالت ہو تو دوسرے وقت میں رکھ لے۔ ہاں تقویٰ سے کام لے کر خود سوچ لے کہ صرف عذر نہ ہو بلکہ حقیقی بیمار ہو۔" [۱]

سوال :۔ بعض اوقات رمضان ایسے موسم میں آتا ہے کہ کاشتکاروں سے جبکہ کام کی کثرت ہوتی ہے۔ مثلاً تخم ریزی کرنا یا فصل کاٹنا ہے۔ اسی طرح مزدور جن کا گذارہ مزدوری پر ہے اُن سب سے روزہ نہیں رکھا جاتا۔ ان کی نسبت کیا ارشاد ہے؟

جواب :۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام نے فرمایا:۔
" اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ۔ یہ لوگ اپنی حالتوں کو مخفی رکھتے ہیں۔ ہر شخص تقویٰ و طہارت سے اپنی حالت سوچ لے اگر کوئی اپنی جگہ مزدور رکھ سکتا ہے تو ایسا کرے ورنہ مریض کے حکم میں ہے پھر جب یُسر ہو رکھ لے اور عَلَی الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَہٗ کی نسبت فرمایا کہ معنے یہ ہیں کہ جو طاقت نہیں رکھتے۔" [۲]

ایک دوست نے حضرت صاحب سے ذیابیطس کی بیماری میں روزہ کے متعلق دریافت کیا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:۔
"بیماری میں روزہ جائز نہیں اور ذیابیطس کے لئے تو بہت ہی مضر ہے۔" [۳]

بعض پُرانی بیماریاں

بعض بیماریاں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں انسان سارے کام کر لیتا ہے مثلاً پُرانی بیماریاں ہیں۔ اُن میں انسان سب کام کرتا رہتا ہے ایسا شخص بیمار نہیں سمجھا جاتا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ایک دفعہ یہ فتویٰ پوچھا گیا کہ کیا اس ملازم کا سفر شمار کیا جائے گا جو ملازم ہونے کی وجہ سے سفر کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔
" اس کا سفر سفر نہیں گنا جا سکتا۔ اس کا سفر تو ملازمت کا ایک حصّہ ہے۔ اسی طرح بعض ایسی بیماریاں ہوتی ہیں جن میں انسان سارے کام کرتا رہتا ہے۔ فوجیوں میں بھی ایسے

---

[۱] :۔ الفضل ۲۲ مئی ۱۹۲۲ء ؛ [۲] :۔ بدر ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء ؛ [۳] :۔ الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۱۵ء ؛

ہوتے ہیں جو ان بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں مگر وہ سارے کام کرتے رہتے ہیں۔ چند دن پیچش ہو جاتی ہے مگر اس وجہ سے وہ ہمیشہ کے لئے کام کرنا چھوڑ نہیں دیتے۔ پس اگر دوسرے کاموں کے لئے وقت نکل آتا ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایسا مریض روزے نہ رکھ سکے اس قسم کے بہانے محض اس وجہ سے ہوتے ہیں کہ ایسے لوگ دراصل روزہ رکھنے کے خلاف ہوتے ہیں۔ بیشک یہ قرآنی حکم ہے کہ سفر کی حالت میں اور اسی طرح بیماری کی حالت میں روزے نہیں رکھنے چاہئیں۔ اور ہم اس پر زور دیتے ہیں تا قرآنی حکم کی ہتک نہ ہو مگر اس بہانہ سے فائدہ اُٹھا کر جو لوگ روزہ رکھ سکتے ہیں اور پھر وہ روزہ نہیں رکھتے یا ان سے کچھ روزے رہ گئے ہوں اور وہ کوشش کرتے تو انہیں پورا کر سکتے تھے لیکن ان کو پورا کرنے کی کوشش نہیں کرتے تو وہ ایسے ہی گنہگار ہیں جس طرح وہ گنہگار ہے جو بلا عذر رمضان کے روزے نہیں رکھتا۔ اس لئے ہر احمدی کو چاہیئے کہ جتنے روزے اس نے غفلت یا کسی شرعی عذر کی وجہ سے نہیں رکھے وہ انہیں بعد میں پورا کرے۔

بعض فقہا کا خیال ہے کہ پچھلے سال کے چھوٹے ہوئے روزے دوسرے سال نہیں رکھ سکتے[1] لیکن میرے نزدیک اگر کوئی لاعلمی کی وجہ سے روزے نہیں رکھ سکا تو لاعلمی معاف ہو سکتی ہے۔ ہاں اگر اس نے دیدہ دانستہ روزے نہیں رکھے تو پھر قضاء نہیں۔ جیسے جان بوجھ کر چھوڑی ہوئی نماز کی قضاء نہیں لیکن اگر اُس نے بھول کر روزے نہیں رکھے یا اجتہادی غلطی کی بناء پر اس نے روزے نہیں رکھے تو میرے نزدیک وہ دوبارہ رکھ سکتا ہے۔"[2]

فدیہ توفیق روزہ کا موجب ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"ایک بار میرے دل میں آیا کہ یہ فدیہ کس لئے مقرر ہے تو معلوم ہوا یہ اس لئے کہ اس سے روزہ کی توفیق ملتی ہے۔ خدا ہی کی ذات ہے جو توفیق عطا کرتی ہے اور ہر شئی خدا ہی سے طلب کرنی چاہیئے وہ قادرِ مطلق ہے وہ اگر چاہے تو ایک مدقوق کو بھی طاقت روزہ عطا کر سکتا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ ایسا انسان جو دیکھے کہ روزہ سے محروم رہا جاتا ہوں تو دُعا کرے کہ الٰہی یہ تیرا ایک مبارک مہینہ ہے میں اس سے محروم رہا جاتا ہوں اور کیا معلوم کہ آئندہ سال رہوں یا نہ رہوں یا ان فوت شدہ روزوں کو ادا کر سکوں یا نہ کر سکوں

---

[1] بدایۃ المجتہد ص۲۰۶۔ [2] الفضل ۱۶ اگست ۱۹۴۸ء۔

اس لئے اس سے توفیق طلب کرے مجھے یقین ہے کہ ایسے قلب کو خُدا طاقت بخشے گا اگر خُدا چاہتا تو دوسری اُمتوں کی طرح اس اُمت میں بھی کوئی قید نہ رکھتا مگر اُس نے قیدیں بھلائی کے لئے رکھی ہیں۔ میرے نزدیک اصل یہی ہے کہ جب انسان صدق اور کمال اخلاص سے باری تعالیٰ میں عرض کرتا ہے کہ اس مہینے میں مجھے محروم نہ رکھ تو خُدا اُسے محروم نہیں رکھتا اور ایسی حالت میں اگر رمضان میں بیمار ہو جائے تو یہ بیماری اس کے حق میں رحمت ہو جاتی ہے کیونکہ ہر کام کا مدار نیّت پر ہے مؤمن کو چاہیئے کہ وہ اپنے وجود سے اپنے آپ کو خُدا تعالیٰ کی راہ میں دلاور ثابت کرے۔ جو شخص کہ روزہ سے محروم رہتا ہے مگر اس کے دل میں یہ نیت دردِ دل سے تھی کہ کاش میں تندرست ہوتا اور روزہ رکھتا اس کا دل اس بات کے لئے گریاں ہے تو فرشتے اس کے لئے روزے رکھیں گے بشرطیکہ وہ بہانہ جُو نہ ہو تو خُدا تعالیٰ ہرگز اُسے ثواب سے محروم نہ رکھے گا۔ یہ ایک باریک امر ہے۔ اگر کسی شخص پر اپنے نفس کے کسل کی وجہ سے روزہ گراں ہے اور وہ اپنے خیال میں گمان کرتا ہے کہ میں بیمار ہوں اور میری صحت ایسی ہے کہ اگر ایک وقت نہ کھاؤں تو فلاں فلاں عوارض لاحق ہوں گے اور یہ ہوگا اور وہ ہوگا تو ایسا آدمی جو خُدائی نعمت کو خود اپنے اُوپر گراں گمان کرتا ہے کب اس ثواب کا مستحق ہوگا۔ ہاں وہ شخص جس کا دل اس بات سے خوش ہے کہ رمضان آگیا اور اس کا منتظر ہی تھا کہ آوے اور روزہ رکھوں اور پھر وہ بوجہ بیماری کے نہیں رکھ سکا تو وہ آسمان پر روزہ سے محروم نہیں ہے اس دُنیا میں بہت لوگ بہانہ جُو ہیں اور وہ خیال کرتے ہیں کہ ہم اہلِ دنیا کو دھوکا دے لیتے ہیں ویسے ہی خُدا کو فریب دیتے ہیں لیکن وہ خُدا کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ تکلّف کا باب بہت وسیع ہے اگر انسان چاہے تو اس کی رُو سے ساری عمر کو بیٹھ کر ہی نماز پڑھتا رہے۔ اور رمضان کے روزے بالکل نہ رکھے مگر خُدا اس کی نیّت اور ارادہ کو جانتا ہے جو صدق اور اخلاص رکھتا ہے خُدا جانتا ہے کہ اس کے دل میں درد ہے اور خُدا اُسے اصل ثواب سے بھی زیادہ دیتا ہے کیونکہ دردِ دل ایک قابلِ قدر شئے ہے۔"[1]

فِدیَہ

"اگر انسان مریض ہو خواہ وہ مرض لاحق ہو یا ایسی حالت میں ہو جس میں روزہ رکھنا یقیناً مریض بنا دیگا۔

---

[1]:- فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۱۵۱

جیسے حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت یا ایسا بوڑھا شخص جس کے قویٰ میں انحطاط شروع ہو چکا ہے یا پھر اتنا چھوٹا بچہ جس کے قویٰ نشوونما پا رہے ہیں تو اسے روزہ نہیں رکھنا چاہیئے اور ایسے شخص کو اگر آسودگی حاصل ہو تو ایک آدمی کا کھانا کسی کو دیدینا چاہیئے اور اگر یہ طاقت نہ ہو تو نہ سہی ایسے شخص کی نیت ہی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کے روزہ کے برابر ہے۔

اگر روک عارضی ہو اور بعد میں وہ دُور ہو جائے تو خواہ فدیہ دیا ہو یا نہ دیا ہو روزہ بہرحال رکھنا ہوگا کیونکہ فدیہ دے دینے سے روزہ اپنی ذات میں ساقط نہیں ہو جاتا بلکہ یہ تو محض اس بات کا بدلہ ہے کہ ان دنوں میں باقی مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس عبادت کو ادا نہیں کر سکتا یا اس بات کا شکرانہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ عبادت کرنے کی توفیق بخشی ہے کیونکہ روزہ رکھ کر جو فدیہ دیتا ہے وہ زیادہ ثواب کا مستحق ہوتا ہے کیونکہ روزہ رکھنے کی توفیق پانے پر خدا تعالیٰ کا شکرانہ ادا کرتا ہے اور جو روزہ رکھنے سے معذور ہو وہ اپنے اس عذر کی وجہ سے بطور کفارہ دیتا ہے۔

آگے یہ عذر دو قسم کے ہوتے ہیں عارضی اور مستقل۔ ان دونوں حالتوں میں فدیہ دینا چاہیئے۔ پھر جب عذر دُور ہو جائے تو روزہ بھی رکھنا چاہیئے۔ غرضیکہ خواہ کوئی فدیہ بھی دیدے لیکن سال دو سال تین سال جب بھی صحت اجازت دے اسے حسبِ استطاعت روزہ رکھنا ہوگا۔ سوائے اس صورت کے کہ پہلے مرض عارضی تھا اور صحت ہونے کے بعد وہ ارادہ کرتا رہا کہ آج رکھتا ہوں کل رکھتا ہوں کہ اسی دوران میں اس کی صحت مستقل طور پر خراب ہو گئی تو ایسی صورت میں فدیہ کفایت کرے گا۔"[1]

سوال :۔ فدیہ رمضان کس پر واجب ہے کیا بوڑھا۔ ضعیف۔ دائم المریض۔ حاملہ۔ مرضعہ وغیرہ جو آئندہ رمضان تک گنتی پوری کرنے کی توفیق نہ رکھتے ہوں صرف وہی فدیہ دیں یا وہ شخص بھی جو وقتی طور پر بیمار ہو کر چند روزے چھوڑ دینے پر مجبور ہو جاتا ہے اور رمضان کے بعد تندرست ہو کر گنتی پوری کرنے کی توقع رکھتا ہے اور توفیق پاتا ہے۔ نیز فدیہ کی مقدار کیا ہے؟

جواب :۔ عام ہدایت یہ ہے کہ انسان روزے بھی رکھے اور اگر استطاعت ہو تو فدیہ بھی دے۔ روزوں کا رکھنا فرض ہوگا اور فدیہ کا ادا کرنا سنت۔ باقی رمضان کے روزوں کا فدیہ اس شخص کے لئے ضروری نہیں جو وقتی طور پر بیمار ہونے کی وجہ سے چند روزے چھوڑ دینے پر مجبور ہو گیا ہو۔ سوائے اس کے

---

[1] : الفضل ۱۰ اگست ۱۹۴۵ء ؛

کہ وہ ان روزوں کی قضاء سے پہلے ہی اپنے مولیٰ کو پیارا ہو جائے۔ اس صورت میں اس کے ورثا پر لازم ہوگا کہ یا تو وہ اس کی طرف سے ان روزوں کا فدیہ ادا کریں یا اتنے روزے رکھیں جو اُس کے رہ گئے تھے۔

رمضان کے روزوں کا لازمی فدیہ صرف ایسے ذی استطاعت لوگوں کے لئے ہے جن کے متعلق یہ توقع نہ ہو کہ مستقبل قریب میں ان روزوں کی قضاء کر سکیں گے جیسے بوڑھا ضعیف ہے یا کوئی دائم المریض ہے یا حاملہ اور مرضعہ ہے۔

علامہ ابن رشد بدایۃ المجتہد میں لکھتے ہیں :۔

اَمَّا حُکْمُ الْمُسَافِرِ اِذَا اَفْطَرَ فَھُوَ الْقَضَاءُ بِاتِّفَاقٍ وَکَذٰلِکَ الْمَرِیْضُ لِقَوْلِہٖ تَعَالٰی "فَعِدَّۃٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ"۔ [1]

صاحب اوجز المسالک لکھتے ہیں :۔

"اَلْحَامِلُ وَالْمُرْضِعُ اِذَا اَفْطَرَتَا مَاذَا عَلَیْھِمَا وَھٰذِہِ الْمَسْئَلَۃُ لِلْعُلَمَاءِ فِیْھَا اَرْبَعَۃُ مَذَاھِبَ اَحَدُھَا اِنَّھُمَا یُطْعِمَانِ وَلَا قَضَاءَ عَلَیْھِمَا وَھُوَ مَرْوِیٌّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ"۔ [2]

"وَفِی الْحَدِیْثِ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ شَطْرَ الصَّلٰوۃِ وَعَنِ الْحَامِلِ وَالْمُرْضِعِ الصَّوْمَ"۔ [3]

فدیہ کی مقدار کیا ہے اس بارہ میں اصولی ہدایت یہ ہے کہ :۔

مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَھْلِیْکُمْ۔ [4]

پس اس اصول کو مدّنظر رکھا جائے۔ البتہ امام ابوحنیفہؒ نے اس کا اندازہ گندم کے لحاظ سے نصف صاع [5] یعنی پونے دو سیر کے قریب بیان کیا ہے۔ اور یہ ایک فوت شدہ روزہ کا فدیہ

---

[1] :۔ بدایۃ المجتہد جلد اوّل صفحہ ۲۰۵ ٭ [2] :۔ اَوجز المسالک شرح مؤطا مالک صفحہ ۲۷ جلد ۳، بدایۃ المجتہد صفحہ ۲۰۷ ٭

[3] :۔ ترمذی کتاب الصوم باب الرخصۃ فی الافطار للحبلی والمرضع صفحہ ۹۰ ٭ [4] :۔ المائدۃ آیت ۹۰ ٭

[5] :۔ صاع :۔ ناپنے کا پیمانہ جس کا حجم ۲،۷۵۱ لیٹر کے مساوی ہوتا ہے جو مساوی ہے ۲۷۵۱ مکعب سنٹی میٹر کے۔ اس حجم کے پیمانہ میں ۲۷۵۱ گرام پانی آتا ہے جو مساوی ہے ۲ سیر ۹ تولہ ۱۰ ماشہ ۴۸۳ء۱ رتی کے۔ لیکن اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی جو مقدار آتی وہ مساوی ہے ۲۱۷۳،۶۲۹ گرام = ۲ سیر ۲۶ تولہ ۳ ماشہ ۱ء۷ رتی۔ لہٰذا گیہوں کی مقدار کے اعتبار سے ایک صاع ۲۹،۲۱۷۳ گرام = ۲ سیر ۲۶ تولہ ۳ ماشہ ۱ء۷ رتی۔ نیز ایک صاع = ۵ ⅓ رطل۔ ایک دوسری تحقیق کے مطابق ایک صاع = ۲ سیر ۲۹ تولہ ۶ ماشہ۔ (اسلام کا نظامِ محاصل صفحہ ۹۰) ٭

ہوگا جو دوؔ وقت کے کھانے کے لئے کفایت کرے گا۔

یہ ضروری نہیں کہ فدیہ کسی ایسے غریب کو ہی دیا جائے جو روزہ نہ رکھتا ہو۔ اصل مقصد مستحق نادار کو کھانا کھلانا ہے خواہ وہ خود روزہ رکھ سکتا ہو یا کسی عذر کی بناء پر نہ رکھ سکتا ہو۔ اسی طرح فدیہ اُسی پر واجب ہے جو ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو ورنہ ایک غیر مستطیع کے لئے ندامت۔ توبہ۔ استغفار۔ دُعا۔ ذکرِ الٰہی اور خدمتِ دین کا استلزام کفایت کرے گا۔

دائمی مسافر اور مریض فدیہ دے سکتے ہیں

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے مؤرخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۰۷ء کو فرمایا :۔

"جن بیماروں اور مسافروں کو اُمید نہیں کہ کبھی پھر روزہ رکھنے کا موقع مل سکے مثلاً ایک بہت بوڑھا ضعیف انسان یا ایک کمزور حاملہ عورت جو دیکھتی ہے کہ بعد وضع حمل بسبب بچے کے دودھ پلانے کے وہ پھر معذور ہو جائے گی اور سال پھر اسی طرح گذر جائے گا۔ ایسے شخص کے واسطے جائز ہو سکتا ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں کیونکہ وہ روزہ رکھ ہی نہیں سکتے اور فدیہ دیں۔

فدیہ صرف شیخ فانی یا اُس جیسوں کے واسطے ہو سکتا ہے جو روزہ کی طاقت کبھی بھی نہیں رکھتے۔ باقی اور کسی کے واسطے جائز نہیں کہ صرف فدیہ دے کر روزے کے رکھنے سے معذور سمجھا جا سکے۔ عوام کے واسطے جو صحت پا کر روزہ رکھنے کے قابل ہو جاتے ہیں صرف فدیہ کا خیال کرنا اباحت کا دروازہ کھولنا ہے"۔ [1]

سوال :۔ روزے رکھنے کے لئے جسے بطور فدیہ پیسے دیتے ہیں اُسے پہلے سے کسی اور نے بھی فدیہ کے پیسے دے رکھے ہیں اصل حکم کیا ہے ؟

جواب :۔ یہ خیال غلط ہے کہ کسی کو پیسے دے کر روزے رکھوائے جائیں۔ اصل حکم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بوجہ معذوری روزے نہیں رکھ سکتا تو وہ ہر روزہ کے بدلہ کسی مسکین محتاج کو دوؔ وقت کا کھانا کھلائے یا اُس کھانے کی قیمت ادا کرے۔ جس مستحق کو فدیہ دیا گیا ہے اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اسکے بدلہ میں وہ اس کی طرف سے روزہ بھی رکھے اگر وہ نادار خود بیمار رہے ضعیف العمر ہے یا نابالغ ہے تو وہ روزہ نہیں رکھے گا۔ لیکن اس کے باوجود اپنی محتاجی کے پیشِ نظر فدیہ لینے کا مستحق ہوگا۔ البتہ جس مستحق کو فدیہ دیا گیا اگر وہ روزے رکھتا ہے تو یہ امر مزید ثواب

[1] :۔ فتاویٰ احمدیہ صفحہ ۱۸۳

کا موجب یقیناً ہے لیکن یہ شرط لازم نہیں کہ اس کے بغیر فدیہ ادا ہی نہ ہو۔

جان بُوجھ کر روزہ توڑ دینا

جو شخص جان بوجھ کر روزہ رکھ کر توڑ دے وہ سخت گنہگار ہے۔ ایسے شخص پر بغرض توبہ کفارہ واجب ہوگا۔ یعنی پے در پے اُسے ساٹھ روزے رکھنے پڑیں گے یا ساٹھ مسکینوں کو اپنی حیثیت کے مطابق کھانا کھلانا پڑے گا یا ہر مسکین کو دُو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ توبہ کے سلسلہ میں اصل چیز حقیقی ندامت ہے جو دل کی گہرائیوں میں پیدا ہوتی ہے اگر یہ کیفیت انسان کے اندر پیدا ہو جائے لیکن اس کو ساٹھ روزے رکھنے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کی استطاعت نہ ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کے رحم اور اس کے فضل پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔ اس صورت میں استغفار ہی اس کے لئے کافی ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور دُہائی دینے لگا۔ یا حضرتؐ میں ہلاک ہو گیا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ کس نے تجھے ہلاک کیا ہے؟

اس نے عرض کی کہ حضورؐ روزہ کی حالت میں مَیں اپنی بیوی کے پاس چلا گیا ہوں۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تو غلام آزاد کر سکتا ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر حضورؐ نے پوچھا ساٹھ روزے مسلسل رکھ سکتا ہے؟ اس نے عرض کی حضور نہیں اگر ایسا ہو سکتا اور شہوانی جوش روک سکتا تو یہ غلطی ہی سرزد کیوں ہوتی۔ حضورؐ نے فرمایا تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔ اُس نے کہا غربت ایسا کرنے سے مانع ہے۔ حضورؐ نے فرمایا تو پھر بیٹھو۔ اتنے میں کوئی شخص ایک ٹوکری کھجوروں کی لے آیا۔ آپ نے فرمایا اُٹھا لے۔ اور اسے مسکینوں کو کھلا دے۔ ٹوکری لے کر عرض کرنے لگا۔ مجھ سے زیادہ اور کون غریب ہوگا۔ مدینہ بھر میں سب سے زیادہ محتاج ہوں۔ حضورؐ اس کی اس لجاجت پر کھلکھلا کر ہنس پڑے اور فرمایا جاؤ اپنے اہل وعیال کو ہی کھلا دو۔

سوال :- ماہ رمضان میں ایک شخص جس کا روزہ نہیں اپنی ایسی بیوی سے ہمبستری کرتا ہے جس کا روزہ ہے اور وہ خاوند کو بتا بھی دیتی ہے۔ کیا حکم ہے؟

جواب :- بیوی کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ البتہ اگر وہ رضامند نہ تھی تو اس پر بطور سزا کوئی کفارہ نہیں ہاں وہ یہ روزہ دوبارہ رکھے گی اور اگر وہ بھی رضامند تھی تو وہ کفارہ ادا کرے ساٹھ روزے رکھے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور خاوند تو گنہگار ہے ہی اسے توبہ و استغفار اور آئندہ کے لئے اس حرکت سے اجتناب کا پختہ عہد کرنا چاہیئے۔ اور کفارہ بھی۔

سوال :۔ اگر کوئی شخص شدتِ پیاس کی وجہ سے روزہ توڑ دے تو کیا اس کو کفارہ ادا کرنا پڑیگا؟
جواب :۔ اگر کوئی شدت پیاس سے مجبور ہو کر روزہ توڑ دے تو اس کے لئے اس روزہ کی قضاء ضروری ہے۔ البتہ ایسی صورت میں کفارہ (فدیہ وغیرہ) ضروری نہیں ہوگا۔ کفارہ صرف ایسی صورت میں ضروری ہوتا ہے جب کہ انسان بغیر کسی عذر اور مجبوری کے جان بوجھ کر روزہ توڑ دے۔ ایسی حالت میں اس کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ اس غلطی کا کفارہ ادا کرے یعنی دو ۲ ماہ کے متواتر روزے رکھے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو پھر ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔
سوال :۔ خیال تھا کہ آج عید ہے۔ صبح آٹھ بجے ناشتہ کر کے عید گاہ گیا تو معلوم ہؤا کہ عید تو کل ہے۔ مَیں نے اسی وقت سے روزہ کی نیت کر لی اور پھر شام تک کچھ نہ کھایا۔ کیا میرا روزہ ہو گیا؟
جواب :۔ روزے کے لئے ضروری ہے کہ طلوع فجر سے لے کر غروب آفتاب تک کچھ نہ کھایا جائے اور نیت روزے کی ہو۔ چونکہ دن کے وقت یہ سمجھتے ہوئے کھانا کھا لیا گیا کہ آج روزہ نہیں اسلئے گناہ تو نہیں ہؤا لیکن روزہ بھی نہیں ہؤا اس لئے اس کی قضاء ضروری ہے۔
سوال :۔ کیا روزہ دار کے لئے ہر قسم کا ٹیکہ کروانا منع ہے۔ حکومت کی طرف سے جو ٹیکے لگوائے جاتے ہیں کیا روزہ دار وہ کروا سکتا ہے؟
جواب :۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ رعایت دی ہے کہ اگر کوئی شخص بیمار ہے تو وہ رمضان کے بعد تندرست ہونے پر روزے رکھے۔ تو ایسی کونسی مجبوری ہے کہ رمضان میں بیمار ہونے کے باوجود روزے رکھے جائیں۔ ٹیکہ لگوانے کی اسی لئے ضرورت پیش آتی ہے کہ ایک شخص بیمار ہے یا ڈاکٹر کے نزدیک بیماری کی روک تھام کے لئے ٹیکہ لگوانا ضروری ہے۔ یا حکومت بیماری کے انسداد کے لئے ٹیکہ لگوا رہی ہے اور بعد میں موقع نہیں ملے گا۔ ان تمام صورتوں میں روزہ افطار کرنے کی اجازت ہے۔ پس روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔
یوں مسئلہ کے طور پر جلدی ٹیکہ مثلاً چیچک کے ٹیکہ سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ انجکشن مثلاً INTERA MUSCULAR (انٹرا مسکولر) یا INTERAVENOUS (انٹراوینس) ٹیکہ سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ اِسی طرح انیما کرانے سے بھی روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

وہ امور جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا

الف :۔ مسواک خشک وتر۔ آنکھوں میں دوائی ڈالنے۔ خوشبو سونگھنے۔ بلغم حلق میں چلے جانے۔

گرد و غبار حلق میں پڑ جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ سرمہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا ارشاد ہے۔ دن کو لگانا مکروہ ہے[1]۔ حدیث میں بھی اسی طرح آیا ہے۔

اسی طرح پچھنے لگوانے۔ قے کرنے۔ معمولی آپریشن کروانے۔ خوشبو یا کلوروفارم سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ البتہ انہیں پسند نہیں کیا گیا۔ اس لئے اس قسم کی باتیں مکروہ ہیں۔ ان کے علاوہ کلی کرنا۔ ناک میں پانی ڈالنا۔ خوشبو لگانا۔ ڈاڑھی یا سر میں تیل لگانا۔ بار بار نہانا۔ آئینہ دیکھنا۔ مالش کرانا۔ پیار سے بوسہ لینا۔ اس میں سے کوئی فعل بھی منع نہیں نہ ان سے روزہ ٹوٹتا ہے۔ اور نہ ہی مکروہ ہوتا ہے۔ اسی طرح جنابت کی حالت میں اگر نہانا مشکل ہو تو نہائے بغیر کھانا کھا کر روزہ کی نیت کر سکتا ہے۔

سوال:۔ روزے کی حالت میں ٹوتھ پیسٹ استعمال کرنے یا زخم پر ٹنکچر آیوڈین لگانے کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ٹوتھ پیسٹ غیر پسندیدہ ہے البتہ سادہ برش کرنا۔ کلی کرنا جائز ہے۔ اسی طرح بیرونی اعضاء پر ٹنکچر کا استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سوال:۔ نسوار سے روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

جواب:۔ روزہ کی حالت میں نسوار ڈالنا مکروہ اور ناپسندیدہ ہے۔

روزہ کی حالت میں بھول کر کچھ کھا لینا

اگر یاد نہ رہے اور بھول کر انسان کچھ کھا پی لے تو اس کا روزہ علی حالہ باقی رہے گا۔ اور کسی قسم کا نقص اس کے روزے میں واقع نہیں ہوگا بلکہ ایسی صورت میں بہتر ہے کہ اگر کوئی بھول کر کھانے پینے لگ جائے تو پاس کے لوگ اسے یاد نہ دلائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے کھلا پلا رہا ہے پھر انہیں کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اس میں روک ثابت ہوں۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

"اِذَا اَكَلَ الصَّائِمُ نَاسِيًا اَوْشَرِبَ نَاسِيًا فَاِنَّمَا هُوَ رِزْقٌ سَاقَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ وَلَا قَضَاءَ عَلَيْهِ وَلَا كَفَّارَةَ"[2]

یعنی کوئی روزہ دار بھول کر کھا پی لے تو اُسے پریشان نہیں ہونا چاہیئے یہ تو رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے اُسے دیا نہ اُس پر قضاء ہے نہ کفارہ ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص غلطی سے روزہ توڑ بیٹھے مثلاً روزہ یاد تھا لیکن یہ سمجھ کر روزہ کھول لیا کہ سورج ڈوب گیا ہے بعد میں معلوم

---

[1]:۔ الفضل ۲۸ جولائی ۱۹۱۴ء ÷ [2]:۔ دار قطنی کتاب الصوم صفحہ ۲۳۷ باب الشھادۃ علی رویۃ الھلال، نیل الاوطار جلد ۴ صفحہ ۲۰۶ ÷

ہؤا کہ ابھی تو سورج غروب نہیں ہؤا تو ایسی صورت میں روزہ ٹوٹ جائے گا اور اس کی قضاء ضروری ہوگی۔ لیکن اس غلطی کی وجہ سے نہ وہ گنہگار ہے اور نہ اس پر کوئی کفارہ ہے۔

سوال:۔ کیا کسی حادثہ میں مریض کو خون دینے سے خون دینے والے روزہ دار کا روزہ ٹوٹ جائیگا؟

جواب:۔ صرف خون دینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ لیکن چونکہ ایسا کرنے سے کمزوری ہو جاتی ہے اسلئے روزہ کھول دینا چاہیئے۔ خون دینا چونکہ انسانی جان کی حفاظت کے لئے بعض اوقات ضروری ہے اور روزہ تو بعد میں بھی رکھنے کی اجازت ہے اور خدا تعالیٰ نے یہ رعایت دی ہے اس لئے خون دینا چاہیئے۔ اور جو شخص محض روزے کے عذر پر اس انسانی خدمت سے محروم ہوتا ہے وہ کوئی نیکی کا کام نہیں کرتا۔

سوال:۔ رمضان المبارک کے چھوٹے ہوئے روزے رمضان کے بعد مسلسل یا وقفہ کر کے رکھے جا سکتے ہیں؟

جواب:۔ اگر سفر یا بیماری کی وجہ سے رمضان کے روزے رہ گئے ہوں تو بعد میں انہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ مسلسل رکھے جائیں۔ وقفہ وقفہ کے بعد بھی رکھے جا سکتے ہیں خواہ ایک ایک کر کے رکھے۔

غیر معمولی علاقوں میں روزوں کے اوقات

مبلغ سکنڈے نیویا کو وکیل التبشیر صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ فتویٰ بھجوایا:۔

۱۔ "ایسے ملک کے لئے یہی حکم ہے کہ بارہ گھنٹے کا روزہ رکھیں۔ سورج کے نکلنے اور غروب ہونے کا انتظار نہ کریں۔ کھولنے اور سحری کے اوقات مقرر کریں۔ اسی طرح نماز کے۔ یہ وہ تشریح ہے جو خود رسول اللہ علیہ وسلم نے کی ہے۔" [1]

۲۔ "رمضان کے مہینے میں دنیا کے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی گوشہ میں رہتے ہوں ایک وقت میں روزے رکھنے کا حکم ہے۔ وہ صبح کو پو پھٹنے سے پہلے کھانا کھاتے ہیں اور پھر سارا دن سورج کے ڈوبنے تک نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں۔ سورج ڈوبنے کے بعد صبح تک ان کو کھانے پینے کی اجازت ہوتی ہے.....

یہ روزے تمام ایسے ممالک میں جہاں دن ۲۴ گھنٹے سے کم ہے اور جہاں رات اور

---

[1] ۱۔ بحوالہ ۲۹۶۰ مورخہ ۵۷/۸/۲۷ فائل دینی مسائل

دن ۲۴ گھنٹے کے اندر الگ الگ وقتوں میں ظاہر ہوتے ہیں - اس شکل میں ہے جو اُوپر بیان کی گئی ہے - لیکن جن ملکوں میں رات اور دن چوبیس گھنٹوں سے لمبے ہو جاتے ہیں ان علاقوں میں رہنے والوں کے لئے صرف وقت کا اندازہ کرنیکا حکم ہے[1]

اعتکاف

اعتکاف کے لغوی معنے کسی جگہ میں بند ہو جانے یا ٹھہرے رہنے کے ہیں - اسلامی اصطلاح میں اَللَّبْثُ فِي الْمَسْجِدِ مَعَ الصَّوْمِ وَنِيَّةِ الْاِعْتِكَافِ[2] یعنی عبادت کی نیّت سے روزہ رکھ کر مسجد میں ٹھہرنے کا نام اعتکاف ہے -

روزہ کی طرح اعتکاف کا بھی وجود دیگر مذاہب میں ملتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے :-

"وَعَهِدْنَا اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ"[3]

ہم نے ابراہیم اور اسماعیل کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ میرے گھر (خانہ کعبہ) کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک اور صاف رکھو -

اسی طرح حضرت مریم علیہا السلام کے متعلق آتا ہے :-

"وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا"[4]

یعنی حضرت مریمؑ کچھ عرصہ کے لئے اپنے رشتہ داروں کو چھوڑ کر عبادت کی خاطر ایک الگ تھلگ مقام کی طرف چلی گئیں تھیں جہاں انہیں ایک عظیم فرزند کی بشارت ملی تھی -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعثت سے قبل کے ایام میں دنیوی اشغال سے فارغ ہو کر غار حرا میں یادِ خداوندی میں مشغول رہنا بھی ایک رنگ کا اعتکاف ہی تھا - اعتکاف انسان جب چاہے اور جس دن چاہے بیٹھ سکتا ہے لیکن رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنا مسنون ہے -

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتکاف کے بارے میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ :-

كَانَ يَعْتَكِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ حَتّٰى تَوَفَّاهُ اللّٰهُ ثُمَّ اعْتَكَفَ

---

[1] :- دیباچہ تفسیر القرآن ص۵۵ ؛ [2] :- ھدایہ باب الاعتکاف ؛ [3] :- سورۃ البقرہ : ۱۲۶ ؛ [4] :- سورۃ مریم : ۱۷،۱۸ ؛

اَزْوَاجُهٗ مِنْ بَعْدِہٖ"۔ [1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی وفات تک یہ معمول رہا کہ آپ رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھا کرتے تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کی ازواج مطہرات بھی اس سنّت کی پیروی کرتی رہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ القدر کی تلاش کرنے والوں کو رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپؐ کا ارشاد ہے:۔

قِيْلَ لِيْ اَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ يَّعْتَكِفَ فَلْيَعْتَكِفْ ۔ فَاعْتَكَفَ النَّاسُ مَعَهٗ ۔ [2]

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے بتایا گیا ہے کہ لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہے۔ تم میں سے جو شخص اعتکاف بیٹھنا چاہے وہ اس عشرہ میں بیٹھے۔ چنانچہ صحابہؓ آپ کے ساتھ اس آخری عشرہ میں اعتکاف بیٹھتے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔

"اِعْتَكَفْنَا مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ قَالَ فَخَرَجْنَا صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ قَالَ فَخَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم صَبِيْحَةَ عِشْرِيْنَ فَقَالَ اِنِّيْ رَاَيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ وَاِنِّيْ نُسِّيْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِي الْوِتْرِ۔ فَاِنِّيْ رَاَيْتُ اَنِّيْ اَسجد فی ماءٍ وطین .... الخ [3]

یعنی ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف بیٹھے۔ ۲۰ رمضان کی صبح کو ہم اعتکاف سے باہر نکل آئے اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ارشاد فرمایا کہ میں نے خواب میں لیلۃ القدر دیکھی لیکن مجھے وہ دن یاد نہیں رہا۔ البتہ اس قدر یاد ہے کہ میں اس رات پانی اور کیچڑ میں سجدہ کر رہا ہوں (یعنی اس رات بارش ہوگی) سو تم آخری عشرہ کی تاک راتوں میں لیلۃ القدر کو تلاش کرو۔

---

[1]: بخاری صـ۲۷۱ و مسلم کتاب الاعتکاف باب اعتکاف العشر الاواخر الخ صـ۳۷۱ ؛ [2]: مسلم باب فضل لیلۃ القدر صـ۳۶۹ ؛ [3]: بخاری باب الاعتکاف صـ۲۷۱ ، مسلم فضل لیلۃ القدر والحث علی طلبہا الخ صـ۳۶۹ ؛

اعتکاف کے لئے کوئی میعاد مقرر نہیں۔ یہ بیٹھنے والے کی مرضی پر منحصر ہے جتنے دن بیٹھنا چاہے بیٹھے۔ [1]

تاہم مسنون اعتکاف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرز عمل سے ثابت ہے یہ ہے کہ کم از کم اعتکاف دس دن کا ہو۔ حدیث میں ہے:-

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ عَشَرَةَ أَيَّامٍ فَلَمَّا كَانَ الْعَامُ الَّذِي قُبِضَ فِيْهِ اِعْتَكَفَ عِشْرِيْنَ۔ [2]

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ماہ رمضان میں دس دن اعتکاف بیٹھا کرتے تھے البتہ جس سال آپؐ کی وفات ہوئی اس سال آپؐ بیس دن کا اعتکاف بیٹھے۔

اعتکاف بیس رمضان کی نماز فجر سے شروع کرنا چاہیئے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں واضح طور پر موجود ہے کہ آپ دس دن کا اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور دس دن اسی صورت میں مکمل ہوتے ہیں جبکہ ۲۰ رمضان کی صبح کو اعتکاف بیٹھا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز فجر کے بعد اپنے معتکف میں قیام پذیر ہو جاتے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے:-

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَعْتَكِفُ فِي كُلِّ رَمَضَانَ فَإِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ حَلَّ مَكَانَهُ الَّذِي اعْتَكَفَ فِيْهِ۔ [3]

ایک روایت میں ہے کہ:-

"إِذَا أَرَادَ أَنْ يَعْتَكِفَ صَلَّى الْفَجْرَ ثُمَّ دَخَلَ مُعْتَكَفَهُ"۔ [4]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف کا ارادہ فرماتے تو نماز فجر ادا کرنے کے بعد اپنے معتکف میں جو اس غرض کے لئے تیار کیا جاتا چلے جایا کرتے تھے۔

اعتکاف کے لئے موزوں اور مناسب جگہ جامع مسجد ہے جیسا کہ قرآن میں ذکر ہے:-

"وَأَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ" [5]

کیونکہ مساجد ہی اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبادت کے لئے مخصوص ہیں اور احادیث میں مسجد میں ہی

---

[1]:- ہدایہ ص۱۹۰ فقہ مذاہب اربعہ ص۹۲ اردو ؛ [2]:- بخاری باب الاعتکاف فی العشر ص۲۷۴ ؛
[3]:- بخاری باب الاعتکاف فی شوال ص۲۷۳ ؛ [4] مسلم باب متی یدخل من اراد الاعتکاف ص۹۷ ؛ [5]:- بقرہ ۱۸۸ ؛

اعتکاف بیٹھنے کی تاکید ہے۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں:۔

"لَا اِعْتِکَافَ اِلَّا فِیْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ" ۱؎

گو مجبوری کی بناء پر مسجد کے باہر بھی اعتکاف ہو سکتا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"مسجد کے باہر اعتکاف ہو سکتا ہے۔ مگر مسجد والا ثواب نہیں مل سکتا" ۲؎

عورت بھی مسجد میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے لیکن گھر میں نماز کے لئے ایک الگ جگہ مخصوص کر کے وہاں اعتکاف بیٹھنا اس کے لئے زیادہ بہتر ہے۔ ہدایہ میں ہے:۔

"اَمَّا الْمَرْاَۃُ تَعْتَکِفُ فِیْ مَسْجِدِ بَیْتِھَا" ۳؎

معتکف کے لئے حوائج ضروریہ کے علاوہ کسی اور وجہ سے مسجد سے باہر نکلنا جائز نہیں یہاں تک کہ عام نہانے اور بال کٹوانے کے لئے بھی مسجد سے باہر نہیں آنا چاہیئے۔ البتہ ضروری امور مثلاً وضوء، غسل جنابت کے لئے مسجد سے نکلنا جائز ہی نہیں بلکہ ضروری ہے۔

اعتکاف کے دوران اگر عورت کو ماہواری ہو جائے تو وہ اعتکاف ترک کر دے۔ اس حالت میں اس کا مسجد میں رہنا درست نہیں ہوگا۔

معتکف ذکر الٰہی اور عبادت میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرے۔ فضول باتوں میں وقت ضائع کرنا درست نہیں اور نہ بالکل خاموش رہنا درست ہے کیونکہ اسلام میں "چپ" کا روزہ نہیں ہے۔

"وَلَا یَتَکَلَّمُ اِلَّا بِخَیْرٍ وَیُکْرَہُ لَہُ الصَّمْتُ لِاَنَّ صَوْمَ الصَّمْتِ لَیْسَ بِقُرْبَۃٍ" ۴؎

اعتکاف کی اہمیت

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معتکف کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا:۔

اخرج البیہقی عن عطاء الخراسانی قال ان مثل المعتکف مثل المحرم

۱؎: ابوداؤد کتاب الاعتکاف باب المعتکف یعود المریض صفحہ ۳۳۵ ج ۱۔ ۲؎: الفضل ۲ مارچ ۱۹۶۲ء۔
۳؎: ہدایہ باب الاعتکاف صفحہ ۱۹۱ ج ۱۔ ۴؎: ہدایہ باب الاعتکاف صفحہ ۱۹۲ ج ۱۔

القی نفسہ بین یدی الرحمٰن فقال واللہ لا ابرح حتی ترحمنی[1]

یعنی معتکف کلّی طور پر اپنے آپ کو خُدا کے حضور میں ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اے خُدا مجھے تیری ہی قسم میں یہاں سے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ تُو مجھ پر رحم فرمائے۔

نیز فرمایا:۔

مَنِ اعْتَكَفَ يَوْمًا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ جَعَلَ اللهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّارِ ثَلَاثَ خَنَادِقَ اَبْعَدُ مِمَّا بَيْنَ الْخَافِقَيْنِ[2]

یعنی۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ایک دن اعتکاف بیٹھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین ایسی خندقیں بنا دے گا جن کے درمیان مشرق و مغرب کے مابین فاصلہ سے بھی زیادہ فاصلہ ہوگا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي الْمُعْتَكِفِ هُوَ يَعْتَكِفُ عَنِ الذُّنُوْبِ وَيُجْرِیْ لَهُ مِنَ الْحَسَنَاتِ كَعَامِلِ الْحَسَنَاتِ كُلِّهَا[3]

یعنی۔ رسُول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کرنے والے کے متعلق فرمایا کہ معتکف اعتکاف کی وجہ سے جملہ گناہوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اُسے ان نیکیوں کا بدلہ جو اس نے اعتکاف سے پہلے بجالائی تھیں اسی طرح اجر ملتا رہتا ہے جیسا کہ وہ اب بھی انہیں بجالا رہا ہے۔

فتاویٰ

سوال:۔ کیا یہ جائز ہے کہ جامع مسجد کے سوا کسی قریبی مسجد میں اعتکاف بیٹھا جائے؟

جواب:۔ صحتِ اعتکاف کے لئے ضروری شرط ایسی مسجد ہے جس میں باجماعت نماز ہوتی ہے۔ ابوداؤد کی حدیث ہے کہ:۔

لَا اعْتِكَافَ اِلَّا فِیْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ "[4]

---

[1]:۔ درمنثور صفحہ ۲۰۲ جلد اوّل زیر آیت وانتم عاکفون فی المساجد ⁂ [2]:۔ درمنثور صفحہ ۲۰۲ جلد اوّل بحوالہ طبرانی اوسط و بیہقی

[3]:۔ ابن ماجہ کتاب الاعتکاف باب ثواب الاعتکاف صفحہ ۱۲۷ ⁂ [4]:۔ ابوداؤد المعتکف یعود المریض صفحہ ۳۳۵ ⁂

یعنی اعتکاف ایسی مسجد میں ہو سکتا ہے جس میں باجماعت نماز ہوتی ہو۔ قریباً سارے ائمہ اس رائے پر متفق ہیں۔ [1]

سوال :۔ کیا ایسی جگہ جہاں مسجد نہ ہو گھر میں اعتکاف بیٹھا جا سکتا ہے؟

جواب :۔ جب باقاعدہ عام مسجد میسّر نہ آئے مثلاً کہیں اکیلا احمدی رہتا ہے یا مقامی جماعت کے افراد کسی دوست کے گھر میں نماز ادا کرتے ہیں تو ایسی صورت میں اپنے گھر میں ایسی جگہ جو نماز کے لئے عام طور پر مخصوص کر لی گئی ہو اعتکاف بیٹھ سکتے ہیں۔ مجبوری کے حالات کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور وہ بندے کی نیّت کے مطابق اعمال کا ثواب دیتا ہے۔

سوال :۔ کیا عورت گھر میں خلوت والی جگہ میں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے؟

جواب :۔ اگر کسی جگہ مسجد نہیں یا مسجد میں عورت کے لئے رہائش کا معقول انتظام نہیں تو عورت گھر میں ایک خاص جگہ مقرر کر کے وہاں اعتکاف بیٹھ سکتی ہے۔

ہر احمدی گھرانے میں جہاں تک ممکن ہو سکے ایک ایسی جگہ ہونی چاہیئے جو مسجد البیت (گھر کی مسجد) کے طور پر ہو۔ گھر کی عورتیں وہاں نماز پڑھیں اور مرد سنتیں اور نوافل وغیرہ ادا کریں اور مشکلات کے موقع پر وہاں خلوت گزیں ہو کر دعائیں کی جائیں۔ یہ طرزِ عمل بڑی برکات کا موجب ہے اور صحابہ کا اکثر اس کے مطابق عمل تھا۔

سوال :۔ کیا بوڑھے آدمی کے لئے جس کے لئے روزہ رکھنا مشکل ہے بغیر روزے کے مسجد میں اعتکاف بیٹھنا جائز ہے؟

جواب :۔ عام حالات میں اعتکاف کے لئے روزہ ضروری شرط ہے۔ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ روزہ کے بغیر اعتکاف درست نہیں۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں :۔ "لا اعتکاف الا بصوم"۔ [2]
آیت کریمہ "ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ولا تباشروهن وانتم عاكفون فى المساجد" [3]۔ کا اندازِ بیان بھی اسی مسلک کی تائید کرتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ تصریح کہیں نہیں ملتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا آپؐ کے صحابہؓ کبھی روزہ کے بغیر اعتکاف بیٹھے ہوں۔ صحابہؓ میں سے حضرت ابن عباسؓ۔ حضرت ابن عمرؓ اور ائمہ میں سے امام مالکؒ۔ امام ابو حنیفہؒ۔ امام اوزاعیؒ کا یہی مسلک ہے اور سلسلہ احمدیہ کے بزرگان کی بھی یہی رائے ہے اس کے برعکس حسن بصریؒ۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ اعتکاف کے لئے روزہ کو شرط نہیں مانتے۔ یہ بزرگ اپنی رائے کی تائید میں یہ روایت پیش کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ میں نے

---

[1] :۔ نیل الاوطار ص۲۶۷ ج۴ ؛ [2] :۔ ابوداؤد کتاب الاعتکاف باب المعتکف یعود المریض ص۳۳۵ ؛
[3] :۔ البقرۃ: ۱۸۸ ؛

ایک رات کے اعتکاف کی نذر مانی تھی کیا میں نذر پوری کروں۔ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک رات اعتکاف میں گذاری [۱]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ اعتکاف کے لئے روزہ ضروری نہیں کیونکہ رات کو روزہ نہیں رکھتے۔ اسی بناء پر ان ائمہ کے نزدیک دو گھڑی بھی اعتکاف جائز ہے۔ [۲]

سوال :۔ اعتکاف کے دوران کیا انسان رات کو مسجد میں چار پائی بچھا کر سو سکتا ہے؟

جواب :۔ اعتکاف کے دنوں میں ضرورت پڑنے پر مسجد کے کسی کونے میں یا کسی اور مناسب جگہ میں چارپائی بچھا کر سونا جائز ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ بشرطیکہ ایسا کرنے سے مسجد میں نماز پڑھنے والوں کو کوئی دقت پیش نہ آئے۔ حدیث میں آتا ہے :۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اعْتَكَفَ طُرِحَ لَهُ فِرَاشُهُ وَيُوْضَعُ لَهُ سَرِيْرُهُ وَرَاءَ اُسْطُوَانَةِ التَّوْبَةِ" [۳]

یعنی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف شروع فرماتے تو آپ کے لئے بستر بچھایا جاتا اور ایک ایسے ستون کی اوٹ میں آپ کی چار پائی بچھائی جاتی جس کا نام توبہ کا ستون تھا۔ (ایک مشہور واقعہ کی وجہ سے اس ستون کا نام استوانہ پڑ گیا تھا)۔

سوال :۔ حدیث میں آتا ہے کہ معتکف حوائج ضروریہ کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے۔ حوائج ضروریہ سے کیا مراد ہے؟

جواب :۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں :۔

"كَانَ لَا يَدْخُلُ الْبَيْتَ إِلَّا لِحَاجَةِ الْإِنْسَانِ إِذَا كَانَ مُعْتَكِفًا" [۵]

یعنی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف کی حالت میں سوائے انسانی حاجت کے گھر میں نہیں آتے تھے

انسانی حاجت سے مراد کیا ہے۔ اس کا ایک مفہوم بیت الخلاء جانا ہے اس مفہوم پر تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ ایسی ضرورت ہے جس کے لئے مسجد سے باہر آنا ضروری ہے۔

---

[۱] :۔ بخاری کتاب الاعتکاف باب اذا نذر فی الجاھلیۃ ص۲۷۲، ابوداؤد ص۳۳۵ ؛ [۲] :۔ نیل الاوطار ص۲۷۸ ج۴ ؛

[۳] :۔ ابن ماجہ کتاب الاعتکاف باب فی المعتکف یلزم مکانا من المسجد ص۱۲۷، نیل الاوطار ص۲۶۶ ج۴ ؛

[۴] :۔ حاشیہ ابن ماجہ حاشیہ ص۱۲۷ ؛ [۵] :۔ مسلم کتاب الطہارۃ باب جواز غسل الحائض رأس زوجھا الخ ص۱۱۱ ج۱ ؛

اسی طرح اگر محلہ کی مسجد میں اعتکاف بیٹھا ہے تو جمعہ پڑھنے کے لئے جامع مسجد جانے کی بھی اجازت ہے اور اسے بھی حاجت انسانی سمجھا گیا ہے۔ ان کے علاوہ باقی ضروریات مثلاً درس القرآن یا اجتماعی دُعا میں شامل ہونے۔ بال کٹوانے۔ کھانا کھانے[1] نماز جنازہ پڑھنے۔ کسی عزیز کی بیمار پرسی کرنے یا کسی کی متابعت کے لئے باہر آنے کی اجازت میں اختلاف ہے۔ اکثر ان اغراض کے لئے مسجد سے باہر آنے کو جائز نہیں سمجھتے اور اعتکاف کی روح بھی اس امر کی مقتضی ہے کہ ان ثانوی اغراض کے لئے معتکف مسجد سے باہر نہ آئے بلکہ کلّی انقطاع کی کیفیت اپنے اُوپر وارد کرنے کی کوشش کرے اور اس قسم کی ترغیبات اور خواہشات کی قربانی دینے کا اپنے آپ کو عادی بنائے۔

سوال:۔ اعتکاف سے متعلق مشہور ہے کہ شاذ و نادر حالات کے سوا معتکف مسجد سے باہر نہ جائے۔ شاذ و نادر حالات کی مثال قضائے حاجت کے لئے باہر جانا ہے یا عدالت میں کسی ضروری شہادت کی غرض سے جس میں التواء کی صورت نقصان دہ ہو۔ یا بعض نے جنازہ کے لئے بھی اجازت دی ہے یہ پابندی نہ ہو تو اعتکاف کی غرض و غایت مفقود ہو جاتی ہے لیکن بعض بزرگ ان پابندیوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ اور بعض تو دفتر میں جاکر اپنا دفتری کام بھی کر لیتے ہیں۔ صحیح صورت حال کی وضاحت کی جائے؟

جواب:۔ کُلّی انقطاع اعتکاف کا اعلیٰ درجہ ہے۔ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ سنّت یعنی آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کی متابعت یہ ہے کہ معتکف مسجد سے باہر نہ نکلے نہ بیمار کی عیادت کے لئے اور نہ ہی جنازہ میں شامل ہونے کے لئے۔ ہاں حوائج ضروریہ کے لئے باہر جا سکتا ہے اور حوائج ضروریہ سے مراد بیت الخلاء جانا ہے۔[2]

تاہم بعض فقہاء نے کہا ہے کہ حوائج ضروریہ میں کچھ وسعت ہے بعض اور ضرورتوں کے لئے بھی معتکف مسجد سے باہر جا سکتا ہے۔ خاص طور پر ضروری شہادت کے لئے جانے کی اہمیت مسلم ہے۔ کیونکہ

ا:۔ ممانعت کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی صریح ارشاد موجود نہیں۔

---

[1]:۔ سوائے اس کے کہ مجبوری ہو مثلاً گھر سے کھانا لانے والا کوئی نہ ہو۔

[2]:۔ ابوداؤد کتاب الصیام باب المعتکف یعود المریض صفحہ ۳۳۵۔

ب :۔ اعتکاف کا لغوی مفہوم صرف یہ ظاہر کرتا ہے کہ انسان عبادت کی نیت سے مسجد میں کچھ عرصہ کے لئے بیٹھ رہے۔

ج :۔ بعض روایات سے بھی اشارۃً اس کی تائید ہوتی ہے کہ انسان کسی اور ضرورت کے پیشِ نظر بھی مسجد سے باہر جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک بار حضرت صفیہؓ رات کو آپؐ سے ملنے گئیں اور دیر تک باتیں کرتی رہیں اور جب واپس ہوئیں تو آپؐ انہیں گھر تک پہنچانے آئے۔ حالانکہ گھر مسجد سے کافی دُور تھا۔[1]

د :۔ جس امر کے جائز ہونے کا ائمہ میں سے کوئی امام قائل ہو اس کے متعلق اصول یہ ہے کہ ضرورت اور مجبوری کے حالات میں اسے اختیار کرنے کا عمل روحانی ترقی اور ثواب کے حصول کے منافی نہیں۔ سابقہ ائمہ میں سے جو لوگ اس قسم کے استثناء اور ضرورت کے لئے مسجد سے باہر آنے کے جواز کے قائل ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں:۔

حضرت علیؓ۔ سعید بن جبیرؒ۔ قتادہ ابراہیم نخعی۔ حسن بصری اور امام احمد۔[2]

پس جو لوگ اپنے بعض ضروری کاموں کی وجہ سے اعلیٰ درجہ کا عین سنّت کے مطابق اعتکاف نہیں بیٹھ سکتے وہ ان دلائل کے پیشِ نظر دوسرے درجہ کے اس اعتکاف میں شامل ہو سکتے ہیں تاکہ ثواب سے وہ بکلّی محروم نہ رہیں۔ ایسی صورت میں وہ اعتکاف کی نیّت کرتے وقت اپنے بعض ضروری کاموں کے لئے مسجد سے باہر جانے کے استثناء کی نیّت کر سکتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان ارشادات کا تعلق بھی غالباً اسی دوسرے درجہ کے اعتکاف سے ہے جن میں بعض دوسری ضروریات کے لئے مسجد سے باہر جانے کی اجازت کا ذکر ہے۔

سوال :۔ کیا اعتکاف کی صورت میں کالج میں درس و تدریس کے لئے جانا جائز ہے؟

جواب :۔ بعض باتیں ایسی ہوتی ہیں کہ انسان کو ان کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہوتا ہے لیکن اگر ان کو کیا جائے تو پھر ضروری شرائط کے ساتھ ان کی بجاآوری مشروط ہے۔ اعتکاف کا بھی یہی حال ہے۔ آپ چاہیں تو اعتکاف بیٹھیں اور چاہیں تو اپنے حالات کے پیشِ نظر ترک کریں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ مسنون اعتکاف کی نیت سے اعتکاف بھی بیٹھیں اور پھر اپنی مرضی کو بھی اس میں دخل انداز ہونے دیں۔

اعتکاف کے لغوی معنے یہ ہیں کہ انسان ثواب اور عبادت سمجھ کر کچھ دیر کے لئے مسجد

---

[1] :۔ ابوداؤد باب المعتکف یدخل البیت لحاجۃ صفحہ ۳۳۵، بخاری صفحہ ۲۷۲۔ [2] :۔ اوجز المسالک صفحہ ۱۱۳۔

میں مقیم رہے اس لئے عبادت کی نیّت سے چند منٹ کا قیام بھی اعتکاف ہوگا لیکن مسنون اعتکاف جو رمضان کے آخری عشرہ میں اختیار کیا جاتا ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ ضروری یا طبعی حوائج کے علاوہ باقی کسی وجہ سے بھی مسجد سے باہر نہ نکلے اور ضروری حوائج میں کالج آکر سبق سننا شامل نہیں۔ حدیث میں آتا ہے:۔

اَلسُّنَّةُ عَلَى الْمُعْتَكِفِ اَنْ لَّا يَعُوْدَ مَرِيْضًا وَلَا يَشْهَدَ جَنَازَةً وَلَا يَمُسَّ اِمْرَأَةً وَلَا يُبَاشِرَهَا وَلَا يَخْرُجَ لِحَاجَةٍ اِلَّا لَابُدَّ مِنْهُ۔ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا بِصَوْمٍ وَلَا اِعْتِكَافَ اِلَّا فِيْ مَسْجِدٍ جَامِعٍ۔[1]

اسی طرح حضرت عائشہ فرماتی ہیں:۔

"اِنْ كُنْتُ لَاَدْخُلُ الْبَيْتَ لِلْحَاجَةِ وَالْمَرِيْضُ فِيْهِ فَمَا اَسْاَلُ عَنْهُ اِلَّا وَاَنَا مَارَّةٌ"۔[2]

یعنی معتکف کے لئے مسنون یہ ہے کہ وہ مریض کی عیادت کے لئے نہ جائے۔ جنازہ میں شامل نہ ہو۔ اپنی بیوی کے پاس نہ جائے۔ مسجد سے انسانی حوائج پیشاب۔ قضائے حاجت وغیرہ کے سوا باہر نہ جائے۔ اعتکاف کیلئے روزہ ضروری ہے۔ اسی طرح اعتکاف ایسی مسجد میں بیٹھنا چاہیئے جہاں نماز باجماعت ہوتی ہو۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ جب بھی میں قضائے حاجت کے لئے گھر آتی اور گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو چلتے چلتے اس کی طبیعت پوچھ لیتی۔ (ٹھہرنے کو روا نہیں سمجھتی)

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے عیادت مریض کے جواز کے بارہ میں جو لکھا ہے اس کا بھی غالباً یہی مطلب ہے کہ ایسے رنگ میں عیادت جائز ہے۔

سوال:۔ اعتکاف کا مسنون طریقہ کیا ہے؟

جواب:۔ مسنون اعتکاف وہی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق کے مطابق ہو اور جو حدیثوں سے ثابت ہے اور وہ یہ ہے کہ رمضان کا آخری عشرہ آپؐ مسجد میں روزہ سے گزارتے اور حوائج ضروریہ کے علاوہ باقی کسی ضرورت سے مسجد سے باہر نہ آتے۔

---

[1] :۔ ابوداؤد کتاب الاعتکاف باب المعتکف یعود المریض ص۳۳۵؁

[2] :۔ ابن ماجہ کتاب الصوم باب فی المعتکف یعود المریض۔ الخ ص۱۲۷؁

یہ مکمل اور سنت کے مطابق اعتکاف ہے۔ لیکن اگر کوئی اس کے لئے اپنے حالات کے اعتبار سے گنجائش نہ پائے تو اس میں کمیاں کی جا سکتی ہیں۔ مثلاً اگر کوئی پورا عشرہ نہ بیٹھ سکے تو وہ حسب گنجائش ۹ دن۔ ۸ دن۔ ۷ دن اور اس سے بھی کم دن اعتکاف بیٹھ لے تو اللہ تعالیٰ کے حضور سے ایسا کرنے والا ثواب کا مستحق ہوگا۔ اسی طرح اگر کوئی روزہ نہیں رکھ سکتا تو اپنا وقت مسجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف کر کے اپنی کوشش کے مطابق اعتکاف کا ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو پورا سالم دن اعتکاف کے لئے نہیں بیٹھ سکتے تو انہیں جتنی گھڑیاں مسجد میں عبادت میں میسّر آ سکتی ہیں یہ ان کی سعادت کا موجب ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

ائمہ سلف نے ان حالات میں ایسی رعایتوں کی تصریح کی ہے اور اعتکاف کے جذبہ کو قوی رکھنے کے لئے حوصلہ افزائی کے پہلو کو ترجیح دی ہے۔

سوال :۔ کیا حوائج ضروریہ کے لئے اگر قریب انتظام نہ ہو تو معتکف دُور بھی جا سکتا ہے؟

جواب :۔ حوائج ضروریہ کے لئے اگر قریب انتظام نہیں تو دور فاصلہ پر جا سکتے ہیں۔ لیکن فراغت کے بعد فوراً مسجد میں واپس آجائیں۔

سوال :۔ کیا معتکف جماعتی میٹنگ یا جماعتی کاموں کے لئے مسجد سے باہر جا سکتا ہے؟

جواب :۔ جہاں تک ممکن ہو حوائج ضروریہ کے علاوہ کسی اور کام کے لئے مسجد سے باہر نہ جائے ورنہ مسنون اعتکاف ادا نہیں ہوگا۔ ہاں وقتی اعتکاف یعنی مسجد کی عبادت کا ثواب میسّر آ سکتا ہے۔

سوال :۔ کیا کھانا کھانے کے لئے معتکف گھر جا سکتا ہے یا بازار سے کھانا لا سکتا ہے؟

جواب :۔ اگر کھانا لانے کا کوئی انتظام بسہولت نہ ہو سکے تو گھر سے کھانا لایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بازار سے بھی۔

سوال :۔ اگر مسجد میں غسل کا انتظام نہ ہو تو کیا غسل کے لئے گھر جا سکتے ہیں؟

جواب :۔ اگر پہلے سے بطور نیت غسل کو حوائج ضروریہ میں شامل کر لیا جائے تو اس کے لئے گھر جا سکتا ہے۔ وضو اور ضروری غسل تو پہلے ہی حوائج ضروریہ میں شامل ہے۔ اس مقصد کے لئے مسجد سے باہر آ سکتا ہے۔

سوال :۔ کیا اعتکاف کی حالت میں مسجد میں بیٹھ کر حجامت بنوانا اور بال کٹوانا درست ہے۔ کیا

اس سے آداب مسجد میں کوئی حرج تو لازم نہیں آتا؟

جواب :۔ اعتکاف کی حالت میں بال کٹوانے اور حجامت بنوانے میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ مسجد کے اندر اسے ناپسند کیا گیا ہے کیونکہ یہ امر مسجد کے احترام اور اس کے آداب کے خلاف ہے۔ اکثر علماءِ امّت کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ مؤطا امام مالک کی شرح اوجز المسالک میں لکھا ہے :۔

وَيُكْرَهُ حَلْقُ الرَّأْسِ فِيْهِ مُطْلَقًا اَيْ مُعْتَكِفًا كَانَ اَوْ غَيْرَ مُعْتَكِفٍ .... وَذٰلِكَ لِحُرْمَةِ الْمَسْجِدِ۔ [1]

یعنی مسجد میں بال کٹوانا ناپسندیدہ ہے۔ یہ ممانعت مسجد کے احترام کے پیش نظر ہے۔ اعتکاف کی وجہ سے نہیں۔ کیونکہ حجامت بنوانا منافیٔ اعتکاف نہیں۔

روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حالت اعتکاف میں جب بالوں میں کنگھی کرنا ہوتی تو آپؐ اپنا سر مسجد سے باہر کر دیتے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جو اپنے حجرہ میں ہوتیں آپؐ کو کنگھی کر دیتیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں ایک سوال پیش ہوا کہ معتکف اپنے دنیوی کاروبار کے متعلق بات کر سکتا ہے یا نہیں تو آپ نے فرمایا :۔

" سخت ضرورت کے سبب کر سکتا ہے اور بیمار کی عیادت کے لئے اور حوائج ضروریہ کے واسطے باہر جا سکتا ہے " [2]

صاحب ھدایہ لکھتے ہیں :۔

" لَا بَأْسَ بِاَنْ يَّبِيْعَ وَ يَبْتَاعَ فِي الْمَسْجِدِ مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّحْضِرَ السِّلْعَةَ " [3]

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :۔

" اعتکاف بیسویں کی صبح کو بیٹھتے ہیں۔ کبھی دس دن ہو جاتے ہیں اور کبھی گیارہ .... ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کو قبولیت دُعا کا وقت بتلانے کے لئے باہر نکلے تھے مگر اس وقت دو آدمی آپس میں لڑتے ہوئے آپؐ نے

---

[1] اوجز المسالک صفحہ ۳۰۱/۲ ؛ [2] بدر ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء ؛ [3] ھدایہ صفحہ ۱۹۱ جلد اوّل ؛

دیکھے تو فرمایا کہ تم کو دیکھ کر مجھے وہ وقت بھول گیا ہے مگر اتنا فرما دیا کہ ماہِ رمضان کی آخری دس راتوں میں یہ وقت ہے۔ صوفیاء نے لکھا ہے کہ ان راتوں کے علاوہ بھی یہ وقت آتا ہے مگر رمضان کی آخری راتوں میں قبولیت دُعا کا خاص وقت ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے تجربہ کی بناء پر فرمایا کہ ستائیسویں ۲۷ کی رات کو یہ وقت ہوتا ہے"۔ [1]

---

[1] :۔ الفضل ۳ر نومبر ۱۹۱۴ء

حج

اُس کی اہمیّت اُسکا فلسفہ اور اُس کے احکام

خانہ کعبہ جسے بیت اللہ بھی کہتے ہیں اس کی زیارت کی نیّت سے مکہ جانا حج کہلاتا ہے۔ اس "زیارت" کی کئی شرائط ہیں جن کا تفصیلی ذکر بعد میں آئے گا۔ اس وقت قرآن کریم کی اُن آیات کو پیش کرنا مدنظر ہے جن میں حج کی تاریخی حیثیت اور اس کے احکام کا علی الاجمال ذکر آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں بیت اللہ کی عظمت اور اس کی تاریخی اہمیت کے سلسلہ میں فرماتا ہے:۔

۱۔ اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ط [۱]

یعنی سب سے پہلا گھر جو تمام لوگوں کے فائدہ کیلئے بنایا گیا تھا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ وہ تمام جہانوں کے لئے برکت والا مقام اور موجب ھدایت ہے۔ اس میں کئی روشن نشانات ہیں وہ ابراہیم کی قیام گاہ ہے اور جو اس میں داخل ہو وہ امن میں آجاتا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں بیت اللہ کی تعمیرِ ثانی کے سلسلہ میں فرمایا:۔

۲۔ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ص وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ج اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ [۲]

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ابراہیم اس گھر کی بنیادیں اُٹھا رہا تھا اور اس کے ساتھ اسمٰعیل بھی اور وہ دونوں کہتے جاتے تھے کہ اے ہمارے ربّ ہماری طرف سے اس خدمت کو

---

[۱]:۔ سورہ آل عمران: ۹۷-۹۸ ؛ [۲]:۔ سورہ البقرہ: ۱۲۸ تا ۱۳۰ ؛

قبول فرما۔ تو ہی ہے جو بہت سُننے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

اے ہمارے رب اور ہم یہ بھی التجا کرتے ہیں کہ ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بندہ بنا۔ اور ہماری اولاد میں سے بھی اپنی ایک فرمانبردار جماعت بنا۔ اور ہمیں ہمارے مناسب حال عبادت کے طریق بتا۔ اور ہماری طرف اپنے فضل کے ساتھ توجہ فرما۔ یقیناً تو اپنے بندوں کی طرف بہت توجہ کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔ اور اے ہمارے رب ہماری یہ بھی التجا ہے کہ تو انہیں میں سے ایک ایسا رسول مبعوث فرما جو انہیں تیری آیات پڑھ کر سُنائے اور اُنہیں کتاب اور حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے۔ یقیناً تُو ہی غالب اور حکمتوں والا ہے"۔

۳۔ وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ؈ [1]

اور جب ہم نے ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ پر رہائش کا موقعہ دیا اور کہا کہ کسی چیز کو ہمارا شریک نہ بناؤ اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور کھڑے ہو کر عبادت کرنے والوں کے لئے اور رکوع کرنے والوں کے لئے اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک کرو۔

۴۔ وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ إِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ إِلٰٓى إِبْرٰهٖمَ وَإِسْمٰعِيْلَ أَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ؈ [2]

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے اس گھر یعنی کعبہ کو لوگوں کے لئے بار بار جمع ہونے کی جگہ اور امن کا مقام بنایا تھا۔ اور حکم دیا تھا کہ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ۔ اور ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع کرنے والوں اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک اور صاف رکھو۔

۵۔ وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ أَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهٗٓ إِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ؈ [3]

---

[1]۔ سورۃ الحج : ۲۷ ؛ [2]۔ سورۃ البقرہ : ۱۲۶ ؛ [3]۔ سورۃ البقرہ : ۱۲۷ ؛

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ابراہیم نے کہا تھا کہ اے میرے رب اس جگہ کو ایک پُر امن شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو بھی اللہ پر اور آنیوالے دن پر ایمان لائیں انہیں ہر قسم کے پھل عطا فرما ۔ اس پر اللہ نے فرمایا اور جو شخص کفر کرے اُسے بھی میں تھوڑی مدت تک فائدہ پہنچاؤں گا ۔ پھر اُسے مجبور کر کے دوزخ کے عذاب کی طرف لے جاؤں گا ۔ اور یہ بہت بُرا انجام ہے ۔

۶ ۔ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ ۙ لِّیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْۤ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰی مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآىِٕسَ الْفَقِیْرَ ۙ ثُمَّ لْیَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْیُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْیَطَّوَّفُوْا بِالْبَیْتِ الْعَتِیْقِ ۙ [1]

اور تمام لوگوں میں اعلان کر دے کہ وہ حج کی نیّت سے تیرے پاس آیا کریں پیدل بھی اور ہر ایسی سواری پر بھی جو لمبے سفر کی وجہ سے دُبلی ہو گئی ہو ۔ ایسی سواریاں دُور دُور سے گہرے راستوں پر سے ہوتی ہُوئی آئیں گی ۔ تاکہ وہ یعنی آنے والے ان منافع کو دیکھیں جو ان کے لئے مقرر کئے گئے ہیں اور کچھ مقرر دنوں میں اللہ کو اُن نعمتوں کی وجہ سے یاد کریں ۔ جو ہم نے ان کو دی ہیں ۔ یعنی بڑے جانوروں کی قسم سے جیسے اُونٹ ۔ گائے وغیرہ ۔ پس چاہیئے کہ وہ ان کے گوشت کھائیں اور تکلیف میں پڑے ہُوئے نادار کو کھلائیں ۔ پھر اپنی میل دُور کریں اور اپنی نذریں پُوری کریں ۔ اور پُرانے گھر یعنی خانہ کعبہ کا طواف کریں ۔

۷ ۔ وَلِلّٰهِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْهِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ۔ [2]

اور اللہ نے لوگوں پر فرض کیا ہے کہ وہ اس گھر کا حج کریں یعنی جو بھی اس تک جانے کی توفیق پائے اور جو انکار کرے تو وہ یاد رکھے کہ اللہ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے ۔

فلسفہ حج

حج ایک عاشقانہ عبادت ہے جب ایک شخص کسی سے محبت کرتا ہے اور اُس کا عاشق ہے

---

[1] ۔ سورۃ الحج : ۲۸ تا ۳۰
[2] ۔ سورۃ آل عمران : ۹۸

تو وہ اپنے محبوب اور معشوق کو راضی اور خوش کرنے کے لئے مختلف جتن کرتا ہے۔ اپنا حال بے حال کر لیتا ہے۔ دیوانوں کی طرح پھرتا ہے محبوب کے گھر کے اردگرد چکر لگاتا ہے۔ اُس سے تعلق رکھنے والی چیزوں سے پیار کرتا ہے انہیں چومنے لگتا ہے اور یہ سارے والہانہ انداز اس لئے اختیار کرتا ہے تاکہ اُس کا محبوب کسی طرح اُس پر خوش ہو جائے۔ پیار کی نظر سے اُسے دیکھے ملاپ اور وصال کی کوئی صورت نکل آئے۔ ایک مؤمن کا چونکہ حقیقی محبوب اُس کا اللہ ہے اس لئے اس کے جذبہ محبت کی تسکین کے لئے پیار اور اُس کے اظہار کے لئے کچھ نمونے حج کی عبادت میں رکھے گئے ہیں۔ وہ اَن سِلی دو چادریں پہنتا ہے۔ سر سے ننگا ہوتا ہے۔ پاؤں میں چپل ہوتے ہیں۔ بال بکھرے بکھرے سے رہتے ہیں کیونکہ کنگھی کرنے کی اجازت نہیں۔ "لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ" مَیں حاضر ہُوں۔ مَیں حاضر ہُوں۔ کہتا ہُوا اللہ کے گھر کا رُخ کرتا ہے حجر اسود کو چُومتا ہے۔ بیت اللہ کے اردگرد گھومتا اور چکّر لگاتا ہے۔ یہ سب کچھ اظہار محبّت کے والہانہ انداز ہیں۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام حج کی اس حکمت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

"محبّت کے عالم میں انسانی رُوح ہر وقت اپنے محبوب کے گرد گھومتی ہے اور اُس کے آستانہ کو بوسہ دیتی ہے۔ ایسا ہی خانہ کعبہ جسمانی طور پر محبّانِ صادق کے لئے ایک نمونہ دیا گیا ہے اور خُدا نے فرمایا کہ دیکھو یہ میرا گھر ہے اور حجرِ اسود میرے آستانہ کا پتھر ہے اور ایسا حکم اس لئے دیا کہ تا انسان جسمانی طور پر اپنے ولولۂ عشق اور محبّت کو ظاہر کرے۔ سو حج کرنے والے حج کے مقام میں جسمانی طور پر اس کے گرد گھومتے ہیں۔ ایسی صورتیں بنا کر گویا خُدا کی محبّت میں دیوانہ اور مست ہیں۔ زینت دُور کر دیتے ہیں۔ سر منڈوا دیتے ہیں اور مجذوبوں کی شکل بنا کر اس کے گرد عاشقانہ طواف کرتے ہیں اور اس پتھر کو خُدا کے آستانہ کا پتھر تصوّر کر کے بوسہ دیتے ہیں۔ اور یہ جسمانی ولولہ روحانی تپش اور محبّت کو پیدا کر دیتا ہے۔ اور جسم اس کے گھر کے گرد طواف کرتا ہے اور سنگِ آستانہ کو چُومتا ہے اور رُوح اس وقت محبُوبِ حقیقی کے گرد طواف کرتی ہے اور اس کے روحانی آستانہ کو چومتی ہے اور اس طریق میں کوئی شرک نہیں۔ ایک دوست ایک دوست جانی کا خط پا کر بھی اس کو چُومتا ہے۔

کوئی مسلمان خانہ کعبہ کی پرستش نہیں کرتا اور نہ حجر اسود سے مُرادیں مانگتا ہے بلکہ صرف خُدا کا قرار دادہ ایک جسمانی نمونہ سمجھا جاتا ہے وبس جس طرح ہم زمین پر سجدہ کرتے ہیں مگر وہ سجدہ زمین کے لئے نہیں ایسا ہی ہم حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں مگر وہ بوسہ اس پتھر کے لئے نہیں۔ پتھر تو پتھر ہے جو نہ کسی کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان مگر اس محبوب کے ہاتھ کا ہے جس نے اس کو اپنے آستانہ کا نمونہ ٹھہرایا۔" ؎[1]

۲ - حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ایک ویرانہ میں آبادی کی بنیاد رکھی وہاں اپنی بیوی ہاجرہؑ اور اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کو بسایا۔ اس وقت وہاں نہ پانی تھا اور نہ کسی انسان کا گذر۔ اس بے نظیر قربانی کا مقصد یہ تھا کہ یہ جگہ آئندہ عالم گیر ہدایت کا مرکز بنے۔ اسمٰعیل علیہ السلام کی یہاں بسنے والی نسل سے وہ عظیم الشان نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مبعوث ہو جو وجۂ تخلیق عالم ہے جو رحمۃٌ للعالمین ہے۔ جس کی لائی ہوئی تعلیم ساری دنیا کے لئے اور سارے زمانوں کے لئے ہوگی۔ پھر باوجود ظاہر ساز و سامان نہ ہونے کے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مولا سے جیسی توقع کی تھی ویسا ہی ظہور میں آیا۔ خُدا نے وہاں غیر معمولی حالات میں پانی مہیا کیا۔ یہ جگہ آہستہ آہستہ آباد ہوئی اور بکّہ یا مکّہ کہلائی۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی خاطر بنائے گئے پہلے مکان کے نامعلوم زمانوں سے مٹے ہوئے آثار کو تلاش کیا اور اپنے بیٹے کے ساتھ مل کر اس مکان کو دوبارہ تعمیر کیا اور اسے "مَثَابَۃً لِّلنَّاسِ" بنانے کے لئے اللہ تعالےٰ کے حضور گڑگڑا کر دعائیں مانگیں۔

یہی وہ پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے تعمیر کیا گیا تھا اسی کا نام بیت اللہ، بیت العتیق، بیت المعمور اور کعبہ ہے۔ تمام دُنیا کے مسلمان اس کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ غرض یہ گھر یہ شہر اور اس کے گرد کے مقامات ایسی جگہیں ہیں جہاں اللہ تعالیٰ کے سینکڑوں عظیم الشان نشان ظاہر ہوئے۔ جہاں کا چپہ چپہ یہ گواہی دے رہا ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانیاں دیتے ہیں اللہ ان کو کبھی ضائع نہیں کرتا۔ ان شعائر اللہ کی یاد تازہ کرنے اور یہ یقین حاصل کرنے کے لئے کہ وہ سچے وعدوں والا ہے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ کعبہ اور دوسرے شعائر اللہ کی زیارت کریں اور دیکھیں کہ خُدا نے جو کچھ کہا تھا وہ کیسے اور کتنے شاندار انداز میں پورا ہوا۔

۳ - ہر قوم و ملّت کا ایک مرکز اتحاد ہوتا ہے جہاں اس قوم کے افراد جمع ہو کر خُدا کی عبادت کرتے

؎[1]: چشمہ معرفت روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۱۰۱۔

ہیں۔ اپنے تمدن اور اپنی ثقافت کے اجتماعی آثار دیکھتے ہیں۔ افرادِ ملّت باہمی تعارف حاصل کرتے ہیں۔ ایک دوسرے کی مشکلات کو سمجھتے اور انہیں دُور کرنے اور مقاصد کے حصول کے لئے متحدہ کوشش کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا:۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ۔ [1]

ہر قوم کے لئے ہم نے ایک مرکز بنایا ہے۔ جہاں عقیدت کے جذبات کے ساتھ اپنے اللہ کو یاد کرنے کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں۔

اسی تصوّر کے لئے حج کی عبادت کو نمونہ کا رنگ دیا گیا ہے تاکہ حج کے لئے جمع ہونے والے مسلمان اکٹھے مل کر اپنے مالک و خالق کے حُسن کے گیت گائیں۔ اُس کے فضلوں کا شکریہ ادا کریں۔ مشکلات دُور کرنے کے لئے اس کے حضور عاجزانہ دعائیں مانگیں۔ دُنیا کے کونے کونے میں بسنے والے مسلمان ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں۔ اجتماعی ثقافت کی بنیادیں استوار کریں۔ باہمی مشورہ اور اجتماعی جدوجہد کے مواقع پیدا کریں۔ یہ سب اور کئی اور فوائد حج کی حکمت کا حصّہ ہیں۔

مقاماتِ حج

بیت اللہ:۔ ہزارہا سال گزرے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک ویرانے میں عبادت کے لئے ایک معبد بنایا گیا تھا۔ اس کے بنانے والے کے متعلق یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ کون تھا۔ لیکن یہ امر یقینی ہے کہ وہ معبد قومی اور ملّی ہونے کے لحاظ سے دنیا میں سب سے پہلا معبد تھا۔ عالم الغیب خُدا خود اس کی خبر دیتے ہُوئے فرماتا ہے:۔

"اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ۔ [2]

نیز فرمایا:۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ۔ [3]

غرض کچھ عرصہ تک لوگ اس معبد میں خدا تعالیٰ کا نام لیتے رہے لیکن نامعلوم کیا تغیّرات ہُوئے کہ وہ جگہ ویران ہوگئی اور عبادت کرنے والے لوگ پراگندہ ہوگئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ جگہ پیاری تھی پس اس نے ارادہ کیا کہ وہ اُسے پھر سے آباد کرے اور ہمیشہ کے لئے دُنیا کی ہدایت کا مرکز بنائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی آبادی کے لئے ایک ایسا مصفّٰی انسان چُنا جس کی اولاد نے اپنی نورانی شعاعوں سے آج تک دنیا کو روشن کر رکھا ہے۔

---

[1] الحج: ۳۵ [2] ال عمران: ۹۷ [3] مائدہ: ۹۸

یہ شخص ایک بُت ساز گھرانے میں پیدا ہُوا تھا۔ وہ عراق کے شہر کدیم یا اُرؔ کا رہنے والا تھا۔ اس کے خاندان کے لوگوں کا گذارہ بتوں کے چڑھاووں اور بُت فروشی پر تھا۔ والد بچپن میں فوت ہو گئے تھے اور چچا کی آغوش میں وہ پلا تھا۔ جس نے اپنے بیٹوں کے ساتھ اُسے بھی بُت فروشی کے کام پر لگایا۔ حقیقت سے ناآشنا چچا کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس دل کو خالقِ کون و مکاں چُن چکا ہے اس میں بتوں کے لئے کیا جگہ ہو سکتی۔ پہلے ہی دن ایک گاہک جو اپنی عمر کی انتہائی منزلیں طے کر رہا تھا اور تھا بھی مالدار بُت خریدنے کے لئے آیا۔ بُت فروش چچا کے بیٹے خوش ہُوئے کہ آج اچھی قیمت پر سودا ہو گا۔ بوڑھے امیر نے ایک اچھا سا بُت چُنا اور قیمت دینے ہی لگا تھا کہ "اس بچہ" کی توجہ اس گاہک کی طرف ہُوئی اور اُس نے اُس سے سوال کیا کہ میاں بوڑھے! تم قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھے ہو تم اس بت کو کیا کرو گے؟

اس نے جواب دیا۔ اسے گھر لے جاؤں گا اور ایک صاف اور مطہر جگہ میں رکھ کر اس کی عبادت کروں گا۔ یہ "سعید بچہ" اس خیال پر اپنے جذبات کو روک نہ سکا۔ اس نے بوڑھے سے کہا میاں! تمہاری عمر کیا ہو گی؟ اس نے اپنی عمر بتائی اور اس بچہ نے نہایت حقارت آمیز ہنسی ہنس کر کہا کہ تم اتنے بڑے ہو اور یہ بُت تو ابھی چند دن ہُوئے میرے چچا نے بنوایا ہے۔ کیا تمہیں اس کے سامنے سجدہ کرتے ہُوئے شرم نہ آئے گی؟ نہ معلوم اس بوڑھے کے دل پر توحید کی کوئی چنگاری گری یا نہ گری۔ لیکن اس وقت اس بُت کا خریدنا اُس کے لئے مشکل ہو گیا۔ اور وہ بُت وہیں پھینک کر واپس چلا گیا۔ اس طرح ایک اچھے گاہک کو ہاتھ سے جاتا دیکھ کر بھائی سخت ناراض ہُوئے اور اپنے باپ کو اطلاع دی جس نے اس بچہ کی خوب خبر لی۔

یہ پہلی تکلیف تھی جو اس پاک باز ہستی نے توحید کے لئے اٹھائی مگر باوجود چھوٹی عمر اور کم سنی کے زمانہ کے یہ سزا جوشِ توحید کو سرد کرنے کی بجائے اسے اور بھی بھڑکانے کا موجب ہوئی۔ سزا نے فکر کا دروازہ کھولا اور فکر نے عرفان کی کھڑکیاں کھول دیں۔ یہاں تک کہ بچپن کی طبعی سعادت جوانی کا پختہ عقیدہ بن گئی اور آخر اللہ تعالیٰ کا نور نوجوان کے ذہنی نور پر گر کر الہام کی روشنی پیدا کرنے کا موجب بن گیا۔

آخر یہ بچہ ابراہیم کے نام سے دُنیا میں مشہور ہُوا۔ یہ عظیم انسان اپنے شہر کے حالات سے دل برداشتہ ہو کر وہاں سے نکلا اور اپنی بیوی سارہ کے ساتھ عراق سے ہجرت کر کے پھرتے پھراتے فلسطین آ پہنچا اور عرصہ تک اس ملک میں رہا۔ لیکن ان کے ہاں کوئی اولاد نہ ہوئی نہ بیٹا

نہ بیٹی۔ آخر سارہؑ نے ابراہیمؑ سے کہا کہ ہمارے ہاں اولاد نہیں۔ میں چاہتی ہوں کہ اس لڑکی کو جو کہ مصر کے بادشاہ نے ہماری خدمت کے لئے دی ہے تو اپنی بیوی بنا شاید اللہ تعالیٰ اس سے ہمیں اولاد عطاء فرمائے۔ یہ نیک اور پاک باز عورت درحقیقت شاہ مصر کے خاندان کی ایک لڑکی تھی اور اس نے ابراہیمؑ کی معجزانہ طاقت کو دیکھ کر ان کی دعاؤں کے حصول کی غرض سے اُن کی خدمت کے لئے اُسے ساتھ کر دیا تھا۔ اس لڑکی کا نام ہاجرہؓ تھا۔ ابراہیم نے اپنی بیوی کی اس بات کو قبول کر کے ہاجرہؓ کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ اور خدا تعالیٰ نے بڑھاپے میں ابرام کو ایک لڑکا دیا جس کا نام اُس نے اسمٰعیل رکھا۔ یعنی خداوند خُدا نے ہماری دُعا سُن لی۔ اس بیٹے کی پیدائش پر خُدا تعالیٰ نے ابرام کا نام ابراہام کر دیا۔ کیونکہ اسے نعمتوں کی فراوانی اور آسمانی برکت کا وعدہ کیا گیا تھا۔ اسی ابراہام کا تلفظ عربی زبان میں ابراہیم ہے۔ اسی وجہ سے عبرانی لوگ اُسے ابراہام اور عرب ابراہیمؑ کہتے ہیں۔ سارہ جس نے خوشی سے ابراہیمؑ کو ہاجرہؓ کے بیوی بنانے کا مشورہ دیا تھا اس کے بچہ جننے پر کچھ دلگیر ہوئی اور اس نے اس طبعی کمزوری کی وجہ سے ہاجرہؓ اور اس کے بچہ کو تکلیفیں دینی شروع کیں۔ ابراہیم کے دل پر یہ صورتحال ناگوار گذری۔ لیکن بیوی کی سالہا سال کی خدمت اور اخلاص کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ کچھ نہ کہہ سکے بلکہ کہا تو یہی کہ ہاجرہؓ تمہاری لونڈی ہے تم جس طرح چاہو اُس سے سلوک کرو۔ آہ ابراہیم کو کیا معلوم کہ یہ سب سامان کسی اور ہی غرض کے لئے ہو رہے تھے اور یہ سب واقعات ابراہیم کی ایک اور ہجرت کے سلسلہ کی کڑیاں تھیں۔

انہی ایام میں جب اسمٰعیلؑ کچھ سمجھدار ہو گئے اور اپنے والد کے ساتھ دَوڑ دَوڑ کر چلنے لگے تھے کہ ابراہیمؑ نے ایک خواب دیکھا کہ وہ اسمٰعیلؑ کو خُدا تعالیٰ کے لئے قربان کر رہے ہیں۔ اس زمانہ میں انسانوں کی قربانی کا عام رواج تھا اور اُسے خُدا تعالیٰ کے فضل کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ ابراہیمؑ نے بھی خیال کیا کہ اللہ تعالیٰ میرے اخلاص کا امتحان لینا چاہتا ہے اس لئے جھٹ اپنے بڑھاپے کی اولاد کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ اور بچہ سے محبت کے ساتھ پوچھا کہ تیری مرضی کیا ہے۔

بچہ گو چھوٹا تھا مگر نورِ نبوت اُس کی پیشانی سے چمک رہا تھا۔ نیک باپ کی تربیت کی وجہ سے گو ابھی مذہب کی باریکیاں نہ سمجھتا ہو لیکن اس قدر جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہیں ٹالنا چاہیئے وہ بولا جس طرح چاہو اللہ کے حکم کو پورا کرو۔ باپ نے آنکھوں پر پٹی باندھی اور بیٹے کو ذبح کرنے

کے لئے تیار ہو گئے اور اُسے پیشانی کے بل لٹا دیا۔ مگر خواب کا مطلب درحقیقت کچھ اور تھا اور اس کی تعبیر کسی اور طرح ظاہر ہونے والی تھی۔ چنانچہ اس اثناء میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو الہام کیا کہ اب ظاہر میں بچہ کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ قربِ الٰہی کے لئے انسانی قربانی کا یہ انداز ہمیشہ کے لئے منسوخ کیا جاتا ہے۔ آئندہ یہ قربانی اس رنگ میں قبول ہوگی کہ خدا کی رضا اور اس کے دین کی خاطر جان و مال عزت اور وقت کی قربانی دی جائے تاہم اس اقرار کے ظاہری نشان کے لئے بطور یادگار آئندہ ہر سال ذوالحجہ کی دسویں تاریخ کو عمدہ اور قیمتی جانور کی قربانی دی جائے۔

بہرحال ان قربانیوں اور دعاؤں کے نتیجہ میں حضرت ابراہیمؑ کو بشارت ملی کہ اس بچہ کی نسل کو میں بڑھاؤں گا اور لوگ اس کی نسل کے ذریعہ برکت پائیں گے چنانچہ الٰہی اشارہ اور حالات پیش آمدہ کے تحت حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی ہاجرہ اور ریلو ٹھے بیٹے اسمٰعیلؑ کو اس جگہ چھوڑ آئے جہاں آجکل مکہ آباد ہے۔ قدیم زمانہ میں اس کا نام بکہ بھی تھا۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو یہاں آباد کرنے اور اس جگہ کو رونق بخشنے کا اصل مقصد یہ تھا کہ ہمیشہ کی زندگی کے مرکز "بیت العتیق"[ك] کو جس کی بنیادیں ریت کی تہوں میں اپنی صدیوں کی تاریخ چھپائے ہوئے تھیں پھر سے تعمیر کیا جائے۔

غرض یہاں آباد ہونے کے کچھ عرصہ بعد ارشادِ الٰہی کے تحت حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ کی مدد سے اُس گھر کو تعمیر کیا جو قبلۂ عالم ہے۔ کعبہ اور بیت اللہ کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ یہ گھر مسجد حرام کے درمیان میں بنا ہوا ہے۔ اس پر سیاہ ریشمی غلاف چڑھا رہتا ہے۔

کعبہ کی موجودہ شکل مستطیل ہے۔ شمالاً جنوباً ۴۴ فٹ لمبا اور شرقاً غرباً ۳۳ فٹ چوڑا ہے اُونچائی ۴۵ فٹ ہے۔

حطیم

خانہ کعبہ کی شمالی دیوار کے ساتھ بشکل کمان کچھ خالی جگہ ہے۔ اس کے اردگرد چھوٹی چھوٹی دیوار ہے لیکن اُوپر چھت نہیں۔ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے کچھ عرصہ پہلے جب قریش نے خانہ کعبہ کی از سرِ نو تعمیر کی تو چھت کے لئے وافر لکڑی نہ مل سکنے کی وجہ سے یہ حصّہ بغیر چھت کے چھوڑ دیا گیا۔ طواف میں اس حصّہ کو شامل کیا جاتا ہے لیکن مسجد حرام میں نماز پڑھتے ہوئے اگر صرف اس حصّہ کی طرف مُنہ کیا جائے تو نماز درست نہیں ہوگی۔ خانہ کعبہ کا طلائی پرنالہ "میزابِ رحمت" حطیم میں ہی گرتا ہے۔

ك :- سورہ الحج : ۳۰

حجرِ اسود

خانہ کعبہ کے جنوب مشرقی کونہ کے پاس ایک سیاہ رنگ کا پتھر نصب ہے اسے "حجرِ اسود" کہتے ہیں۔ اس پتھر کو بہت متبرک سمجھا جاتا ہے۔ یہ پتھر غالباً شہابِ ثاقب کا ایک بہت بڑا ٹکڑا تھا جو مکہ کے قریب ابو قبیس نامی پہاڑ پر گرا۔ تعمیر کعبہ کے وقت حضرت ابراہیمؑ اس نمایاں پتھر کو وہاں سے اُٹھا لائے اور "کونے کے پتھر" کی تمثیل اور ایک عظیم یادگار کے طور پر اسے اس دیوار میں نصب کر دیا۔ اب جو بھی کعبہ کا طواف کرتا ہے اُسے حکم ہے کہ سب سے پہلے وہ اس "یادگار پتھر" کو بوسہ دے۔ یہ پتھر اللہ تعالیٰ کے شعائر میں سے ہے اور اُس کے قادرِ مطلق ہونے اور صادق الوعد ہونے کا ایک خاص نشان ہے اور جس سے پیار ہو اُس سے تعلق رکھنے والی خاص اشیاء بھی پیاری لگتی ہیں۔ یہی فلسفہ حجرِ اسود کو چومنے کا ہے۔ ورنہ یہ پتھر اپنی ذات میں نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچا سکتا ہے اور نہ کوئی فائدہ اور نہ مسلمان اسے کسی رنگ میں نافع یا ضار سمجھتے ہیں۔

مُلتَزَم

حجرِ اسود اور "بابِ کعبہ" کے درمیان کی شمالی دیوار کا حصّہ مُلتَزَم کہلاتا ہے۔ حج کرنے والے واپسی کے وقت کعبہ کے اس حصّہ سے اپنے سینہ کو لگاتے ہیں۔ جیسے معانقہ کیا جاتا ہے۔ "بیت اللہ" سے الوداع اور اُس کی آخری زیارت کا یہ ایک والہانہ انداز ہے۔

رکنِ یمانی

خانہ کعبہ کا جنوب مغربی کونہ چونکہ یمن کی سمت ہے اس لئے اسے "رکن یمانی" کہتے ہیں۔ طواف کے وقت اس کونہ کو ہاتھ سے چھونا اور اُسے بوسہ دینا مستحب ہے۔

مطاف

خانہ کعبہ کے اردگرد سنگِ مرمر کا بنا ہوا ایک دائرہ ہے اس جگہ بیت اللہ کے اردگرد طواف کرتے ہیں۔ طواف ایک عبادت ہے جو بیت اللہ کے اردگرد سات چکر لگا کر ادا کی جاتی ہے۔

مقامِ ابراہیم

بیت اللہ کے دروازہ اور ملتزم کے سامنے ایک قبہ (گنبد نما چھوٹی سی عمارت) ہے اس میں وہ پتھر رکھا ہوا ہے جس پر کھڑے ہوکر حضرت ابراہیمؑ نے کعبہ کی دیواریں چنیں تھیں۔ اسی جگہ کو جہاں پتھر رکھا ہے "مقام ابراہیم" کہتے ہیں۔

طواف کے سات چکر لگانے کے بعد دو رکعتیں ادا کرنا واجب ہیں۔ ان دو رکعت کا "مقام ابراہیم" میں ادا کرنا زیادہ ثواب کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

"وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى" [1]

یعنی۔ ابراہیم کے مقام (کھڑے ہونے کی جگہ) کو مصلّیٰ (نماز پڑھنے کی جگہ) بناؤ۔

زمزم

مقام ابراہیم سے بائیں طرف اور کعبہ سے بجانب مشرق ایک کنواں ہے جو بوجہ پیاس حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ایڑیاں رگڑنے سے بطور نشان نمودار ہوا۔ یہ کنواں اُس وقت کی یادگار ہے اسے زمزم کہتے ہیں۔ زمزم کا پانی روبقبلہ کھڑے ہوکر بڑے ادب سے حصول برکت کی غرض سے پیا جاتا ہے۔

مسجد الحرام

"خانہ کعبہ" کے اِردگرد مستطیل اور کسی حد تک گول کھلے صحن کی وسیع و عریض مسجد ہے جہاں لوگ دائرہ کے رنگ میں صفیں بنا کر اور بیت اللہ کی طرف مُنہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ اسی مسجد کو قرآن کریم میں "المسجد الحرام" کہا گیا ہے۔ جیسے وہ فرماتا ہے:-

لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ لا [2]

اس مسجد کا موجودہ رقبہ ایک لاکھ مربع میٹر سے بھی زیادہ ہے۔ اردگرد پتھر کے ستونوں پر گنبد نما چھتوں والے برآمدے بنے ہوئے ہیں۔ ان برآمدوں میں بھی نمازی کھڑے ہوجاتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اس مسجد کی شکل وصورت بڑی مختصر اور اس سے بالکل مختلف تھی۔

---

[1]:- بقرہ: ۱۲۶ ؛ [2]:- الفتح: ۲۸ ؛

صفا و مروہ

مکہ میں مسجد حرام کے قریب جنوب کی طرف دو چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں تھیں۔ اب کچھ ہموار ہو کر دالان اور چبوترے کی شکل میں ہیں۔ مسجد حرام سے نکلیں تو پہلے صفا پہاڑی آتی ہے۔ اس کے بعد مشرق کی طرف ہٹتے ہوئے مروہ کی پہاڑی ہے۔ حضرت ہاجرہؓ نے پانی کی تلاش اور گھبراہٹ کے عالم میں ان پہاڑیوں کے سات چکر لگائے تھے۔ کبھی وہ صفا پر چڑھتیں اور کبھی مروہ کی طرف بھاگ کر جاتیں اور پھر صفا کی طرف آجاتیں۔ اسی اضطراری کیفیت اور اس کے نتیجہ میں ظاہر ہونے والے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی یاد میں حج اور عمرہ کرنے والوں کو حکم ہے کہ وہ صفا اور مروہ کے بھی سات چکر لگائیں اس عبادت کو سعی بین الصّفا والمروۃ کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْہِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِہِمَا۔ [1]

صفا اور مروہ یقیناً اللہ کے نشانات میں سے ہیں سو جو شخص اس گھر (یعنی کعبہ) کا حج یا عمرہ کرے تو اُسے اُن کے درمیان تیز چلنے پر کوئی گناہ نہیں۔

مکّہ سے باہر کے مقامات

مِنیٰ: ۔ مکہ سے مشرق کی طرف تین میل کے فاصلہ پر ایک وسیع میدان ہے اس میدان میں ہی وہ تین پتھر ہیں جن کا نام جمرہ یا شیطان مشہور ہے۔ ان تین پتھروں کے نام یہ ہیں:۔

جَمْرَۃُ الْاُوْلیٰ ۔ جَمْرَۃُ الْوُسْطیٰ ۔ جَمْرَۃُ الْعقبہ۔

مزدلفہ سے واپس آکر ۱۰ ۔ ۱۱ ۔ ۱۲ ۔ ۱۳ ذوالحجہ کو ان جمرات کو کنکریاں ماری جاتی ہیں جسے "رمی الجمار" کہا جاتا ہے۔ حج کرنے والے ۸ ذوالحجہ کو مکہ سے منیٰ میں آجاتے ہیں۔ یہیں اس دن کی ظہر۔ عصر۔ مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھتے ہیں۔ ۹ ذوالحجہ کی فجر بھی یہیں ادا ہوتی ہے۔ اسی میدان کے ایک حصّہ میں وہ عظیم قربان گاہ ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یاد میں ہر سال لاکھوں جانور ذبح ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس قربانی کی تاریخی اہمیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:۔

---

[1] :۔ بقرہ: ۱۵۹ ؎

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ۝ ۱؎ اور ہم نے اس (یعنی اسمٰعیل) کا فدیہ ایک بڑی قربانی کے ذریعہ دیدیا۔

حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۲؎ جب تک کہ قربانی اپنے مقام پر (دفن) پہنچ جائے۔

میں مَحِلّ سے مراد منیٰ کا یہی مقام ہے۔

عرفات :-

مکہ سے شمال مشرق کی طرف قریباً ۹ میل کے فاصلہ پر وہ عظیم الشان میدان ہے جہاں ۹ رذوالحجہ کو سب حاجی جمع ہوتے ہیں۔ اس میدان کو عرفہ یا عرفات کہتے ہیں۔ ظہر کے وقت سے لیکر سورج غروب ہونے تک یہاں قیام کیا جاتا ہے جسے وقوف عرفہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتے ہیں :-

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۔ ۳؎

پھر جب تم عرفات سے لوٹو تو مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ ۔ ۴؎

اور جہاں سے لوگ (واپس) لوٹتے رہے ہیں وہیں سے تم بھی واپس لوٹو۔

جبل الرحمت بھی اسی میدان کی ایک پہاڑی کا نام ہے۔

مزدلفہ :-

عرفات سے بجانب منیٰ تقریباً تین میل کے فاصلہ پر ایک میدان ہے۔ مشعر الحرام جو ایک پہاڑی ہے وہ بھی اسی میدان میں ہے۔ عرفات سے واپسی پر حج کرنے والے اس میدان میں رات بسر کرتے ہیں اور یہیں مغرب اور عشاء کی نمازیں جمع کرکے پڑھتے ہیں۔ ۱۰ رذوالحجہ کی فجر کی نماز بھی یہیں ادا کرنی ہوتی ہے۔ نماز فجر کے بعد مشعر الحرام کے پاس جاکر بکثرت ذکرِ الٰہی کرنے کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :-

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۵؎

مشعر الحرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو۔

مواقیت :-

مواقیت میقات کی جمع ہے۔ میقات سے مراد وہ جگہ ہے جہاں یا اُس کے قرب و جوار اور محاذ میں اکناف عالم اور دُور دراز کے علاقوں سے حج کی نیت سے مکہ آنے والے احرام باندھتے ہیں۔ اور ان مقامات سے آگے احرام باندھے بغیر جانا منع ہے۔ احرام سے مراد ایک خاص

۱؎: صٰفّٰت: ۱۰۸ ۲؎: بقرہ: ۱۹۷ ۳؎ بقرہ ۱۹۹ ۴؎ بقرہ ۲۰۰ ۵؎ بقرہ ۱۹۹ ؛

طریق سے حج یا عمرہ کی نیت کرنا ہے۔
مختلف علاقوں کے لئے مختلف میقات ہیں جن کی تفصیل یہ ہے :۔

ذوالحلیفہ :۔

مدینہ سے قریباً پانچ میل کے فاصلہ پر بطرف مکہ ایک گاؤں[1] ہے۔ مدینہ یا اس طرف سے حج کے ارادہ سے آنے والے یہاں پہنچ کر احرام باندھتے ہیں۔ احرام باندھے بغیر اس جگہ سے آگے بڑھنا درست نہ ہوگا۔

جُحفہ :۔

مکہ سے بجانب شمال قریباً چالیس[2] میل کے فاصلہ پر ایک مقام[3] ہے جو مصر شام اور مغرب یعنی شمالی افریقہ کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔

ذاتُ العرق :۔

مکہ سے قریباً تیس[4] میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی گاؤں ہے جو عراق اور خشکی کے راستے مشرقی علاقوں کی طرف سے آنے والوں کا میقات ہے۔

قرن منازل :۔

مکہ سے اندازاً تیس چالیس میل دُور مشرق کی طرف ایک پہاڑ[4] ہے۔ نجد کی طرف سے آنے والوں کے لئے یہ میقات ہے۔

یَلَمْلَمْ :۔

مکہ سے جنوب کی طرف اندازاً تیس میل کے فاصلہ پر سمندر کے اندر اُٹھی ہوئی ایک پہاڑی[5] کا نام ہے یمن کی طرف سے آنے والوں کے لئے یہ میقات ہے۔ پاکستان کی طرف سے بذریعہ بحری جہاز جانے والوں کا بھی یہی میقات ہے۔

جو لوگ ان مقامات کے اندر مکہ کے قریب رہتے ہیں۔ ان کا میقات ان کی جائے رہائش ہے یعنی وہ گھر سے ہی احرام باندھ کر چلیں۔

---

[1] :۔ هُوَ مَوْضِعُ مَاءٍ لِبَنِي جُشَم ؛ [2] :۔ هِيَ قَرْيَةٌ بَيْنَ مَكَّة وَالْمَدِيْنَة يَقْرُبُ مِنْهَا الْقَرْيَةُ الْمَعْرُوْفَة بِرَابِغ ؛ [3] :۔ هِيَ قَرْيَةٌ عَلَىٰ مَرْحَلَتَيْنِ مِنْ مَكَّة ۔
[4] :۔ هُوَ جَبَلٌ مُشْرِقٌ عَلَىٰ عَرَفَات ؛ [5] :۔ هُوَ جَبَلٌ مِنْ جِبَالِ تهامه ؛

حج کے ارادہ سے مکّہ جانے والا گھر سے بھی احرام باندھ سکتا ہے ۔ یہاں تک کہ مکّہ کے رہنے والے مکّہ کے اندر ہی احرام باندھ سکتے ہیں ۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ کسی میقات کے پاس جاکر وہاں سے احرام باندھیں ۔

میقات کا مفہوم صرف یہ ہے کہ یہاں سے آگے مکّہ کی طرف احرام باندھے بغیر جانا ممنوع اور طریق حج کے خلاف ہے ۔

تنعیم[1]

مکّہ کے قریب ایک جگہ ہے ۔ مکّہ میں رہنے والوں کے لئے یہ میقات ہے ۔ یعنی اگر کوئی شخص مکّہ میں رہ رہا ہو اور عمرہ کرنے کو اس کا دل چاہے تو مکّہ سے باہر تنعیم آجائے اور پھر وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ میں داخل ہو تاکہ عمرہ کرنے کے لئے بھی ایک گونہ سفر کی شرط پوری ہو جائے ۔

حدیث میں ہے :

اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَرَ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ بَکْرٍ اَنْ یُّعَمِّرَ عَائِشَۃَ مِنَ التَّنْعِیْمِ[2]

حج اور عمرہ کی عبادت کا ایک حصّہ اللہ تعالیٰ کی خاطر مسافرت اختیار کرنا اور اپنے شہر سے باہر نکلنا بھی ہے ۔

حَرَم[3]

مکّہ اور اس کے اردگرد کا علاقہ حرم کہلاتا ہے ۔ حرم کی حدود مختلف اطراف سے مختلف ہیں ۔ ایک طرف سے مکّہ سے قریباً تین میل دوسری طرف سے سات میل تیسری طرف سے نو میل بجانب جدہ حرم کی حدیں ہیں ۔

حدود حرم کے اندر شکار کھیلنا ۔ کسی جنگلی جانور کو پریشان کرنا ۔ خود رَو ہری گھاس یا خود رَو درخت

---

[1] ۔ ھُوَ مَکَانٌ یُسَمّٰی بِمَسَاجِدِ عَائِشَۃَ ؛ [2] ۔ ترمذی کتاب الحج باب العمرة من التنعیم ص ۱۱۲ ؛

[3] ۔ مکّہ کی شمالی جانب تنعیم تک چھ کلومیٹر ۔ مکّہ کی جنوبی جانب اضاۃ تک ۱۲ کلومیٹر ۔ مکہ کی شرقی جانب جعرانہ تک ۱۶ کلومیٹر ۔ مکّہ کی مغربی جانب شمیسی تک ۱۵ کلومیٹر ۔ مکہ کی شمال مشرقی جانب وادی نخلہ تک ۱۴ کلومیٹر موجودہ حدبندی بیان کی جاتی ہے ۔

کاٹنا منع ہے۔ البتہ موذی جانور مثلاً خونخوار درندہ۔ سانپ۔ بچھو۔ فصلوں کو نقصان پہنچانے والا کوا۔ چیل۔ چوہا اور باؤلے کتے کو مار سکتے ہیں۔ اذخر نامی گھاس اور خود کاشتہ فصل کاٹ سکتے ہیں۔

اوقاتِ حج

حج کے لئے خاص مہینے مقرر ہیں جنہیں "اَشْهُرُ الحج" یعنی حج کے مہینے کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمَاتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ [1]

حج کے مہینے (سب کے) جانے بوجھے ہوئے مہینے ہیں۔ پس جو شخص ان میں حج کا ارادہ پختہ کرلے اسے یاد رہے کہ حج کے ایام میں نہ تو کوئی شہوت کی بات نہ کوئی نافرمانی اور نہ کسی قسم کا جھگڑا کرنا جائز ہوگا۔

یہ شوال۔ ذوالقعدہ اور ذوالحجہ تین ماہ ہیں۔ ان کو اشعرالحج اس لئے کہتے ہیں کہ ان میں حج کی تیاری۔ اخلاق کی درستگی اور حج کے دوسرے احکام مثلاً احرام وغیرہ عملی ارکان کا آغاز ہوتا ہے حج کے آخری مناسک ذوالحجہ کی ۱۳ تاریخ تک ادا کرنے ہوتے ہیں۔ البتہ طواف افاضہ جسے طواف زیارۃ بھی کہتے ہیں۔ دس ماہِ ذوالحجہ سے لے کر آخر ماہ تک ادا کیا جا سکتا ہے۔

حج فرض ہونے کی شرائط

مسلمان ہو۔ عاقل بالغ ہو۔ اتنا مالدار ہو کہ گھر کے خرچ اخراجات کے علاوہ مناسب زادِ راہ پاس ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ز [2]

یعنی سفر کے مصارف کے لئے وافر رقم موجود ہو اور تندرست اور سفر کے قابل ہو۔ راستہ پُرامن ہو۔ مکہ جانے میں کوئی روک نہ ہو۔

---

[1] :۔ البقرہ : ۱۹۸
[2] :۔ البقرہ : ۱۹۸

ارکانِ حج

حج کے تین بنیادی رکن ہیں:۔

(i) احرام یعنی نیت باندھنا۔

(ii) وقوف عرفہ۔ یعنی نو ذوالحجہ کو عرفات کے میدان میں ٹھہرنا۔

(iii) طواف زیارت جسے طوافِ افاضہ بھی کہتے ہیں۔ یعنی وہ طواف جو وقوف عرفہ کے بعد دسں ذوالحجہ یا اس کے بعد کی تاریخوں میں کیا جاتا ہے۔

نو ذوالحجہ کو اگر کوئی شخص عرفات کے میدان میں خواہ تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی نہ پہنچ سکے تو اس کا حج نہیں ہوگا۔ پھر اگلے سال نئے احرام کے ساتھ اُسے دوبارہ حج کرنا ہوگا۔

حج کرنے کا طریق

جب انسان مالدار۔ تندرست اور سفر کے قابل ہو اور راستہ پُرامن ہو تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ جب وہ حج کے ارادہ سے جانے لگے تو تمام رشتہ داروں اور دوستوں سے راضی خوشی رخصت ہو۔ اور واپسی تک اپنے بال بچوں کے لئے ضروریات زندگی کا بندوبست کر جائے۔

احرام

جب میقات مثلاً یلملم کے پاس پہنچے تو وضوء کرے یا نہائے۔ خوشبو لگائے۔ دو صاف بے سلی چادریں پہنے۔ ایک بصورت تہہ بند باندھے اور دوسری بصورت چادر اوڑھے۔ سر ننگا رکھے۔ یہ مرد کے لئے حکم ہے۔ عورت اُسی لباس میں جو اُس نے پہن رکھا ہے حج کر سکتی ہے۔ البتہ عام حالات میں احرام کے بعد اپنا منہ ننگا رکھے اس پر نقاب نہ ڈالے۔ سوائے اس کے کہ کسی نامحرم کا آمنا سامنا ہو اور اُس سے پردہ کرنا ضروری ہو جائے۔

اس کے بعد مرد ہو یا عورت وہ دو رکعت نفل پڑھے اور پھر حج کی نیت[1] کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ کہے:۔

لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ ۔ لَبَّیْكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ لَبَّیْكَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَكَ لَا شَرِیْكَ لَكَ[2]

---

[1]:۔ حج کی نیت کیلئے گو منہ سے کچھ کہنا ضروری نہیں لیکن اگر کوئی زبان سے بھی نیت کے الفاظ ادا کرے تو کر سکتا ہے عربی کے

مَیں حاضر ہُوں اے میرے رب تیرے حضور مَیں حاضر ہُوں ۔ تیرا کوئی شریک نہیں ۔ مَیں حاضر ہُوں ۔ حمد و ثناء کا تو ُہی مالک ہے ۔ تمام ملک تیرا ہے ۔ تیرا کوئی شریک نہیں ۔

یہ عربی الفاظ تلبیہ کہلاتے ہیں ۔ تلبیہ احرام کا ضروری حصّہ ہے ۔ اگر یہ الفاظ حج کے ارادہ کے ساتھ نہ کہے جائیں تو احرام مکمل نہیں ہوگا ۔ گویا حج شروع کرنے کے لئے تلبیہ کی بالکل وہی حیثیت ہے جو نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر تحریمہ یعنی اللہ اکبر کہنے کی ہے ۔

تلبیہ کے بعد انسان محرم ہو جاتا ہے ۔ یعنی حج کے مناسک اور احکام بجالانے کے قابل ہو جاتا ہے محرم کو بہت سی ایسی باتوں سے بچنا پڑتا ہے جو عام حالات میں اس کے لئے جائز ہیں ۔ مثلاً خشکی کا شکار کرنا ۔ یا کسی سے کروانا ۔ خوشبو یا تیل لگانا ۔ کنگھی کرنا ۔ بال کٹوانا ۔ ناخن کاٹنا ۔ مرد کے لئے قمیض یا سلا ہُوا کپڑا پہننا سر اور چہرہ ڈھانکنا ۔ پگڑی باندھنا یا ٹوپی پہننا ۔ موزے یا فُل بوٹ استعمال کرنا ۔ بیوی سے مباشرت کرنا یا اُس کے مقدمات کا ارتکاب کرنا جیسے بوسہ لینا وغیرہ ۔ غرض ایسے تمام امور سے اجتناب لازمی ہے ۔ جو آسائش اور آرام کی زندگی کا لازمہ ہیں ۔

احرام کی حالت میں فسق و فجور اور جنگ و جدال بہت مذموم حرکات ہیں ۔ عام حالات میں بھی ایک مسلمان سے ایسے افعال شنیعہ کی اُمید نہیں کی جا سکتی چہ جائیکہ خُدا کے گھر کی زیارت کی نیّت سے جانے والا اس قسم کی حرکات کا مرتکب ہو ۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے :۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ ۔ [1]

پس جو شخص ان میں حج (کا ارادہ) پختہ کر لے (اُسے یاد رہے) کہ حج (کے ایّام) میں نہ تو کوئی شہوت کی بات نہ کوئی نافرمانی اور نہ کسی قسم کا جھگڑا (کرنا جائز) ہوگا ۔

احرام کے بعد بکثرت تلبیہ کہا جائے ۔ چلتے پھرتے ۔ اُٹھتے بیٹھتے ۔ بلند جگہ پر چڑھتے ہُوئے اور نیچے اترتے ہُوئے بالالتزام تلبیہ کہے ۔ تکبیر ۔ ذکرِ الٰہی ۔ استغفار اور درود شریف پر زور دے ۔

جب مکّہ کے قریب پہنچے اور کعبۃ اللہ نظر آئے تو تلبیہ اور تکبیر کہتے ہوئے نہایت درد اور توجہ کے ساتھ اپنے نیک مقاصد کے لئے دُعا مانگے ۔ قبولیت دُعا کا یہ خاص وقت ہے [2]

---

[1] :۔ سورۃ البقرہ : ۱۹۸ [2] :۔ نیل الاوطار باب رفع الیدین اذا رأی البیت ج۵ ص۳۰۲

جب مکّہ میں داخل ہو تو سامان وغیرہ رکھ کر اور وضوء یا غسل کر کے سیدھا مسجد حرام میں جائے۔ تکبیر اور تلبیہ کہتے ہوئے حجر اسود کے سامنے کھڑا ہو جائے اور جس طرح سجدہ میں ہاتھ رکھتے ہیں۔ اس طرح کعبہ کی دیوار پر ہاتھ رکھتے ہوئے حجر اسود کو چومے اور اگر چوم نہ سکے تو اپنے ہاتھ سے اُسے چھوئے۔ اور اگر چھو بھی نہ سکے تو چھڑی یا ہاتھ سے اشارہ کر کے اُسے چوم لے۔ دھینگا مشتی کر کے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔ حجر اسود کو اس طرح بوسہ دینے کو "اِستِلام" کہتے ہیں۔ اِستلام کے بعد طواف شروع کرے یعنی حجر اسود کی دائیں جانب جدھر دروازہ ہے اس کی طرف چلتے ہوئے بیت اللہ کے سات چکر لگائے۔

حطیم بھی کعبہ کا حصّہ ہے اس لئے چکر لگاتے ہوئے اس کے باہر سے گزرے۔ پہلے تین چکروں میں رَمَل یعنی کسی قدر فخریہ انداز میں کندھے مٹکاتے ہوئے تیز تیز قدم چلنا مسنون[۱] ہے۔ ہر چکر میں جب بھی حجرِ اسود کے سامنے پہنچے تو اس کا اِستِلام کرے۔ رکنِ یمانی کا اِستلام بھی مستحسن ہے۔ ساتواں چکر حجر اسود کے سامنے آکر ختم کرے۔ پھر مقام ابراہیم کے پاس آکر طواف کی دو رکعت پڑھے۔ مکّہ مکرمہ میں پہنچنے کے بعد بیت اللہ کا یہ پہلا طواف ہے جسے طواف القدوم کہتے ہیں

بہر حال اس طواف کے بعد صفا پر آئے اور بیت اللہ کی طرف منہ کر کے اور ہاتھ اٹھا کر اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا مانگے۔ درود شریف پڑھے۔ تکبیر اور تلبیہ کہے پھر یہاں سے مروہ کی طرف جائے۔ مروہ پر بھی اسی طرح دعائیں مانگے۔ یہ اُس کا ایک چکر ہوگا۔ اس کے بعد صفا کی طرف جائے یہ اس کا دوسرا چکر ہوگا۔ اس طرح صفا اور مروہ کے سات چکر لگائے۔ آخری چکر مروہ پر ختم ہوگا۔ ان سات چکروں کو "سَعِیْ" کہتے ہیں[۲]

سعی بین الصفا و المروہ کے بعد وہ فارغ ہے۔ قیام گاہ پر آکر آرام کرے بازار میں گھومے پھرے۔ کوئی پابندی نہیں۔ اس کے بعد آٹھویں ذوالحجہ کو مِنیٰ میں جائے۔ وہیں ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھے۔ نویں کی فجر پڑھ کر مِنیٰ سے عرفات کے لئے روانہ ہو۔ ظہر سے لے کر مغرب تک میدانِ عرفات میں وقوف کرے۔ ظہر اور عصر کی نمازیں یہیں جمع کر کے پڑھے۔ نویں ذوالحج کو میدان عرفات میں وقوف حج کا اہم ترین حصّہ ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ رہ جائے تو اس سال حج نہیں ہوگا۔ وادی عُرَنہ[۳] جو عرفات کے پہلو میں ہے اُسے چھوڑ کر عرفہ کا سارا میدان مؤقف ہے۔ ظہر اور عصر

---

[۱] ترمذی کتاب الحج باب الرمل من الحجر الی الحجر ص۱۰۵ج۱، کشف الغمہ ص۳۸۲ج۱ ؛ [۲]:۔ سورۃ البقرہ: ۱۵۹ ؛

[۳]:۔ ابن ماجہ کتاب الحج باب الموقوف بعرفات ص۲۱۶ ؛

کی نماز سے فارغ ہو کر حج کرنے والا تلبیہ و تکبیر۔ ذکر الٰہی۔ استغفار اور دُعا میں مشغول رہے۔ جب سورج غروب ہو جائے تو عرفات سے چل کر "مزدلفہ" میں آجائے۔ وادی کو چھوڑ کر مزدلفہ کا باقی سارا میدان مؤقف ہے۔ یہاں عشاء کے وقت میں مغرب و عشاء کی نمازیں جمع کر کے پڑھے۔ صبح کی نماز بہت سویرے پڑھی جائے۔ اس کے بعد مشعر الحرام کے قریب جا کر ذکر الٰہی کرے۔ تکبیر اور تلبیہ پر زور دے جب کچھ روشنی ہو جائے تو مزدلفہ سے چل کر واپس مِنیٰ میں آجائے۔ راستہ سے ستر کنکریاں اُٹھالے۔ جب مِنیٰ پہنچے تو سب سے پہلے جَمْرَۃُ الْعَقَبَہ کو رمی کرے۔ یعنی عقبہ نامی ٹیلے کو اللہ اکبر کہتے ہوئے سات کنکریاں مارے۔ پہلی کنکری کے ساتھ بار بار تلبیہ کہنے کا وجوب ختم ہو جائے گا۔ اس کے بعد اگر اس کا ارادہ قربانی دینے کا ہے تو مذبح جا کر قربانی ذبح کرے[۱] ورنہ اپنے بال کٹوا کر یا منڈوا کر احرام کھول دے۔ بال کٹوانے یا منڈوانے کو احرام کھولنا یا حلال ہونا کہتے ہیں۔ عورت احرام کھولنے کے لئے اپنے سر کی ایک دو مینڈھیاں قینچی سے کاٹ دے۔ اس کے لئے سارے بال کٹوانا یا منڈوانا جائز نہیں۔ یہ دسویں ذوالحجہ کا دن ہے۔ حجاج کے لئے اس دن عید کی نماز نہیں ہے۔ بہرحال احرام کھولنے کے بعد دسویں ذی الحجہ کو حج کرنے والا مِنیٰ سے مکّہ آکر بیت اللہ کا طواف کرے۔ یہ طواف بھی حج کا بنیادی رکن ہے۔ اس کو طواف زیارت اور طواف افاضہ کہتے ہیں۔ طواف زیارت کے بعد حج کرنیوالے کے لئے وہ سب اشیاء جائز ہو جاتی ہیں جو احرام کی وجہ سے اس کے لئے ممنوع تھیں۔

طواف زیارت سے فارغ ہو کر وہ پھر واپس مِنیٰ میں چلا جائے اور تین دن یہیں مقیم رہے۔ مِنیٰ میں تین جمرے ہیں۔ جمرۃ الاولیٰ۔ جمرۃ الوسطیٰ۔ جمرۃ العقبہ۔ یہ جمرے جو پہلے چھوٹی چھوٹی چٹانیں تھیں اب بُرج جیسوں کی شکل میں ہیں۔

گیارہویں ذوالحجہ کو حج کرنے والا زوال کے بعد تینوں جمروں کو رمی کرے۔ سب سے پہلے اس جمرے کو سات کنکر مارے جو مسجد الخیف کے پاس ہے اور جسے جمرۃُ الاُولیٰ کہتے ہیں۔ اس کے بعد اس جمرہ کو سات کنکر مارے جو اس کے قریب ہے اور جسے جمرۃ الوسطیٰ کہتے ہیں۔ آخر میں تیسرے جمرہ یعنی جمرۃُ العقبہ کو سات کنکر مارے۔

آپ کو یاد ہوگا کہ دسویں کو مزدلفہ سے واپسی کے بعد بھی اس جمرہ کو سات کنکر مارے گئے تھے۔ بارہویں ذوالحجہ کو بھی گیارہویں کی طرح تینوں جمروں کو رمی کرے۔ اس کے بعد اختیار ہے اگر کوئی چاہے تو تیرھویں تاریخ کو رمی کرنے کے لئے مِنیٰ میں قیام کرے۔ اور چاہے تو:۔

---

[۱]:۔ ابنِ ماجہ کتاب الحج باب الموقوف [۲]:۔ بقرہ: ۱۹۷؛ [۳]: مائدہ: ۹۸؛

فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ۔ [1]

پھر جو شخص جلدی کرے (اور) دو دنوں میں رمی کر کے واپس چلا جائے، تو اُسے کوئی گناہ نہیں۔

کی اجازت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے بارہویں تاریخ کی رمی کے بعد مکّہ واپس آجائے بہرحال بارہویں یا تیرہویں کو مکّہ آکر واپسی کا طواف کرے۔ یہ طواف اُن کے لئے ہے جو کہ مکّہ کے باشندے نہیں ہیں اور گھر واپس آنا چاہتے ہیں۔ اس طواف کو "طواف الصَّدَر" یا "طواف الوداع" کہتے ہیں۔ الوداعی طواف سے فارغ ہو کر حج کرنے والا زمزم کا پانی پیئے۔ دہلیز کعبہ کو چُومے۔ ملتزم پر اپنا سینہ رکھ کر رو رو کر دعائیں کرے۔ استارِ کعبہ یعنی کعبے کے غلاف کو پکڑ کر اپنے مولیٰ کے حضور اپنے گناہوں کی معافی مانگے اور اُس سے بخشش کی التجا کرے۔ پھر پچھلے پاؤں ہٹتے ہوئے اپنی آخری نگاہِ شوق کعبہ پر ڈالے اور واپس آجائے۔

عُمرہ

بیت اللہ کے طواف اور سعی بین الصفا والمروہ کا نام عمرہ ہے اس کے لئے مکّہ سے باہر کے مقام سے احرام باندھنا چاہیئے۔ اس لئے مکّہ میں رہنے والے لوگ عمرہ کے احرام کے لئے تنعیم جاتے ہیں اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر مکّہ واپس آتے ہیں تاکہ اس عبادت کے لئے ایک گونہ سفر کی شرط پر عمل ہو جائے۔ عمرہ کے لئے کوئی خاص وقت مقرر نہیں۔ سال کے کسی حصّہ میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ البتہ نویں ذوالحجہ سے لے کر تیرہ ذوالحجہ تک ان چار دنوں میں عمرہ کا احرام باندھنا درست نہیں۔ کیونکہ یہ حج ادا کرنے کے دن ہیں۔

عمرہ کے احرام کھولنے کا بھی وہی طریق ہے جو حج کے احرام کھولنے کا ہے یعنی عمرہ کرنے کے بعد اپنے سر کے بال کٹوا دے یا منڈوا دے اور عورت ایک دو لٹیں کاٹ کر احرام کھولے۔

حج کی اقسام

حج کی تین قسمیں ہیں:۔ حج مُفرد [1] ۔ حج تمتّع [2] ۔ حج قِران [3] ۔

۱ ۔ حج مفرد کا طریق وہی ہے جو اُوپر حج کرنے کا طریق کے عنوان کے تحت بیان ہُوا ہے۔

۲ ۔ حج تمتع۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَی الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَیۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡیِ ج فَمَنۡ

---

[1] :۔ بقرہ : ۲۰۴

ثُمَّ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ط تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ط ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط [۱]

پھر جب تم امن میں آجاؤ تو (اُس وقت) جو شخص عمرہ کا فائدہ (اپنے) حج کے ساتھ ملا کر اُٹھائے تو جو قربانی بھی آسانی سے مل سکے (کردے) اور جو (کسی قربانی کی بھی توفیق) نہ پائے (اس پر) تین دن کے روزے تو حج (کے دنوں) میں (واجب) ہوں گے اور سات (روزے) جب (اے مسلمانو!) تم (اپنے گھروں کو) واپس (لوٹ) آؤ۔ یہ پورے دس ہوئے یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس رہنے والے نہ ہوں۔

اِس آیت میں حج تمتّع کا ذکر ہے جس کی تشریح یہ ہے کہ حج کے مہینوں میں سب سے پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکّہ پہنچ کر عمرہ کرے اس کے بعد احرام کھول دے۔ پھر آٹھویں ذوالحجہ یا اس سے پہلے حج کا احرام باندھے اور اسی طریق کے مطابق حج کرے جو اُوپر بیان ہو چکا ہے۔ گویا حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ کرنا اور اس کے بعد نئے احرام کے ساتھ حج کرنا تمتّع کہلاتا ہے۔

تمتّع کے معنے فائدہ اُٹھانے کے ہیں۔ حج کرنے والا ایک ہی سفر سے دو فائدے اُٹھاتا ہے عمرہ بھی کرتا ہے اور حج بھی ادا کرتا ہے حج مفرد کرنے والے کے لئے دسویں ذوالحجہ کو قربانی ضروری نہ تھی لیکن حج تمتّع کرنے والے کے لئے قربانی ضروری ہے۔ اس قربانی کو دَمِ تمتّع کہتے ہیں۔ اگر قربانی نہ دے سکے تو اس کے بدلہ میں دس روزے رکھے ان میں سے تین حج کے دنوں میں یعنی سات، آٹھ اور نو ذوالحجہ کو۔ اور سات روزے واپس گھر آکر پورے کرے۔

۳۔ حج قِران اسے کہتے ہیں کہ شروع میں عمرہ اور حج دونوں کا اکٹھا احرام باندھے یعنی حج اور عمرہ دونوں کی نیت [۲] کرتے ہوئے تلبیہ کہے۔ اس طرح احرام باندھنے والا جب مکّہ پہنچے گا تو سب سے پہلے عمرہ کرے گا۔ اس کے بعد احرام نہیں کھولے گا بلکہ اسی احرام کے ساتھ حج کے مناسک بھی ادا کرے گا۔ اور جس طرح اُس نے عمرہ کا اور حج دونوں کا اکٹھا احرام باندھا تھا۔ اسی طرح دسویں ذوالحجہ کو دونوں کا اکٹھا ہی احرام کھولے گا۔

---

[۱]: سورۃ البقرہ : ۱۹۷ ؛ [۲]: مثلاً یوں کہے ۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ فَیَسِّرْ هُمَا لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِمَا ۔ ہدایہ صفحہ ۲۲۱ باب القران ؛

متمتع کی طرح قِران کرنے والے کے لئے بھی قربانی ضروری ہے۔ اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو پھر مذکورہ بالا طریق کے مطابق وہ دس روزے رکھے۔

جنایاتِ حج

جنایہ کوتاہی اور قانون کی خلاف ورزی کو کہتے ہیں۔ حج کے خاص قاعدے اور قانون ہیں جو شخص ان کی خلاف ورزی کرے گا وہ زیر مواخذہ ہے جس کی تفصیل کتب حدیث و فقہ میں دیکھی جا سکتی ہے۔ مختصراً یہاں کچھ کوتاہیوں کا ذکر کیا گیا ہے:-

۱۔ محرم اگر کسی عذر کی بناء پر سلے ہوئے کپڑے پہن لے یا جوئیں پڑجانے کی وجہ سے اُسے سر منڈوانا پڑے تو اس کوتاہی کے تدارک کے طور پر وہ فدیہ ادا کرے۔

فدیہ سے مراد روزے رکھنا یا غرباء کو صدقہ دینا یا قربانی ذبح کرنا ہے۔ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ۔ [۱]

تدارک کے لحاظ سے فدیہ کا مفہوم بالکل ویسا ہی ہے جیسے نماز میں غلطی کا تدارک سجدہ سہو کرنے سے کیا جاتا ہے۔ [۲]

۲۔ محرم اگر شکار کرے تو بطور کفارہ شکار کی مثل پالتو جانور ذبح کرے مثلاً ہرن مارا تو منیٰ کے مذبح میں بکرا یا چھترا ذبح کرے۔ اور اگر شتر مرغ کا شکار کیا ہے تو اونٹ ذبح کرے۔ اگر جانور ذبح نہ کر سکے تو چھ [۳] مساکین کو کھانا کھلائے۔ یہ بھی نہ کر سکے تو تین [۳] روزے رکھے۔

بدلہ کا فیصلہ سمجھدار اور جانور کی قدر و قیمت جاننے والے دو ماہرین سے کرایا جا سکتا ہے۔ فرمایا:-

---

[۱]:۔ البقرہ: ۱۹۷ ؛ [۲]:۔ محرم کے پاس اگر ان سلے کپڑے نہ ہوں اور نہ وہ بآسانی مہیا کر سکتا ہو تو وہ سلے ہوئے کپڑے پہن سکتا ہے۔ اس صورت میں فدیہ بھی ضروری نہ ہوگا۔ رَوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ اِذَا لَمْ يَجِدْ اِزَارًا فَلْيَلْبَسِ السَّرَاوِيْلَ وَاِذَا لَمْ يَجِدِ النَّعْلَيْنِ فَلْيَلْبَسِ الْخُفَّيْنِ وَلْيَقْطَعْهُمَا اَسْفَلَ مِنَ الْكَعْبَيْنِ۔ (ابوداؤد کتاب الحج باب ما یلبس المحرم ص۲۵۳، ہدایہ کتاب الحج ص۱۹۹) ؛

[۳]:۔ عن عبد اللہ بن معقل قال قعدت الی کعب بن عجرۃ فی ھذا المسجد یعنی مسجد الکوفۃ فسألتہ عن فدیۃ من صیام فقال حُمِلْتُ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والقمل یتناثر علی وجھی فقال ما کنتُ اُری اَنّ الجھد بلغ بک ھذا۔ اما تجد شاۃً قلت لا قال صم ثلثۃ ایام او اطعم ستۃ مساکین نصف صاع من طعام واحلق راسک فنزلت فیّ خاصۃً۔ (بخاری کتاب التفسیر باب قولہ فمن کان منکم *

---

*۔ مریضًا او بہ اذی من رأسہ ص۶۴۸/۲) ؛

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ
قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ
بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ
مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا
سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝
اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَ
حُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ
اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا
لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَاۗىِٕدَ ۭ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝ ۱؎

اے ایماندارو! تم احرام کی حالت میں شکار کو نہ مارا کرو۔ اور تم میں سے جو شخص اسے جان بوجھ کر مارے گا تو جو چارپایہ اُس نے قتل کیا ہے اسی قسم کا جانور اسے بدلہ میں دینا ہوگا جس کا فیصلہ تم میں سے دو عادل انسان کریں گے اور جسے کعبہ تک قربانی کے لئے پہنچایا جانا ضروری ہوگا اور (اگر اس کی طاقت نہ ہو تو) کفارہ (ادا کرنا) ہوگا۔ یعنی چند مسکینوں کو کھانا کھلانا یا اس کے برابر روزے رکھنا تاکہ وہ (مجرم) اپنے کام کے بدانجام کو بھگتے ہاں جو (پہلے) گذر چکا ہے وہ اللہ نے معاف کر دیا ہے اور جو شخص پھر (ایسا) کرے گا اُسے اللہ (اُس کے جُرم کی) سزا دے گا اور اللہ غالب (اور بُرے کام کی) سزا دینے والا ہے۔

بحری شکار کرنا اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدہ کے لئے جائز کیا گیا ہے لیکن جب تک تم احرام کی حالت میں ہو (اس وقت تک) خشکی کا شکار تم پر حرام کیا گیا ہے اور تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو جس کے حضور میں تمہیں اکٹھا کر کے لے جایا جائے گا۔ اللہ نے کعبہ یعنی محفوظ گھر (کو) لوگوں کی دائمی ترقی کا ذریعہ بنایا ہے اور (نیز) حرمت والے مہینے اور قربانی (کو) اور جن (جانوروں) کے گلے میں پٹہ ڈالا گیا ہو (ان کو بھی) یہ اس لئے (کیا) ہے کہ تم جان لو کہ جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اللہ ان سب کو جانتا ہے

۱؎ - مائدہ ۹۶ تا ۹۹

یاد رکھو کہ اللہ عذاب دینے میں (بھی) سخت ہے۔ اور اللہ بہت بخشنے والا (اور) مہربان (بھی) ہے۔

احرام کی حالت میں طوافِ زیارت سے پہلے اگر اپنی بیوی سے مباشرت کر لے تو اس کا حج فاسد ہو جائے گا اور حج کے لئے اگلے سال آنا پڑے گا۔ اس سال وہ حج کے بقیہ مناسک ادا تو کرے گا لیکن اس کا حج ادا نہیں ہوگا۔ نیز بطور کفّارہ اُسے مِنیٰ کے مذبح میں اُونٹ بھی ذبح کرنا پڑے گا۔

احصار

حج یا عمرہ کا احرام باندھنے کے بعد اگر کوئی ایسی روک پیدا ہو جائے کہ وہ مکہ جانے اور حج یا عمرہ کے مناسک ادا کرنے کے قابل نہ رہے مثلاً سخت بیمار ہو جائے یا دشمن آگے جانے نہ دے تو ایسا محرم "ھَدْی" (قربانی کا جانور) ذبح کرے اور اس کے بعد احرام کھولے۔ یہ ھدی حرم میں ذبح ہونی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ج وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ط[1]

پھر اگر تم (کسی سبب سے حج اور عمرہ سے) روکے جاؤ تو جو قربانی میسر آئے (ذبح کرو) اور جب تک کہ قربانی اپنے مقام پر (نہ) پہنچ جائے اپنے سر نہ مونڈو۔

---

[1] : البقرہ : ۱۹۷ ❊

متفرق مسائل

جب تک انسان مکّہ مکرّمہ میں مقیم رہے بیت اللہ کا بکثرت طواف کرے زیادہ وقت عبادت اور ذکرِ الٰہی اور تلاوتِ قرآن کریم میں گزارے۔ غارِ حراء کی زیارت کی بھی کوشش کرے۔ یہ غار مکّہ سے قریباً تین میل کے فاصلہ پہ پہاڑ کی چوٹی پر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے پہلے یہاں آکر عبادت کیا کرتے تھے۔ اس غار میں ہی آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی۔

غارِ ثور دیکھنے جا سکے تو وہ بھی دیکھے یہ مکّہ سے پانچ میل کے فاصلہ پر ہے۔ ہجرت کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکّہ سے نکل کر اسی غار میں تین دن روپوش رہے تھے۔ قرآن کریم میں اس غار کا ذکر آیا ہے۔ فرمایا:-

ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا[1]

جبکہ وہ دونوں غار میں تھے اور جبکہ وہ اپنے ساتھی (ابوبکر) سے کہہ رہا تھا کہ کسی گذشتہ بھول چوک پر غم نہ کرو۔ اللہ یقیناً ہمارے ساتھ ہے۔

مدینہ منورّہ

مدینہ منوّرہ میں بھی بہت سے شعائر اللہ ہیں[2]*۔ مسجد نبوی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مزار اقدس ہے۔ جنت البقیع ہے۔ اگر استطاعت ہو تو ان شعائر کی زیارت بھی کرنی چاہیئے۔ مسجد نبوی

---

[1]:- توبہ: ۴۰ ÷ [2]:- مکّہ اور اس کے اردگرد کا کچھ علاقہ حرم کہلاتا ہے۔ اسی طرح مدینہ اور اس کے اردگرد کے علاقے (بارہ میل کے قریب عَیر سے لیکر ثور تک) حرم ہیں۔

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ حَرَّمَ مَكَّةَ وَانى حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ۔ (ابن ماجہ باب فضل المدینۃ ص ۲۲۵) ÷

* - عن ابی هریرة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اللّٰھم ان ابراھیم خلیلك ونبيك وانك حرمت مكة على لسان ابراهيم اللّٰهم وانا عبدك ونبيك وانى احرم ما بين لابتيها۔ (ابن ماجہ کتاب المناسک باب فضل المدینہ ص ۲۲۵)، اللّٰهم ان ابراهيم حرم مكة وانى احرم ما بين لابتيها۔ (مشکوٰۃ ص ۲۴۰) ÷

میں چالیس فرض نماز ادا کرنا باعثِ ثوابِ جزیل ہے[1]۔ حضور علیہ السلام کے روضۂ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر درود شریف پڑھنا اور حضور کے عالم گیر اور دائمی فیضان کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور دُعا کرنا۔ خاص روحانی کیفیت اور وجدانی کمال کا موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر سچے مسلمان کو ان برکات سے حصہ لینے کی توفیق بخشے اور وہ جو اللہ تعالیٰ کے گھر اور دوسرے مقاماتِ مقدسہ کی زیارت سے روکتے ہیں اور خُدا کی وعید سے نہیں ڈرتے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہدایت دے اور اس ظلم عظیم سے توبہ کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

فتاویٰ

سوال :۔ حج کے موقع پر جو رمی جمار کرتے ہیں اس کی کیا مصلحت اور فلسفہ ہے؟

جواب :۔ حج کے اکثر احکام تصویری زبان کا رنگ رکھتے ہیں اور رمی جمار میں یہی حکمت کارفرما ہے۔ مثلاً رمی جمار تصویری زبان میں شیطانی قوتوں اور ان کے وساوس سے اظہارِ بیزاری اور حملہ آور فاسد خیالات جن سے انسان کو اکثر واسطہ پڑتا ہے کا دفیعہ ہے اس کی ایک مثال نماز میں بھی ہے جیسے نفی یعنی لَآ اِلٰہَ کہتے وقت شہادت کی اُنگلی اٹھاتے ہیں اور اثبات یعنی اِلَّا اللّٰہُ کہتے وقت گراتے ہیں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ یہ رفع سبابہ شیطان جمار کے لئے تیز نیزہ سے بھی زیادہ کاری ہے۔ اسی طرح رمی جمار بھی شیطانِ رجیم سے بیزاری کی علامت ہے۔ ایسا ہی نماز کے شروع میں اللہ اکبر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اُٹھانا بھی تصویری رنگ رکھتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

"عبادت کے دو حصے تھے ایک وہ جو انسان اللہ تعالیٰ سے ڈرے جو ڈرنے کا حق ہے۔ دوسرا حصہ عبادت کا یہ ہے کہ انسان خدا سے محبت کرے جو محبت کرنے کا حق ہے۔

یہ حق دو ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنی نسبت انسان سے مانگتا ہے۔ اسلام نے ان دونوں حقوق کو پورا کرنے کے لئے ایک صورت نماز کی رکھی جس میں خُدا کے خوف کا پہلو رکھا ہے۔ اور محبت کی حالت کے اظہار کے لئے حج رکھا ہے۔ ..... حج میں محبت کے سارے ارکان پائے جاتے ہیں بعض وقت شدّتِ

---

[1] :۔ مسند احمد ص ۱۵۵/۳ والطبرانی فی الاوسط ٭

محبّت میں کپڑے کی بھی حاجت نہیں رہتی۔عشق بھی ایک جنون ہوتا ہے۔ کپڑوں کو سنوار کر رکھنا یہ عشق میں نہیں رہتا۔ . . . غرض یہ نمونہ جو انتہائے محبّت کے لباس میں ہوتا ہے وہ حج میں موجود ہے۔سر منڈایا جاتا ہے۔ دوڑتے ہیں۔ محبّت کا بوسہ رہ گیا وہ بھی ہے جو خُدا کی ساری شریعتوں میں تصویری زبان میں چلا آیا ہے۔ پھر قربانی میں بھی کمال عشق دکھایا ہے۔ اسلام نے پُورے طور پر ان حقوق کی تکمیل کی تعلیم دی ہے۔ نادان وہ شخص جو اپنی نابینائی سے اعتراض کرتا ہے‘‘۔ [1]

حج بدل

ایک مرحوم احمدی کے ورثاء نے حضرت کی خدمت میں لکھا کہ مرحوم کا ارادہ پختہ حج پر جانے کا تھا مگر موت نے مہلت نہ دی۔ کیا جائز ہے کہ اب اس کی طرف سے کوئی آدمی خرچ دے کر بھیج دیا جاوے؟

فرمایا۔ ’’جائز ہے۔ اس سے متوفی کو ثواب حج کا حاصل ہو جائے گا‘‘۔ [2]

سوال :۔ کیا حج بدل کے لئے ضروری ہے کہ حج پر وہی شخص جائے جس نے پہلے خود حج کیا ہوا ہو؟

جواب :۔ حج بدل کا جواز مختلف احادیث سے ثابت ہے ان میں سے جو زیادہ صحیح روایات ہیں اُن میں اس شرط کا کوئی ذکر نہیں کہ جو شخص حج بدل کے لئے جائے پہلے اس نے خود اپنا حج کیا ہُوا ہو۔ یہ حدیثیں بخاری۔مسلم اور صحاح ستّہ کی باقی کتابوں میں مروی ہیں ان میں سے ایک حدیث یہ ہے :۔

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَأَةً مِنْ خَثْعَمَ قَالَتْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اَبِیْ اَدْرَکَتْهُ فَرِیْضَةُ اللّٰہِ فِی الْحَجِّ شَیْخًا کَبِیْرًا لَا یَسْتَطِیْعُ اَنْ یَّسْتَوِیَ عَلٰی ظَهْرِ بَعِیْرٍ قَالَ فَحُجِّیْ عَنْهُ۔ [3]

یعنی میرے باپ پر حج فرض تھا لیکن اب وہ اتنا بوڑھا ہو چکا ہے کہ اُونٹ پر

---

[1] :۔ ملفوظات جلد سوئم ص۲۹۹ ؛ [2] :۔ ملفوظات جلد ۹ ص۲۷۹ ، البدر ۳ ؍ ۱۹۰۳ء ؛
[3] :۔ بخاری و مسلم۔ مسلم کتاب الحج باب الحج عن العاجز ...... الخ ص۵۹۲ ؛

سہارے کے بغیر سیدھا بیٹھ بھی نہیں سکتا۔ آپؐ نے فرمایا تو تم اس کی طرف سے حج کرو۔

ائمہ میں سے امام ثوریؒ۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے متبعین ان احادیث کی بناء پر اس بات کے قائل ہیں کہ حج بدل کے لئے یہ کوئی ضروری شرط نہیں کہ حج پر جانے والا پہلے خود حاجی ہو۔ چنانچہ فقہ مذاہب اربعہ میں ہے:۔

اَمَّا الْمُرَاهِقُ فَاِنَّهٗ يَصِحُّ اَنْ يَحُجَّ عَنِ الْغَيْرِ كَمَا يَصِحُّ حَجُّ الْمَرْاَةِ وَالْعَبْدِ عَنْ غَيْرِهِمَا وَكَذَا مَنْ لَمْ يُؤَدِّ فَرِيْضَةَ الْحَجِّ عَنْ نَفْسِهٖ۔ [1]

یعنی حنفیوں کا مسلک یہ ہے کہ ایک سمجھدار نوعمر حج بدل کی غرض سے جا سکتا ہے۔ اسی طرح عورت اور غلام بھی حج بدل کر سکتے ہیں اور ایسا ہی وہ شخص بھی حج بدل کے لئے جا سکتا ہے جس نے خود حج نہ کیا ہوا ہو۔

اس کے بالمقابل ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ بیہقی۔ ابن حبان وغیرہ تیسرے درجہ کی کتابوں میں ایک حدیث ہے جس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص حج بدل کے لئے جائے وہ پہلے خود حاجی ہو حدیث یہ ہے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَمِعَ رَجُلًا يَقُوْلُ لَبَّيْكَ عَنْ شُبْرُمَةَ قَالَ مَنْ شُبْرُمَةُ قَالَ اَخٌ لِيْ اَوْ قَرِيْبٌ لِيْ قَالَ حَجَجْتَ عَنْ نَفْسِكَ قَالَ لَا قَالَ حُجَّ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ حُجَّ عَنْ شُبْرُمَةَ۔ [2]

یعنی۔ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو شبرمہ کی طرف سے تلبیہ کہتے ہوئے یعنی حج بدل کا احرام باندھتے ہوئے سُنا۔ آپؐ نے اس سے پوچھا شبرمہ کون ہے۔ اس نے عرض کیا میرا بھائی یا عزیز ہے۔ آپؐ نے پھر پوچھا کیا تم نے خود حج کیا ہے۔ اُس نے کہا نہیں۔ آپؐ نے فرمایا۔ تم پہلے اپنا حج کرو پھر شبرمہ کی طرف سے حج کرنا۔

اس حدیث کا مندرجہ ذیل جواب دیا گیا ہے:۔

(۱) اس حدیث کی دوسری روایت میں فَاجْعَلْ هٰذِهٖ عَنْ نَفْسِكَ ثُمَّ احْجُجْ

---

[1]:۔ فقہ مذاہب علی الاربعہ ص۷۰۸ ؛ [2]:۔ نیل الاوطار ص۲۹۳ ج۴ ؛

عَنْ شُبْرُمَةَ کی بجائے یہ الفاظ مروی ہیں "هٰذِهٖ عَنْ شُبْرُمَةَ وَحُجَّ عَنْ نَفْسِكَ" کہ یہ حج تو شبرمہ کی طرف سے ہوا پھر اپنی طرف سے بھی حج کرنا۔

ان الفاظ سے اس حدیث کا اضطراب واضح ہے اس لئے یہ روایت ان احادیث کا مقابلہ نہیں کرسکتی جن میں ایسی شرط کا کوئی ذکر نہیں۔

حج بدل کی حکمت کہ زیادہ سے زیادہ لوگ مقامات مقدسہ اور شعائر اللہ کی زیارت کے لئے جاسکیں اور غرباء کو بھی ان برکات سے حصہ پانے کا موقع مل جائے۔ ایسی پابندیوں کی متقاضی نہیں ہے۔

سوال :۔ کیا بوڑھی عورت زائد از ساٹھ سال غیر محرم کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے؟

جواب :۔ بوڑھی عورت ایسی عورتوں کے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہے جن کے ساتھ اُن کے محرم ہوں اگر صرف مرد ہی ہوں اور ساتھ کوئی عورت نہ ہو تو پھر حج کے لئے جانے کی اجازت نہیں کئی مجبوریاں پیش آجاتی ہیں۔ مثلاً بیماری۔ موت۔ فوت ہے اور ایسی حالت میں عورت ہی بعض انتظامات میں حصہ لے سکتی ہے۔ بہرحال دوسری عورتوں کے ساتھ جانے کی اجازت ہے صرف مردوں کے ساتھ نہیں۔

سوال :۔ ایک شخص حج کی نیت سے گھر سے نکلتا ہے راستہ میں فوت ہو جاتا ہے کیا اس کی طرف سے کسی اور کو حج کرنا چاہیئے؟

جواب : حج کی صحت کا دارو مدار نیت اور عملی کوشش پر ہے جب کسی نے ارادہ کے ساتھ عملی کوشش بھی کی اور راستہ میں وفات کی وجہ سے ظاہری رنگ میں حج کی تکمیل نہ کرسکا تو خدا تعالیٰ کے حضور اس کا حج ہو گیا اور جو ثواب مقدر تھا وہ اس کو مل گیا۔ وفات اس کے اپنے اختیار میں نہ تھی بلکہ خُدا تعالیٰ نے یہ تقدیر چلائی۔ اس لئے اس بناء پر حج کے ثواب سے محرومی کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے:۔

مَنْ يَّخْرُجْ مِنْ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ۔[1]

یعنی جو شخص اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ کے حضور جانے کے لئے نکلا اور پھر منزلِ مقصود تک پہنچنے سے پہلے ہی) موت نے اس کو آلیا تو اللہ تعالیٰ اُسے اُس کی نیت اور عمل کا ضرور اجر دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس کا اجر محفوظ ہو گیا۔

---

[1] : نساء : ۱۰۱

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مَنْ خَرَجَ حَاجًّا اَوْ مُعْتَمِرًا اَوْ غَازِيًا ثُمَّ مَاتَ فِيْ طَرِيْقِهٖ كَتَبَ اللّٰهُ لَهٗ اَجْرَ الْغَازِيْ وَالْحَاجِّ وَالْمُعْتَمِرِ۔[۱]

یعنی جو شخص حج یا عمرہ یا جہاد کی نیت سے نکلے اور پھر راستہ میں مر جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی نیت اور عمل کے مطابق اُسے غازی ۔ حاجی یا عمرہ کرنے والے کا ثواب دے گا ۔

رہا دوسرے کو اُس کی طرف سے حج کیلئے بھجوانے کا مسئلہ تو یہ جائز اور باعث ثواب ہے لیکن ضروری نہیں ۔ اس بارہ میں علماء حنفیہ لکھتے ہیں :۔

"لَا يَجِبُ الْاِحْجَاجُ عَنْهُ بِدُوْنِ الْوَصِيَّةِ"۔[۲]

یعنی مرنے والے کی وصیّت کے بغیر اس کی طرف سے حج کروانا وارثوں پر واجب اور ضروری نہیں ۔ ہاں اگر وہ وصیّت کر جائے اور اس کے ترکہ کے تیسرے حصّہ سے یہ وصیّت پوری کی جا سکتی ہو تو پھر وارثوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسکی وصیّت کے مطابق کسی نیک متقی کو حج کے لئے مکہ مکرمہ بھجوائیں ۔

سوال :۔ کیا کوئی مسلمان کسی غیر مسلم دوست کی خواہش کے پیش نظر اس کے خرچ پر حج کر سکتا ہے ؟

جواب :۔ عبادات اسلامی یعنی نماز ، روزہ ، حج وغیرہ کے فرض ہونے کی بعض شرائط ہیں ۔ اگر یہ شرائط موجود نہ ہوں تو ان عبادات کا بجالانا فرض نہیں ہوتا ۔ مثلاً حج کے فرض ہونے کے لئے مالی استطاعت شرط ہے جس شخص کے پاس مال ہی نہیں اس پر حج بھی فرض نہیں ۔ پس ایسے شخص کے فرض حج ادا کرنے کے معنے ہی کچھ نہیں رہتے ۔ رہا نفلی حج کا ثواب تو یہ ایک الگ صورت ہے جس کا براہ راست اسلام کے اس مخصوص رکن سے کچھ تعلق نہیں ۔ ہاں شعائر اللہ کی زیارت اور مقامات مقدسہ میں جا کر دُعا کرنے کا ایک موقع مل جاتا ہے یہ ثواب کے کام تصور میں آ سکتے ہیں ۔ لیکن جہاں تک حج کی فرضیّت کا تعلق ہے ۔ فرض اُسی کا ادا ہو گا جس پر حج فرض ہے ۔ پس بنیادی طور پر یہ سوال ہی غلط ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کو حج کے لئے بھجوائے تو اس کا ثواب مسلمان کو پہنچے گا یا نہیں ۔ جب اس مسلمان پر حج فرض ہی نہیں تو فرض عبادت کو بجالانے اور اس

---

[۱] :۔ مشکوٰۃ صفحہ ۲۲۲ ؛ [۲] :۔ تحفۃ الفقہاء صفحہ ۲۳۹ ؛

کا ثواب ملنے کے کیا معنے؟

رہا مقامات مقدسہ کی زیارت کا سوال تو یہ مقصد تو بہرحال مکہ مکرمہ جانے سے حاصل ہو جاتا ہے اور نیت کے مطابق اس کا ثواب بھی ملے گا۔ زیارت کرنے والے کو بھی اس کی نیت کے مطابق اور اس کے لئے پیسے دینے والے کو اس کی نیت اور حالت کے مطابق۔ بہرحال اصول یہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم بہتر تعلقات اور نیک غرض کے پیشِ نظر کسی مستحق مسلمان کو کوئی رقم دے تو اس رقم کو لے لینا اور اس کے خرچ سے اپنے طریق کے مطابق کوئی عبادت بجالانا مثلاً حج کرنے مکہ چلے جانا، مسجد بنوانا یا قرآن کریم یا کسی اور دینی کتاب کی اشاعت و طباعت میں حصہ لینا منع نہیں۔ یہ نیک کام کرنے والے مسلمان کو اپنی جگہ اس کی عبادت کا ثواب ملے گا اور جس نے نیک تعلقات کے پیشِ نظر رقم دی ہے اُسے بھی اس کا اجر جس رنگ میں اللہ تعالیٰ چاہے گا دے گا۔

ایک صحابیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ جاہلیت میں مَیں نے جو اچھے کام کئے ہیں کیا اس کا بھی مجھے اجر ملے گا تو آپؐ نے فرمایا۔ اسلام قبول کرنے کی سعادت اور توفیق انہی کاموں کا ہی نتیجہ ہے۔ حدیث کے الفاظ یہ ہیں:۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَرَأَيْتَ اَشْيَاءَ كُنْتُ اَتَحَنَّثُ بِهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ صَدَقَةٍ اَوْعِتَاقَةٍ وَصِلَةِ رَحِمٍ فَهَلْ فِيهَا مِنْ اَجْرٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَسْلَمْتَ عَلٰى مَا سَلَفَ مِنْ خَيْرٍ۔ [1]

اسی طرح ایک یہودی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں اپنے سات بہترین باغ وقف کئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبول فرمایا۔ اس کا نام مُخَيْرِيق تھا۔ ان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مُخَيْرِيقُ سَابِقُ يَهُوْدَ۔ [2]

یعنی مخیریق یہودیوں سے سب سے آگے جانے والے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے براہین احمدیہ کی اشاعت کے سلسلہ میں ایک سکھ رئیس سے چندہ قبول فرمایا۔ چنانچہ حضور نے اپنے ایک اشتہار مندرجہ براہین احمدیہ جلد چہارم ۱۸۸۴ء میں لکھا ہے:۔

---

[1] :۔ بخاری صفحہ ۱۹۳/۱ ؎

[2] :۔ اصابہ صفحہ ۳۹۳/۳ ؎

"سردار عطر سنگھ صاحب رئیس اعظم لدھیانہ نے کہ جو ایک ہندو رئیس ہیں اپنی عالی ہمتی اور فیاضی کی وجہ سے بطور اعانت ۲۵ روپے بھیجے ہیں۔ سردار صاحب موصوف نے ہندو ہونے کی حالت میں اسلام سے ہمدردی ظاہر کی ہے۔" [۱]

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک ہندو رانی کی نذر اور دعوت بھی قبول فرمائی۔ حضور ۱۸۹۹ء میں دھاریوال کے سفر میں تھے کہ "راستہ میں رانی ایشر کور (ساکنہ دھام سردار جمیل سنگھ کی بیوہ بہو) کا خاص آدمی پیغام لے کر ملا کہ آپ میرے ہاں قیام فرماویں۔ چنانچہ حضرت اقدس نے اس کا پیغام منظور فرما لیا اور وہیں قیام فرما ہوئے ...... تھوڑی دیر کے بعد رانی ایشر کور نے اپنے اہل کاروں کے ہاتھ ایک تھال مصری کا اور ایک باداموں کا بطور نذر پیش کیا اور کہلا بھیجا بڑی مہربانی فرمائی۔ میرے واسطے آپ کا تشریف لانا ایسا ہے جیسے سردار جمیل سنگھ آنجہانی کا آنا۔ حضرت اقدس نے نہایت سادگی اور اس لہجہ میں جو ان لوگوں میں خداداد ہوتا ہے۔ فرمایا کہ اچھا آپ نے چونکہ دعوت کی ہے یہ نذر بھی لے لیتے ہیں۔" [۲]

سوال :۔ حج بیت اللہ کے منظر کو فلما کر آج کل سینما میں دکھایا جا رہا ہے اس کے متعلق جماعتی ہدایت کیا ہے؟

جواب :۔ سینما دیکھنے کے بارہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اصولی ارشاد یہ ہے :۔

(۱) اگر فلم حقیقی مناظر کی ہے تو کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اگر وہ ایکٹنگ سے تیار کی گئی ہے تو اسے دیکھنے کی اجازت نہیں۔" [۳]

(ii) سینما اپنی ذات میں برا نہیں بلکہ اس زمانہ میں اس کی جو صورتیں ہیں وہ مخرب الاخلاق ہیں۔ اگر کوئی فلم کلی طور پر تبلیغی ہو یا تعلیمی ہو اور اس میں کوئی حصہ تماشہ وغیرہ کا نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔" [۴]

۱: تبلیغ رسالت ص۴۳ ؛ ۲: ملفوظات ص۲۹۲/۱ ؛ ۳: الفضل ۲ جولائی ۱۹۲۲ء ؛ ۴: مطالبات تحریک جدید ص۳۹

زکوٰۃ
— اور —
انفاق فی سبیل اللہ

اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنے اموال کو خرچ کرنا جہاں ایک بہت بڑی نیکی بھلائی اور ملک کی خوشحالی کی ایک یقینی ضمانت ہے وہاں یہ ایک مالی عبادت بھی ہے۔

جو قومیں ذخیرہ اندوزی اور مال جمع کرنے کی عادی ہیں اور قومی ضرورتوں اور رفاہ عامہ کے کاموں میں کھلے دل سے خرچ کرنے سے ہچکچاتی ہیں تباہی اور بربادی ان کے دروازہ پر کھڑی ہوتی ہیں۔ فتنہ اور فساد۔ بدامنی اور انتشار اس ملک کا نصیبہ بن چکا ہوتا ہے جس میں یہ بخیل قوم بستی ہے۔

انسان کے پاس جو مال ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے اور اُس کی امانت ہے اگر اللہ تعالیٰ اس امانت میں سے کچھ واپس لینا چاہے اور بندے کو کہے کہ اُس کے دیئے ہوئے مال میں سے وہ اس کی راہ میں خرچ کرے تو خوشی اور پورے انشراح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو ماننا اور اس کی راہ میں خرچ کرنا انسان کی عین سعادت اور اس کی مزید برکات کے مورد بننے کا یقینی اور قطعی ذریعہ ہے۔

"اَلْخَلْقُ عِیَالُ اللّٰہِ"[1] کے تحت زیست کے لحاظ سے سب انسان اللہ تعالیٰ کے حضور ایک جیسا حق اور درجہ رکھتے ہیں اور دنیا کے تمام اموال میں وہ سب برابر کے شریک ہیں۔ تاہم اپنے اپنے وسائل اور استعداد یافت کے لحاظ سے مقدار ملکیت میں وہ ایک جیسے نہیں ہیں بلکہ حالات کے اعتبار سے کسی کے پاس مال زیادہ ہے اور کسی کے پاس کم۔ ایک شخص کمانے کے زیادہ بہتر ڈھنگ جانتا ہے اور دوسرا اس راہ میں اناڑی اور بے وسیلہ ہے لیکن اس تفاوت کی وجہ سے کمزور بے وسیلہ اور نادار اپنے

[1] :۔ مخلوق اللہ تعالیٰ کی عیال ہے۔

اصل حق سے محروم نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم کی آیت وَفِیْٓ اَمْوَالِھِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ[1] (الذّٰریٰت: ۲۰) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔ پس مالداروں پر فرض ہے کہ ان کے اموال میں جو دوسروں کا حق ہے وہ بخوشی اور پوری فراخ دلی کے ساتھ اسے ادا کریں۔ اس میں ان کی اپنی بھلائی اور ان کی تحویل میں جو مال ہے اس کی حقیقی حفاظت کا راز مضمر ہے۔

غرباء اور ناداروں کو یہ حکم ہے کہ وہ دوسروں کے مال کو حرص اور لالچ اور بغض و عناد کی نیّت سے نہ دیکھیں اور ناجائز طریق سے اُسے ہتھیانے اور اُس پر زبردستی قبضہ کرنے کی راہ اختیار نہ کریں۔ دوسری طرف مالداروں کو یہ حکم ہے کہ وہ معاشرہ کے غرباء اور ناداروں کا خیال رکھیں اور ضروریات زندگی خوراک۔ لباس اور رہائش وغیرہ کے مسائل میں انہیں ایسے حال میں نہ رہنے دیں جو ناگفتہ بہ ہو اور اس میں انہیں تنگی اور دقّت کا سامنا کرنا پڑے۔ پس اگر امراء اور مالدار یہ چاہتے ہیں کہ غرباء اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو مانیں جو دوسروں کے مال پر دست درازی نہ کرنے کے بارہ میں اُنہیں دیا گیا ہے تو اُن کا بھی فرض ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو مانیں اور صدق دل سے اس پر عمل کریں جو ان کو دنیا سے غربت اور احتیاج کو مٹانے اور اُسے کم کرنے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرنے کے بارہ میں دیا گیا ہے۔ اس وقت دنیا کو کئی معاشی مسائل درپیش ہیں لیکن سب سے بڑا مسئلہ غیر مساوی تقسیم دولت کا ہے۔ ایک طبقہ جہاں انتہائی امیر ہے وہاں ایک طبقہ انتہائی غریب اور خستہ حال ہے۔ اس غیر طبعی تفاوت کی وجہ سے دونوں طبقوں میں منافرت اور مغائرت پیدا ہو رہی ہے اور اس طرح ان میں حسد۔ بغض۔ کینہ اور انتقام جیسے مکروہ جذبات بار بار بحرانی کیفیات اور انقلابی شور و شر کا باعث بنتے رہتے ہیں اور دنیا نے اب تک اس سے نجات نہیں پائی۔ ایک طرف اگر سرمایہ دار اپنے وسائل کے بل بوتے پر کثیر دولت جمع کر رہے ہیں تو دوسری طرف غریب اپنی محنت فروخت کرنے کی فکر میں مارے مارے پھرتے ہیں اور ان کی محنت کی صحیح قیمت دینے والا ملنا ان کے لئے مشکل ہو رہا ہے۔

امیر و غریب کی اس وسیع خلیج کو پاٹنے کا بہترین ذریعہ انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کی عادت سے یہ احساس اُجاگر ہوتا اور جلا پاتا ہے کہ ہر ایک کو اُس کا صحیح حق ملنا چاہیئے اور کسی کو لوٹ مار یا حق تلفی اور محرومی کا احساس نہیں ہونے دینا چاہیئے۔

---

[1]:- اور ان کے مالوں میں مانگنے والوں کا بھی حق تھا اور جو مانگ نہیں سکتے تھے اُن کا بھی حق تھا۔

اسلام نے جہاں انفاقِ مال کی پُرزور تحریک فرمائی وہاں اس کی غرض بھی متعین کردی یعنی خرچ کرنے والے کا مقصد محض رضائے الٰہی ہو کوئی دنیوی غرض اُس کے پیچھے کارفرما نہ ہو ورنہ خودغرضی۔ لالچ۔ ناجائز کمائی کی حرص اور دوسروں پر احسان جتانے کی بدعادت سے نجات مشکل ہوگی اور وہ مقصد حاصل نہیں ہوسکے گا جس کے لئے اپنے مال سے خرچ کرنے کی اتنے زور کے ساتھ تحریک کی گئی ہے۔

انفاق فی سبیل اللہ کے نظام کو دوام بخشنے اور بسہولت جاری کرنے کے لئے اسلام نے کفایت شعاری اور تکلف سے پاک سادہ زندگی اختیار کرنے کی تلقین کی ہے اور اسراف[۱] کی راہوں سے بچنے کی ہدایت فرمائی ہے کیونکہ تکلّفات کی راہیں بے شمار ہیں اگر انسان ان میں پڑجائے تو گنجِ قارون بھی ناکافی ہے اور جب ذاتی اخراجات اتنے بڑھے ہُوئے ہوں اور انسان تکلّفات کا شکار ہو تو انفاق فی سبیل اللہ کے لئے اس کے دل میں کیا بشاشت آئے گی اور اس کے لئے وہ کیسے جرأت کرے گا۔

انفاق فی سبیل اللہ کی اقسام

اسلامی اصطلاح میں انفاق فی سبیل اللہ کا دوسرا نام صدقات ہے اور صدقات کی کئی اقسام ہیں مثلاً :-

۱۔ قومی اور اجتماعی ضروریات کے لئے مال خرچ کرنا اس کے لئے ضرورت شرط ہے اگر اجتماعی خطرات منڈلا رہے ہوں اور دینی قیادت مطالبہ کرے کہ جس کے پاس جو کچھ ہے وہ لے آئے تاکہ ان خطرات کا مقابلہ کیا جا سکے، تو سب کا فرض ہو جاتا ہے کہ جو بھی جس کے پاس ہے وہ لاکر پیش کردے ارشادِ الٰہی اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔ (التوبہ[۲]:۱۱۱) میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہے۔

---

[۱]:۔ لَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ۔ (الانعام : ۱۴۲)
اور اسراف سے کام نہ لو کیونکہ وہ اسراف سے کام لینے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

[۲]:۔ ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کی جانوں اور ان کے مالوں کو (اس وعدہ کے ساتھ) خرید لیا ہے کہ ان کو جنّت ملے گی ؛

۲ ۔ بچت اور زائد از ضرورت مال میں سے خرچ کرنا۔ اس کی آگے دو قسمیں ہیں :۔

الف :۔ طوعی خرچ جس کی تعیین انسان اپنی مرضی سے کرتا ہے جیسے نفلی صدقات جنہیں انسان کے اندرونی تقویٰ کے فیصلہ پر چھوڑ دیا گیا ہے ۔ اسی طرح شکرانہ اداءِ احسان ۔ تحائف اور معاشرتی تعلقات کی بہتری کے لئے مختلف قسم کے اخراجات بھی طوعی خرچ میں شامل ہیں ۔

ب :۔ لازمی خرچ جسے ایک مسلمان عمومی لحاظ سے اختیار کرنے کا پابند ہے جیسے اجتماعی لازمی چندہ جات جو عام ملی نظام اور اشاعت اسلام کے کام کو جاری رکھنے کے لئے خلیفۂ وقت کی طرف سے بلائی گئی مجلس مشاورت نے تجویز کئے ہوں اور خلیفۂ وقت نے ان کی منظوری دی ہو ۔

ج :۔ حکومت کی طرف سے عائد کردہ محصولات بھی اسی ضمن میں آتے ہیں ۔

د :۔ علاوہ ازیں نفقۂ اقارب ، حق الخدمت ، صدقۃ الفطر ۔ فدیہ ۔ کفارہ اور نذر کے اخراجات بھی لازمی خرچ کے ہی حصے ہیں ۔

ھ :۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک لازمی خرچ وہ ہے جس کا خصوصی اور اصطلاحی نام زکوٰۃ ہے اور اسی خرچ کی تفصیل اس وقت پیش نظر ہے :۔

زکوٰۃ بچت میں سے لازمی خرچ کی اہم ترین قسم ہے کیونکہ یہ وہ کم سے کم انفاق فی سبیل اللہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر ہر صاحب نصاب مسلمان کے لئے ضروری ہے ۔ معاشرہ کو اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو ہر حال میں یہ خرچ لابدی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اُس وقت بھی ضروری ہوگی جبکہ معاشرہ کی تمام قومی اور انفرادی ضرورتیں دوسرے ذرائع سے بأحسن وجوہ پوری ہو رہی ہوں کیونکہ یہ مالی خرچ دراصل اس غرض کیلئے عائد کیا گیا ہے تاکہ افراد کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کی عادت رہے ۔ اکتناز ۔ بخل اور حرص کی جڑیں کٹتی رہیں ۔ اور ارشاد ربانی کَیۡ لَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ [1] کا مقصد پورا ہو ۔ اور معاشرہ ظالم اور بخیل افراد کی احتیاج سے محفوظ ہو جائے ۔

---

[1] :۔ الحشر: ۸ ترجمہ :۔ یعنی مال تم میں سے مالداروں کے اندر چکر نہ کھاتا پھرے ۔

زکوٰۃ اور انکم ٹیکس میں فرق

زکوٰۃ کے معنے ہیں پاک کرنا. نشو و نما دینا ۔ خوشحالی سے ہمکنار کرنا ۔ اس لحاظ سے جو مسلمان خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور اُس کی رضا کی خاطر زکوٰۃ ادا کرتا ہے وہ اپنے آپ کو اکتناز اور مال جمع کرنے کی حرص سے پاک کرتا ہے ۔ اُس کے مال میں جو دوسروں کا حق ہے وہ ادا کر کے اپنے مال کو پاکیزہ اور طیب بناتا ہے اللہ تعالیٰ کی برکتوں اور اس کے فضلوں کا وارث بنتا ہے ۔ غریبوں اور ضرورتمندوں کی ضروریات پوری کر کے امن و آشتی حفظ و امان کے حالات پیدا کرتا ہے ۔ اس طرح اپنے مال کی حفاظت اُس کی تجارت کے فروغ اور صنعت و حرفت کی ترقی کے لئے راہ ہموار کرتا ہے اور سارے ملک کی خوشحالی اور اضافۂ دولت کی ضمانت دیتا ہے ۔

ایک مسلمان زکوٰۃ کو ایک عبادت سمجھ کر خوش دلی سے ادا کرتا ہے کیونکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے احسانات کی وجہ سے جذبۂ تشکر اور اس کے فضلوں کی اُمید کارفرما ہوتی ہے اس کے برعکس انکم ٹیکس کے ادا کرنے میں یہ محرکات بڑی حد تک مفقود ہوتے ہیں اور اس وجہ سے انسان بعض اوقات اس سے بچنے کے حیلے تلاش کرتا ہے ۔ نیز اس کی شرح کا تعین چونکہ بندوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے اس لئے اس میں انصاف کے عناصر ایک حد تک مفقود ہو سکتے ہیں ۔ اس طرح دونوں طرف بے اعتمادی اور بے اعتباری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں ۔

زکوٰۃ بچت اور جمع شدہ دولت پر لگتی ہے گویا جمع شدہ سرمایہ پر یہ ایک بہترین قسم کا محصول ہے جس کے نتیجہ میں سرمایہ گردش پر مجبور ہو جاتا ہے اور تقسیم دولت کے رجحان ۔ کاروبار اور سرمایہ کاری کو اس سے فروغ ملتا ہے ۔ اس کے برعکس انکم ٹیکس آمدنیوں پر لگایا جاتا ہے جس کی وجہ سے سرمایہ کاری ایک حد تک رُک جاتی ہے ۔ روپیہ جمع کرنے اور دولت کے انبار لگانے کا جذبہ ترقی پاتا ہے اور روپیہ کی گردش کم ہو جاتی ہے ۔ بے کاری اور بے روزگاری بڑھ جاتی ہے اور عامۃ الناس کی قوتِ خرید نہ ہونے کے برابر رہ جاتی ہے ۔

لیکن زکوٰۃ دینے سے معاشرہ کی عملی قوتیں بیدار ہوتی ہیں جو دولت میں اضافہ اور معاشرہ کی خوش حالی کا موجب بنتی ہیں ۔

زکوٰۃ و صدقات کے بارہ میں قرآنی ارشادات

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں زکوٰۃ و صدقات کے بارہ میں جو آیات نازل فرمائی ہیں ان میں سے بعض درج ذیل ہیں :-

۱۔ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَ تُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۔ [1]

اے رسول ان کے مالوں میں سے صدقہ لے تاکہ تو انہیں پاک کرے اور ان کی ترقی کے سامان مہیا کرے اور ان کے لئے دعائیں بھی کرتا رہ کیونکہ تیری دُعا ان کی تسکین کا موجب ہے اور اللہ تیری دعاؤں کو بہت سُننے والا اور حالات کو جاننے والا ہے۔

۲۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ۔ [2]

جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے اس فعل کی حالت اس دانہ کی حالت کے مشابہ ہے جو سات بالیں اُگائے اور ہر بالی میں سَو دانہ ہو۔ اور اللہ جس کے لئے چاہتا ہے اس سے بھی بڑھا بڑھا کر دیتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

۳۔ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَ تَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ط وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔ [3]

جو لوگ اپنے مال اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اور اپنے آپ کو مضبوط کرنے کے لئے خرچ کرتے ہیں اُن کے خرچ کی حالت اس باغ کی حالت کے مشابہ ہے جو اونچی جگہ پر ہو اور اس پر تیز بارش ہوئی ہو جس کی وجہ سے وہ اپنا پھل دوچند لایا ہو اور اس کی یہ کیفیت ہو کہ اگر اُس پر زور کی بارش نہ پڑے تو تھوڑی سی بارش

---

[1] :- التوبہ : ۱۰۳ ÷ [2] :- البقرۃ : ۲۶۲ ÷ [3] :- البقرۃ : ۲۶۶ ÷

ہی اس کے لئے کافی ہو جائے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اُسے دیکھ رہا ہے۔

۴۔ قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ؏

تو کہہ دے میرا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق کا دروازہ کھول دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے لیکن لوگوں میں سے اکثر جانتے نہیں۔

۵۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ یَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۔ الآیۃ ؏

مومن مرد اور مؤمن عورتیں آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں وہ نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں اور نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہ ایسے لوگ ہیں کہ اللہ ضرور ان پر رحم کرے گا۔ اللہ غالب اور بڑی حکمت والا ہے۔

۶۔ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَمَسٰكِنَ طَیِّبَةً فِیْ جَنّٰتِ عَدْنٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ۔ ؏

اللہ نے مؤمن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسی جنات کے وعدے کئے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ اُن میں ہمیشہ رہیں گے اور ہمیشہ رہنے والی جنتوں میں پاک رہائش گاہوں کا بھی وعدہ کیا ہے اور ان کے علاوہ اللہ کی رضا مندی سب سے بڑا انعام ہے جو اُن کو ملے گا۔ اور اس کا ملنا بہت بڑی کامیابی ہے۔

۷۔ وَالَّذِیْنَ یَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا یُنْفِقُوْنَهَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ یَّوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ۔ ؏

وہ لوگ بھی جو سونے اور چاندی کو جمع رکھتے ہیں ۔ اور اللہ کے راستہ میں خرچ

؏: سبا: ۳۷ ؛ ؏: التوبہ: ۷۱، ۷۲ ؛ ؏: التوبہ: ۷۲ ؛ ؏: التوبہ: ۳۴، ۳۵ ؛

نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر دے۔ یہ عذاب اس دن ہوگا جب کہ اس جمع شدہ سونے اور چاندی پر جہنم کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ پھر اس سونے اور چاندی سے ان کے ماتھوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغ لگائے جائیں گے اور کہا جائے گا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو تم اپنی جانوں کے لئے جمع کرتے تھے پس جن چیزوں کو تم جمع کرتے تھے ان کے مزہ کو چکھو۔

۸۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ۔ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ۔ [۱]

اور ان میں سے کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو اللہ سے یہ عہد کرتے ہیں کہ اگر وہ اللہ ہمیں اپنے فضل سے کچھ دے گا تو ہم ضرور اس کی راہ میں صدقہ کریں گے اور ہم ضرور نیک بن جائیں گے۔ اور جب اس خُدا نے ان کو اپنے فضل سے مال عطاء فرمایا تو انہوں نے اس کی راہ میں اسے خرچ کرنے سے بخل کیا اور اپنے پرانے طریقوں کی طرف لوٹ گئے اور خُدا اور رسول کی باتوں سے روگردانی کرتے ہُوئے پیٹھ پھیر لی۔ پس نتیجہ یہ ہُوا کہ اس نے اُن کے دلوں میں اُس دن تک کے لئے جب وہ اس سے ملیں گے نفاق کا سلسلہ چلا دیا کیونکہ انہوں نے جو خُدا سے وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور بوجہ اس کے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے۔

۹۔ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ [۲]

اور جو لوگ اس مال کے دینے میں جو اللہ نے ان کو اپنے فضل سے دیا ہے بخل کرتے ہیں وہ اپنے لئے اس کو ہرگز اچھا نہ سمجھیں اچھا نہیں بلکہ وہ ان کے لئے بُرا ہے جن مالوں میں وہ بخل سے کام لیتے ہیں قیامت کے دن یقیناً ان کا طوق بنایا

---

[۱] التوبہ: ۷۵ تا ۷۷ ۔ [۲] آل عمران: ۱۸۱ ۔

جائے گا اور ان کے گلوں میں ڈالا جائے گا۔ اور آسمانوں اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لئے ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے آگاہ ہے۔

۱۰۔ اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۝ [۱]

شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے اور تمہیں بے حیائی کی تلقین کرتا ہے اور اللہ اپنی طرف سے ایک بڑی بخشش اور بڑے فضل کا تم سے وعدہ کرتا ہے اور اللہ بہت وسعت دینے والا اور بہت جاننے والا ہے۔

۱۱۔ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ رِّبًا لِّیَرْبُوَا فِیْٓ اَمْوَالِ النَّاسِ فَلَا یَرْبُوْا عِنْدَ اللّٰہِ وَمَآ اٰتَیْتُمْ مِّنْ زَکٰوۃٍ تُرِیْدُوْنَ وَجْہَ اللّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُضْعِفُوْنَ ۝ [۲]

اور جو روپیہ تم سود حاصل کرنے کے لئے دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مالوں میں بڑھے تو وہ روپیہ اللہ کے حضور میں نہیں بڑھتا اور جو تم اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے زکوٰۃ کے طور پر دیتے ہو تو یاد رکھو کہ اسی قسم کے لوگ خدا کے ہاں روپیہ بڑھا رہے ہیں۔

۱۲۔ رِجَالٌ لَّا تُلْہِیْہِمْ تِجَارَۃٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَاِقَامِ الصَّلٰوۃِ وَاِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ ۙ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْہِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۙ لِیَجْزِیَہُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَیَزِیْدَہُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ ؕ وَاللّٰہُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ [۳]

یہ ذکر کرنے والے اللہ کے کچھ ایسے بندے ہیں جن کو اللہ کے ذکر سے اور نماز کے قائم کرنے سے اور زکوٰۃ کے دینے سے نہ تجارت اور نہ سودا بیچنا غافل کرتا ہے وہ اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اُلٹ جائیں گے اور آنکھیں پلٹ جائیں گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ ان کو اعمال کی بہتر سے بہتر جزا دے گا اور ان کو اپنے فضل سے مال و اولاد میں بڑھا دے گا اور اللہ جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے رزق دیتا ہے۔

---

[۱]۔ البقرۃ: ۲۶۹ ؛ [۲]۔ الروم: ۴۰ ؛ [۳]۔ النور: ۳۸، ۳۹ ؛

زکوٰۃ واجب ہے

اسلام نے روپیہ کمانا منع نہیں کیا ہاں روپیہ کو بند رکھنا اور خرچ نہ کرنا ناجائز قرار دیا ہے تاہم اگر کوئی شخص اپنی آئندہ کی ضروریات کے لئے بطور احتیاط کچھ روپیہ جمع کرتا ہے اور پڑے پڑے اس پر سال گزر جاتا ہے تو اس روپیہ پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ۔ [۱]

اے رسول ان کے اموال میں سے زکوٰۃ وصول کر اس طرح تو ان کو پاک اور ان کے تزکیہ کے سامان کرے گا۔

اموال زکوٰۃ

اموال زکوٰۃ کی دو قسمیں ہیں۔ اموالِ باطنہ اور اموالِ ظاہرہ۔

اموالِ باطنہ یہ ہیں:-

نقد روپیہ۔ سونا۔ چاندی خواہ کسی شکل میں ہو۔ زیورات ہوں یا استعمال کی کوئی اور چیز۔

اموالِ ظاہرہ یہ ہیں:-

الف:- مویشی مثلاً اونٹ۔ گائے۔ بھینس۔ بھیڑ۔ بکری۔ بشرطیکہ یہ باہر سرکاری چراگاہوں یا شاملات دیہہ میں چرتے ہوں اور ان کو گھر میں باقاعدہ چارہ ڈالنے کی ضرورت نہ پڑے [۲]

ب:- زمین میں پیدا ہونے والی فصلیں جیسے گندم۔ جَو۔ مکی۔ چاول۔ باجرہ۔ کھجور۔ انگور۔ جنگلی شہد جو کسی نے اکٹھا کیا ہو۔ [۳]

---

[۱]:- التوبۃ: ۱۰۳ ؛ [۲]:- گھوڑے اور گدھے بھی اموال زکوٰۃ میں شامل ہیں یا نہیں اور ان کی شرح زکوٰۃ کیا ہے۔ یہ سوال بحث طلب ہے ؛ [۳]:- یہ سوال بھی بحث طلب ہے کہ دوسری نقد آور فصلیں مثلاً کپاس۔ گنا۔ تیل والے بیج۔ ربڑ۔ مختلف سبزیات۔ تربوز۔ خربوزے۔ سردے۔ گرمے۔ مختلف پھل مثلاً سیب۔ آم۔ مالٹے۔ کنوں۔ میٹھے۔ کیلا۔ بادام۔ اخروٹ۔ پستہ۔ چلغوزے وغیرہ۔ اس قسم کی پیداوار پر زکوٰۃ ہے یا نہیں اس مسئلہ کو زیرِ غور لایا جا سکتا ہے اور اصولِ قیاس سے کام لیکر کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے ؛

ج :۔ وہ معدنیات جو افراد کی تحویل میں ہوں ۔ مثلاً لوہے کی کان ۔ تانبے کی کان ۔ ٹین کی کان ۔ تیل کے کوئیں وغیرہ ۔

د :۔ اموال تجارت ۔ صنعت و حرفت میں لگا ہوا سرمایہ ۔

☜ اموال ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اصل حق حکومت کو ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ جن زمینوں سے حکومت مالیہ وصول کرتی ہے یا جس تجارتی اور صنعتی کاروبار پر انکم ٹیکس لگاتی ہے ان پر مزید زکوٰۃ نہیں ۔ سوائے اس کے کہ کسی مال پر حکومت کا ٹیکس زکوٰۃ کی مقررہ شرح سے کم ہو اس صورت میں جو فرق ہے اُس کے حساب سے اپنے طور پر یا حکومت کے مطالبہ پر بخوشی زکوٰۃ ادا کرنا باعث خیر و برکت اور موجب ثواب ہوگا ۔

☜ اموال باطنہ کی نگرانی حکومت کی طرف سے نہیں کی جا سکتی جیسے جمع شدہ نقد روپیہ ۔ زیورات ۔ مختلف قسم کے قیمتی جواہر ۔ بیش قیمت پتھر لعل ۔ یاقوت ۔ زمرد ۔ ان اموال کی زکوٰۃ ادا کرنا ایک سچے مسلمان کی ذاتی ذمہ واری ہے ۔ یہ زکوٰۃ غربا ۔ مساکین اور مستحقین کو افراد خود اپنی مرضی سے بھی دے سکتے ہیں اور دینی انجمنوں اور اشاعتِ اسلام کے مرکزی اداروں کے ذریعہ بھی تقسیم کر سکتے ہیں ۔ زیادہ بہتر اور ہر لحاظ سے بابرکت صورت یہ ہے کہ اس قسم کی ساری زکوٰۃ خلیفۂ وقت کی خدمت میں بھجوائی جائے تاکہ ساری جماعت کے غرباء ۔ مساکین اور مستحقین کو اس مال میں سے حصہ مل سکے یہی وجہ ہے کہ تمام علماء امّت نے یہ اصول تسلیم کیا ہے کہ زکوٰۃ کی تقسیم امام وقت کا حق ہے ۔ [1]

شرائط وجوبِ زکوٰۃ

زمین کی پیداوار مثلاً مختلف قسم کے غلّے ۔ کھجور ۔ انگور ۔ شہد ۔ ان پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ۔ جب وہ برآمد ہوں اور ان کا نصاب مکمل ہو ۔ اس کے بعد یہ پیداوار خواہ کتنے سال پڑی رہے اس پر زکوٰۃ عائد نہیں ہوگی ۔

دوسری قسم کے اموال مثلاً نقد روپیہ ۔ سونا ۔ چاندی ۔ اموال تجارت ۔ مویشی ۔ ان پر زکوٰۃ تب واجب ہوگی جبکہ وہ مقررہ نصاب کے برابر ہوں اور سال بھر ملکیت میں رہیں گویا جتنے سال وہ ملکیت میں رہیں گے ہر سال اُن پر زکوٰۃ واجب ہوگی ۔

---

[1] :۔ تشریح الزکوٰۃ صفحہ ۱۳۶ ۔

مویشیوں کے لئے ایک خصوصی شرط یہ بھی ہے کہ وہ باہر سرکاری چراگاہوں جنگلوں اور شاملات دیہہ میں چرتے ہوں اور اسی پر ان کا گزارہ ہو۔ انہیں خود چارہ ڈالنے کی ضرورت نہ پڑتی ہو نیز وہ جوتنے اور لادنے کے کام نہ آتے ہوں۔

مویشیوں کی زکوٰۃ دراصل ایسے ممالک اور علاقوں کے ساتھ وابستہ ہے جہاں وسیع چراگاہیں میسّر ہیں جن کے سہارے وہاں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں ریوڑ اور گلے پالے جاتے ہیں اور مقصد مال کمانا یا دودھ یا گوشت برآمد کرنا ہوتا ہے یا اسی قسم کے دوسرے تجارتی اور کاروباری مقاصد کے لئے بطور پیشہ جانور پالے جاتے ہوں۔

نصابِ زکوٰۃ اور شرحِ زکوٰۃ

نقدی۔سونا۔چاندی اور دوسرے ہر قسم کے سرمایہ کے لئے نصاب کا معیار چاندی ہے یعنی جس کے پاس باونؔ تولہ چھ ماشہ (۵۲½ تولہ) چاندی ہو یا اتنا روپیہ یا سونا ہو کہ اُس سے اس مقدار میں چاندی خرید کی جاسکتی ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔شرحِ زکوٰۃ پورے سرمایہ کا چالیسواں حصّہ یا اڑھائی (۲½) فی صد ہے۔ مثلاً اگر باون تولہ چھ ماشہ چاندی کی قیمت چار صد روپیہ ہے اور اتنی رقم اُس کے پاس ہے تو اڑھائی فی صد کے اعتبار سے دسؔ روپیہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

یہ وہ اموال زکوٰۃ ہیں جن کے لئے معیارِ نصاب چاندی ہے اور نصاب کی مقدار معلوم کرنے کا ذریعہ وزن ہے۔

سونے چاندی کا جو زیور عورت کے ذاتی استعمال میں آتا ہے اور وہ کبھی کبھی مانگنے پر غریب عورتوں کو بھی استعمال کے لئے دے دیتی ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔

سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"جو زیور استعمال میں آتا ہے اس کی زکوٰۃ نہیں ہے اور جو رکھا رہتا ہے اور کبھی کبھی پہنا جاوے اس کی زکوٰۃ دینی چاہیئے جو زیور پہنا جاوے اور کبھی کبھی غریب عورتوں کو استعمال کے لئے دیا جائے بعض کا اس کی نسبت یہ فتویٰ ہے کہ اس کی زکوٰۃ نہیں۔اور جو زیور پہنا جائے اور دوسروں کو استعمال کے لئے نہ دیا جائے

اس میں زکوٰۃ دینا بہتر ہے کہ وہ اپنے نفس کے لئے مستعمل ہوتا ہے اس پر ہمارے گھر میں عمل کرتے ہیں اور ہر سال کے بعد اپنے موجودہ زیور کی زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو زیور روپیہ کی طرح رکھا جائے اس کی زکوٰۃ میں کسی کو بھی اختلاف نہیں"۔ [1]

تجارت میں لگے ہوئے سرمایہ پر زکوٰۃ وصول کرنے کا اصل حق اگرچہ حکومت کو ہے اور وہ ٹیکس کی مقدار کا تعین اپنی ضروریات کو مدنظر رکھ کر کرتی ہے تاہم رہنمائی کے لئے علماء امت نے سرمایہ پر تعین زکوٰۃ کا جو اصول تجویز کیا ہے اس کا مختصر بیان خالی از فائدہ نہ ہوگا۔

صنعت و تجارت میں لگے ہوئے سرمایہ میں سے صرف اسی سرمایہ پر زکوٰۃ ہے جو کاروبار کے چکر میں آتا ہے یعنی مال منگوانے یا بیچنے کے لئے مال تیار کرنے پر صرف ہوتا ہے جو سرمایہ کارخانے کی مشینری۔ عمارات۔ ضرورت کے دفاتر۔ فرنیچر اور حساب کتاب کے رجسٹروں یہی کھاتوں اور فائلوں پر صرف ہوا ہے اس پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔ اسی طرح بسوں۔ ٹرکوں۔ ٹیکسیوں اور کرایہ کے لئے تعمیر کردہ دکانوں اور مکانوں پر صرف ہونے والا سرمایہ بھی زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ اسی طرح وہ اشیاء جو انسان کی حاجات اصلیہ میں خرچ ہوتی ہیں مثلاً رہنے کا مکان پہننے کے کپڑے گھر کا اثاثہ۔ فرنیچر۔ آنے جانے کے لئے موٹر۔ لائبریری کی کتب وغیرہ یہ خواہ کتنی ہی قیمتی ہوں اور لاکھوں روپیہ کی ہوں ان پر بھی زکوٰۃ عائد نہ ہوگی۔

بہرحال چلتی تجارت میں لگے ہوئے سرمایہ پر زکوٰۃ کا حساب اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ جتنا جتنا روپیہ جتنے جتنے ماہ تک تجارت میں لگایا جائے اتنے اتنے روپے اتنے اتنے مہینوں میں ضرب دے کر تمام حاصل ضربوں کو جمع کر لیا جائے اور حاصل جمع کو بارہ پر تقسیم کر کے جو رقم نکلے اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے۔ مثلاً ڈھائی (۲½) سو روپیہ شروع سال میں تجارت پر لگایا جو آخر سال تک بارہ ماہ لگا رہا۔ دو ماہ کے بعد بیس روپیہ اور لگا دیا جو آخر سال تک دس ماہ تجارت پر لگا رہا۔ اس کے دو ماہ بعد پانچ سو روپیہ تجارت پر لگایا جو آخر سال تک آٹھ ماہ تجارت پر لگا رہا۔ سال ختم ہونے پر اس طرح حساب کیا جائے۔

---

[1]:۔ مجموعہ فتاویٰ احمدیہ جلد اوّل صفحہ ۱۶۸ ۔ الحکم ۱۷ نومبر ۱۹۰۵ء۔

ڈھائی سو روپے بارہ مہینے ۔ بیس۲۰ روپے دس ماہ اور پانچ سو روپیہ آٹھ ماہ تک لگے رہے ۔ اس لئے :۔

رقم		میعاد		حاصل ضرب
250	×	12	=	3000
20	×	10	=	200
500	×	8	=	4000
		میزان	=	7,200

تمام ضربوں کا حاصل جمع ۔/ 7200 روپے آیا ۔ اس کو بارہ پر تقسیم کیا تو $\frac{7200}{12}$ = 600 روپے آئے ۔ لہٰذا 600 روپے کا چالیسواں حصہ ۔/ 15 روپے زکوٰۃ نکلی ۔

زمینوں کی پیداوار کا نصاب اور شرح زکوٰۃ

علماءِ اسلام نے زرعی زمین کو ۲ دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ۔ خراجی یعنی اُن علاقوں کی زمین جن پر مسلمانوں نے بزورِ شمشیر قبضہ کیا لیکن وہاں زمین فوجیوں میں تقسیم کرنے کی بجائے حکومت کی ملکیت میں رہنے دی اور زراعت کے لئے انہیں لوگوں کو دے دی گئی جو اُس پر پہلے سے قابض چلے آرہے تھے ۔ ایسی زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ کی بجائے خراج یعنی مالیہ عائد ہوگا جس کی شرح حالات اور حکومت کی ضرورت کے لحاظ سے تبدیل ہوتی رہتی ہے ۔

زمین کی دوسری قسم عشری کہلاتی ہے جیسے ارضِ حجاز کی زمین یا جن علاقوں کی زمین مسلمان فوجیوں میں تقسیم کردی گئی ہو اور انہیں ان کا مالک بنا دیا گیا ہو ۔ ایسی زمینوں کی پیداوار پر عشر یعنی دسواں حصہ بطور زکوٰۃ واجب ہوگا بشرطیکہ بارانی ہوں اور پیداوار پانچ وسق[1] (اندازاً

---

[1] :۔ وَسق ناپنے کا پیمانہ ۔ ایک وسق ۶۰ صاع = ۱۶۵ لیٹر ۔ اس حجم کے پیمانہ میں گیہوں کی جو مقدار آتی ہے اس کے لحاظ سے باعتبار وزن ایک وَسق = ۳ من ۱۹ سیر ۵۹ تولہ ۵ ماشہ ۲ رتی ۔ صاع کی مقدار کی دوسری تحقیق کے مطابق ایک وَسق ۴ من ، سیر ۵ تولہ ہے ۔ (اسلام کا نظام محاصل ص ۹۹)

اکیس[۲۱] من، ہو۔ اگر پیدا وار اس سے کم ہو تو اُس پر زکوٰۃ عائد نہ ہوگی ہاں پیدا وار اگر اکیس[۲۱] من یا اس سے زیادہ ہو تو اُس کا دسواں حصّہ ادا کرنا ہوگا۔ اگر زمین چاہی یا نہری ہے یا چشمہ کے پانی سے سیراب ہوتی ہے تو زکوٰۃ کی شرح نصف عشر یعنی بیس[۲۰] واں حصّہ ہوگی۔ یہ زکوٰۃ تب واجب ہوگی جبکہ اس زمین سے حکومت مالیہ وصول نہ کرتی ہو اگر مالیہ لگا ہُوا ہے تو پھر اصولاً زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ ایک چیز سے دو مستقل ٹیکس وصول نہیں کئے جا سکتے۔

جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اصولاً زمین کی اُسی پیداوار پر زکوٰۃ ہے جو قابلِ ذخیرہ ہے جیسے اناج۔ خشک پھل مثلاً کھجور، کشمش وغیرہ گویا جو پیداوار قابل ذخیرہ نہیں مثلاً سبزیات یا خربوزہ یا تازہ پھل وغیرہ تو اُس پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری نہ ہوگا۔ اگر زمین بٹائی پر دی گئی ہو تو مشترکہ پیداوار سے زکوٰۃ ادا ہوگی اس کے بعد مالک اور مزارع میں بقیہ پیداوار تقسیم کی جائے گی۔

جنگلی شہد جس کی مکھیوں کو پالنے پر انسان کا کچھ خرچ نہیں آتا اگر دس مشکیزہ کے برابر حاصل ہو جائے تو ایک مشکیزہ بطور زکوٰۃ واجب ہوگی گویا شہد کا نصاب دس مشکیزے تسلیم کیا جاتا ہے۔ پالتو مکھیوں کے شہد پر زکوٰۃ نہیں ہے۔

جانوروں کا نصابِ زکوٰۃ اور شرح زکوٰۃ

زکوٰۃ کے جانوروں سے مراد مویشی ہیں جیسے اُونٹ، گائے، بیل، بکری، بھیڑ، چھترا دُنبہ وغیرہ۔

گھوڑے۔ خچر اور گدھے کے بارہ میں اختلاف ہے بعض نے انہیں اموالِ زکوٰۃ میں شامل کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا۔ نیز مویشیوں پر زکوٰۃ تب واجب ہوگی جبکہ وہ قدرتی چراگاہوں میں چر اور پل رہے ہوں اور گھر میں ان کو چارہ ڈالنے کی ضرورت نہ پڑے۔

نصاب

اونٹوں کا نصابِ زکوٰۃ پانچ ہے۔ اگر کسی کے پاس پانچ سے کم اُونٹ ہوں تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ شرحِ زکوٰۃ کی تفصیل یہ ہے:۔

	تا	زکوٰۃ
۵ راس اُونٹ سے	۹ راس تک کے لئے زکوٰۃ	۱ بکری یا اس کی قیمت
۱۰ " "	۱۴ " " " " " "	۲ بکریاں یا ان کی "
۱۵ " "	۱۹ " " " " " "	۳ " " " "
۲۰ " "	۲۴ " " " " " "	۴ " " " "
۲۵ " "	۳۵ " " " " "	۱ اونٹنی یک سالہ یا اسکی "
۳۶ " "	۴۵ " " " " " "	۱ " دو سالہ " "
۴۶ " "	۶۰ " " " " " "	۱ " ۳ " " "
۶۱ " "	۷۵ " " " " " "	۱ " ۴ " " "
۷۶ " "	۹۰ " " " " " "	۲ اونٹنیاں ۲ سالہ یا انکی "
۹۱ " "	۱۲۰ " " " " " "	۲ " ۳ " " "

اس کے بعد ہر چالیس اونٹوں پر ایک دو سالہ اونٹنی اور پچاس اونٹوں پر ایک سہ سالہ اُونٹنی بطور زکوٰۃ دینی ہوگی۔

گائیوں اور بھینسوں کی زکوٰۃ :-

گائے اور بھینس ایک ہی جنس شمار ہوتی ہیں اور ان میں بیل اور بھینسے بھی شامل ہیں۔ پس ان کے نصاب اور زکوٰۃ کا انحصار ان کی مجموعی تعداد پر ہے۔ نہ کہ ہر ایک جانور کی الگ الگ تعداد پر خواہ ان میں سے کسی ایک جنس کی تعداد نصاب سے کم ہو۔ اگر ان جانوروں (گائے بھینس) کی مجموعی تعداد نصاب کے برابر ہو تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ آئندہ جہاں گائے کا لفظ آئے گا اس میں گائے، بیل، بھینس، بھینسا سب شامل ہوں گے۔

گائیوں کا نصاب ۳۰ رائس ہے۔ ۳۰ سے کم جانوروں پر زکوٰۃ نہیں۔ اور ان کی زکوٰۃ کی شرح ہر ۳۰ رائس پر ایک یک سالہ گائے اور ہر ۴۰ رائس پر ایک دو سالہ گائے ہے مثلاً

	تا	زکوٰۃ
۳۰ رائس گائے سے	۳۹ رائس تک کے لئے زکوٰۃ	۱ گائے ۱ سالہ یا اس کی قیمت
۴۰ " "	۵۹ " " " " "	۱ " دو سالہ " " "
۶۰ " "	۷۹ " " " " "	۱ " ۲ سالہ اور ایک یک سالہ یا انکی قیمت
۸۰ " "	۸۹ " " " " "	دو گائیں دو سالہ یا ان کی قیمت
۹۰ " "	۹۹ " " " " "	تین گائیں ایک سالہ " " "

۱۰۰ رأس گائے سے ۱۰۹ رأس تک کے لئے زکوٰۃ ۱ گائے ۲ دو سالہ اور دو یک سالہ یا اکی قیمت

۱۱۰ 〃 〃 〃 ۱۱۹ 〃 〃 〃 〃 〃 ۲ 〃 〃 〃 ایک یک سالہ 〃 〃

۱۲۰ 〃 〃 〃 ۱۲۹ 〃 〃 〃 〃 〃 ۳ 〃 〃 یا چار یک سالہ 〃 〃

اور اسی طرح آگے حساب چلتا جائے گا ۔

بکریوں وغیرہ کی زکوٰۃ :۔

بکریاں - بھیڑیں - چھترے اور دنبیاں ایک ہی جنس شمار ہوتی ہیں اور ان کے نصاب اور ان کی زکوٰۃ کا انحصار بھی ان کی مجموعی تعداد پر ہوگا نہ کہ ہر جانور کی الگ الگ تعداد پر۔ آئندہ جہاں بکری کا لفظ آئے اس میں بکرا ۔ بکری ۔ مینڈھا ۔ بھیڑ ۔ دُنبہ ۔ دُنبی سب شامل ہوں گے ۔

بکریوں کا نصاب ۴۰ رأس ہے ۔ چالیس سے کم جانوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے اور ان کی زکوٰۃ کی شرح حسب ذیل ہے :۔

۴۰ رأس بکری سے ۱۲۰ رأس تک کے لئے زکوٰۃ ۱ بکری یا اس کی قیمت

۱۲۱ 〃 〃 〃 ۲۰۰ 〃 〃 〃 〃 〃 ۲ بکریاں 〃 〃 〃

۲۰۱ 〃 〃 〃 ۳۰۰ 〃 〃 〃 〃 〃 ۳ 〃 〃 〃 〃

اس سے اُوپر ہر سَو بکری پر ایک بکری بطور زکوٰۃ واجب ہے اور اگر بکریاں پورے سینکڑوں کی تعداد میں نہ ہوں بلکہ کم ہوں تو کسر پر کچھ زکوٰۃ نہیں ہوگی ۔ پس ۳۰۱ سے لے کر ۳۹۹ بکریوں پر بھی تین بکریاں ہی زکوٰۃ واجب ہوگی ۔ کسر کا یہ اصول ہر جانور اُونٹ ، گائے وغیرہ کے نصاب پر عائد ہوگا ۔

متفرق مسائل

مختلف نصاب والے اموال

اگر کسی کے پاس مختلف قسم کا الگ الگ نصاب زکوٰۃ والا مال ہو لیکن ان میں سے کوئی بھی بجائے خود نصاب کے مطابق نہ ہو بلکہ کم ہو خواہ ان سب کی مجموعی قیمت ہزاروں تک پہنچتی ہو تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔ مثلاً کسی کے پاس چار اونٹ ۲۹ گائیں ۳۹ بکریاں ۵۱ تولہ چاندی ہے تو کسی پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی اور نہ مجموعی قیمت کی بناء پر زکوٰۃ وصول کی جائے گی کیونکہ ان میں سے ہر مال کا نصابِ زکوٰۃ الگ ہے اور وہ اسی مال کے ساتھ مختص ہے۔

سال سے کیا مراد ہے

زکوٰۃ سے وجوب کے لئے سال سے قمری سال مراد ہے لیکن شروع سال سے ماہ محرم مراد نہیں بلکہ جس مہینے نصاب کے برابر کوئی مال کسی کی ملکیت۔ قبضہ اور تصرف میں آئے گا اس مال کے لئے سال اس مہینہ سے شروع ہوگا اور بارہ قمری مہینے گزرنے پر اس مال میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اگر سال گزرنے سے پہلے پہلے مال کی نوعیت بدل گئی تو سال بھی بدل جائے گا۔ یعنی سال اُس ماہ سے شروع ہوگا جس میں یہ نیا مال قبضہ وتصرف میں آیا ہے مثلاً ایک شخص کے پاس ربیع الاوّل میں دس ہزار روپیہ آیا چھ ماہ گزرے کہ شعبان میں اس نے دس ہزار روپیہ کے مویشی خرید لئے تو اب اس مال پر زکوٰۃ کی اغراض کے لئے سال ماہ شعبان سے شروع ہوگا۔ اگر یہ مویشی سال بھر یعنی اگلے "رجب" تک اُس کے پاس رہے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر سال گزرنے سے پہلے پہلے اُس نے مویشی بیچ دیئے اور اس روپیہ سے تجارت کی نیت سے کراکری خریدلی تو پھر سال اُس ماہ سے شروع ہوگا جس میں اس نے کراکری خریدی ہے۔

اس طرح اگر سال کے دوران میں مال کی نوعیت بدلتی جائے اور کسی مال پر سال گزرنے نہ پائے تو اس سرمایہ پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

اموال پر زکوٰۃ کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اکتناز ذخیرہ اندوزی۔ ہورڈنگ اور مال جمع کرنے اور مہنگا کرکے بیچنے کی حرص کا قلع قمع کیا جائے اور مال جلد جلد نکالنے اور فروخت کرنے کی عادت ڈالی جائے۔

اگر کسی کے قبضہ میں نصاب کے برابر یا اس سے زیادہ کوئی مال ہو مگر سال کے دوران میں وہ نصاب سے کم رہ جائے لیکن سال کے آخر میں نصاب کے برابر یا اس سے بڑھ جائے تو زکوٰۃ کے وجوب میں دوران سال کی کمی اثر انداز نہ ہوگی اور سال کے آخر میں جو بھی مال موجود ہے اس پر زکوٰۃ عائد ہوگی۔

اگر سال کے دوران مال گم ہو جائے۔ چُرایا جائے۔ کوئی چھین لے یا کسی اور طرح مالک کے قبضہ اور تصرف سے نکل جائے لیکن سال کے آخر میں وہی مال مل جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ ہاں اگر کئی سال تک وہ مال مالک کو نہ ملے یا اُس نے کسی کو قرض دیا ہوا ہو یا زیور یا مویشی کسی کے پاس رہن رکھے ہوئے ہوں یا دوکاندار کا روپیہ خریداروں کے ذمہ ہو تو ان سب صورتوں میں صرف اسی سال کی زکوٰۃ واجب ہوگی جس سال یہ مال دوبارہ اس کے قبضہ اور تصرف میں آیا ہے۔

ایک صاحب نے سوال کیا کہ تجارت کا جو مال خریداروں کی طرف ہوتا ہے اور اُگراہی میں پڑا ہوتا ہے اُس پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے۔ اس پر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:۔

"جو مال معلّق ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔ جب تک کہ اپنے قبضہ میں نہ آجائے۔ لیکن تاجر کو چاہیئے کہ حیلہ بہانہ سے زکوٰۃ کو نہ ٹال دے۔ آخر اپنی حیثیت کے مطابق اپنے اخراجات بھی تو اسی مال میں سے برداشت کرتا ہے۔ تقویٰ کے ساتھ اپنے مال موجودہ اور معلّق پر نگاہ ڈالے اور مناسب دے کر خدا تعالیٰ کو خوش کرتا رہے بعض لوگ خُدا کے ساتھ بھی حیلے بہانے کرتے ہیں یہ درست نہیں ہے۔"[1]

مقروض کا قرضہ اگر اس کی مملوکہ جائیداد اور آمدن سے بڑھ گیا ہے اور اس کی استطاعت سے باہر ہے تو قرضہ کی ادائیگی تک اُس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

نابالغ یا دیوانہ کا مال

نابالغ اور دیوانہ کی ملکیت میں جو مال ہے اگر تو اُسے محفوظ تجارت میں لگانے کے مواقع ہیں اور اس اعتماد پر اس مال کے نگران نے اُسے تجارت میں لگا دیا ہے تو حسب قواعد زکوٰۃ واجب

---

[1] :۔ مجموعہ فتاویٰ احمدیہ جلد ۱ صفحہ ۱۶۸۔

ہوگی۔ ورنہ زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کیونکہ ایسی صورت میں اگر زکوٰۃ عائد ہو تو سارا سرمایہ اس میں صرف ہو جائے گا۔ اور نابالغ کے مفاد کے لئے مال جمع رکھنے کا مقصد فوت ہو جائے گا۔

فتاویٰ

زکوٰۃ کیا ہے

زکوٰۃ کیا ہے "یُؤْخَذُ مِنَ الْاُمَرَآءِ وَیُرَدُّ اِلَی الْفُقَرَاءِ" یعنی وہ مال جو امراء سے لے کر فقراء کو دیا جائے اس میں اعلیٰ درجہ کی ہمدردی سکھائی گئی ہے۔ اس طرح سے باہم گرم سرد ملنے سے مسلمان سنبھل جاتے ہیں۔ امراء پر یہ فرض ہے کہ وہ ادا کریں۔ اگر نہ بھی فرض ہوتی تو بھی انسانی ہمدردی کا تقاضا تھا کہ غرباء کی مدد کی جائے۔ مگر اب میں دیکھتا ہوں کہ ہمسایہ اگر فاقہ مرتا ہو تو پرواہ نہیں اپنے عیش و آرام سے کام ہے جو بات خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالی ہے میں اس کے بیان کرنے سے رک نہیں سکتا۔ انسان میں ہمدردی اعلیٰ درجہ کا جوہر ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ"[1] یعنی تم ہرگز ہرگز اس نیکی کو حاصل نہیں کر سکتے جب تک اپنی پیاری چیزوں کو اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو۔ یہ طریق اللہ کو راضی کرنے کا نہیں کہ مثلاً کسی ہندو کی گائے بیمار ہو جائے اور وہ کہے کہ اچھا اسے منس[2] دیتے ہیں۔ (یعنی صدقہ میں دیتے ہیں)۔

بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ باسی اور سڑی بُسی روٹیاں جو کسی کام نہیں آسکتی ہیں فقیروں کو دے دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم نے خیرات کر دی ہے۔ ایسی باتیں اللہ تعالیٰ کو منظور نہیں ہیں اور نہ ایسی خیرات مقبول ہو سکتی ہے وہ تو صاف طور پر کہتا ہے "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ" حقیقت میں کوئی نیکی نیکی نہیں ہو سکتی جب تک اپنے پیارے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں اُس کے دین کی اشاعت اور اس کی مخلوق کی ہمدردی کے لئے خرچ نہ کرو۔"[3]

---

[1]:۔ سورۃ العمران: ۹۳ ☆ [2]:۔ منسا ہندی لفظ ہے اور اس کے معنے "صدقہ دینا" ہیں ☆

[3]:۔ فتاویٰ حضرت مسیح موعود صفحہ ۱۲۶، بدر ۱۹۰۸ء ☆

سوال :۔ سونے کی صورت میں زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے۔ یعنی اس کا نصاب کیا ہے؟

جواب :۔ سونے کے لئے ہمارے نزدیک چاندی معیار ہے یعنی اگر کسی کے پاس اتنا سونا ہو جو ۵۲½ تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو ایسے شخص کو زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے بشرطیکہ یہ سونا ایسے زیور کی شکل میں نہ ہو جسے بالعموم استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی کبھار عاریۃً مانگنے والی کو پہننے کیلئے دے دیا جاتا ہے اور بخل سے کام نہیں لیا جاتا

سوال :۔ شروع سال میں نصاب کے برابر رقم تھی۔ پھر سال کے دَوران میں اس میں اضافہ ہوتا رہا۔ ایسی زیادتی کی زکوٰۃ کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب :۔ اگر سال کے دَوران میں سرمایہ بڑھ جائے مثلاً دس کا پندرہ[۱۵] ہزار ہو جائے تو زکوٰۃ ۱۵ ہزار پر عائد ہوگی خواہ پانچ ہزار روپیہ ایسا ہو جو سال گذرنے سے ایک دو[۲] روز ہی پہلے میسّر آیا ہو۔ غرض زائد آمدن سابقہ سرمایہ کے تابع ہوگی اور اس کے لئے سال گزرنے کی شرط نہیں ہوگی۔

سوال :۔ کیا سیکورٹی اور پراویڈنٹ فنڈ و معیادی امانت (فکسڈ ڈیپازٹ) زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہیں۔ امانت تابع مرضی (CURRENT ACCOUNT) کے بارہ میں کیا حکم ہے؟

جواب :۔ قرض۔ میعادی امانت۔ سیکورٹی ضمانت میں دی ہوئی رقم اور پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ نہیں۔ البتہ جس سال یہ رقوم وصول ہوں اس سال کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیئے۔

امام مالکؒ اپنی کتاب مؤطا میں فرماتے ہیں :۔

"اَلْاَمْرُ الَّذِیْ لَا اخْتِلَافَ فِیْهِ عِنْدَنَا فِیْ مَسْئَلَةِ الدَّیْنِ اِنَّ صَاحِبَهٗ لَا یُزَکِّیْهِ حَتّٰی یَقْبِضَهٗ صَاحِبُهٗ لَمْ یَجِبْ عَلَیْهِ اِلَّا زَکٰوةٌ وَّاحِدَةٌ"[۱]

ہمارے (یعنی مدینہ کے علماء کے) نزدیک یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ جو قرض مقروض کے پاس کئی سال تک رہے اس پر زکوٰۃ نہیں البتہ جس سال یہ قرض وصول ہو صرف اس سال کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ جو حال قرض کا ہے وہی میعادی امانت اور سیکورٹی وغیرہ کا ہے۔ امام مالکؒ نے اپنے مسلک کی تائید میں حدیث بھی پیش کی ہے۔ علاوہ ازیں زکوٰۃ کی ایک غرض یہ بھی ہے کہ مال مالک کے پاس بند نہ پڑا رہے بلکہ لامحالہ وہ مجبور ہو کر اسے کاروبار میں لگائے یا کسی دوسرے کو اس سے استفادہ کرنے دے ورنہ زکوٰۃ اس کے

---

[۱] :۔ اوجز المسالک شرح مؤطا مالک جلد ۳ صفحہ ۱۲۷ :

مال کو کھا جائے گی ۔ ظاہر ہے کہ قرض ۔میعادی امانت وغیرہ کی صورت میں یہ مقصد حاصل ہو جاتا ہے ۔ اس لئے ایسے سرمایہ پر زکوٰۃ نہیں ہے ۔ نیز ایسے حالات میں اگر زکوٰۃ ضروری ہو تو کچھ عرصہ کے بعد سارا قرض اور ساری امانت زکوٰۃ میں ختم ہو جائے گی حالانکہ شریعت کا یہ منشاء نہیں ۔

قرض پر زکوٰۃ

" ایک شخص کا سوال حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا کہ جو روپیہ کسی شخص نے کسی کو قرضہ دیا ہوا ہے کیا اس کو زکوٰۃ دینی لازم ہے؟ فرمایا نہیں ۔ "[1]

مکانات و جواہرات پر زکوٰۃ

" سوال پیش ہوا کہ پانچ سو روپیہ کا حصہ ایک مکان میں ہے کیا اس حصہ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ۔ جواہرات و مکانات پر کوئی زکوٰۃ نہیں "۔[2]

مکان اور تجارتی مال پر زکوٰۃ

" ایک شخص کے سوال کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ مکان خواہ ہزار روپیہ کا ہو اس پر زکوٰۃ نہیں اگر کرایہ پر چلتا ہو تو آمد پر زکوٰۃ ہے ۔ ایسا ہی تجارتی مال پر جو مکان میں رکھا ہے ۔ زکوٰۃ نہیں ۔ حضرت عمرؓ چھ ماہ کے بعد حساب لیا کرتے تھے اور روپیہ پر زکوٰۃ لگائی جاتی تھی " ۔[3]

جماعتی چندہ اور زکوٰۃ

سوال :۔ اگر چندہ عام یا چندہ وصیت دینے والا یہ نیت کرے کہ اس میں اس قدر زکوٰۃ بھی شامل ہے تو پھر کیا زکوٰۃ کی علیحدہ طور پر ادائیگی کی ضرورت ہے ؟

---

[1] :۔ البدر ۲۱ فروری ۱۹۰۷ء ۔ فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۱۲۸ ؛ [2] :۔ البدر ۱۴ فروری ۱۹۰۷ء ۔ فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۱۲۸

[3] :۔ البدر ۱۴ فروری ۱۹۰۷ء ۔ فتاویٰ مسیح موعود صفحہ ۱۲۸ ؛

جواب :۔ زکوٰۃ تو کم از کم مالی صدقہ ہے جو ہر صورت میں خواہ ضرورت ہو یا نہ ہو صاحب نصاب کو ادا کرنا اور خلیفۂ وقت کی وساطت اور اجازت سے خرچ کرنا ہوتا ہے۔ لیکن چندہ کی بنیاد جماعتی فیصلہ اور ضرورت پر ہے۔ اگر سلسلہ کو ضرورت ہے تو چندہ لگے گا ورنہ نہیں لگے گا۔ ان وجوہات کی بناء پر چندہ میں زکوٰۃ محسوب کرنا درست نہیں۔ اور مرکزی بیت المال کی ہدایت بھی یہی ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ

شروع اسلام میں اسلامی حکومت کے محصّل جو زکوٰۃ وصول کرتے وہ مقامی ضروری اخراجات کے لئے مناسب رقم چھوڑ کر باقی مرکزی بیت المال میں پہنچا دیتے اور مرکزی بیت المال اللہ تعالیٰ کے رسولؐ اور آپؐ کے بعد خلیفۂ وقت کی ہدایت کے مطابق مقررہ مصارف میں اسے خرچ کرتا تھا۔ تاہم اصولاً زکوٰۃ کی آمدن حسب گنجائش اُن تمام اخراجات کے لئے خرچ ہو سکتی ہے جو حکومت کو محتاج اور ضرورت مند معاشرہ کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے کرنے پڑتے ہیں۔

اگر ہم حکومتِ اسلامیہ کی وہ ذمہ داری مانیں جن کے پیش نظر حضرت عمرؓ نے سب کے گذارے کے سامان بہم پہنچنے کے انتظامات کئے تھے تو اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا کہ زکوٰۃ حکومت کی مختلف قسم کی ذمہ داریوں پر خرچ کی جا سکتی ہے۔ گو اس کے پہلے اور ترجیحی حقدار غرباء ہیں۔

بہرحال زکوٰۃ کہاں خرچ کی جائے اس کے مستحق کون لوگ ہیں اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اصولی رہنمائی فرمائی ہے :۔

"اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ" [1]

صدقات تو صرف فقراء اور مساکین کے لئے ہیں اور ان کے لئے جو ان صدقات کے جمع کرنے کے لئے مقرر کئے گئے ہیں۔ نیز ان کے لئے جن کے دلوں کو اپنے ساتھ

---

[1] :۔ التوبۃ : ۶۰

جوڑنا مطلوب ہو اور اسی طرح قیدیوں اور قرضداروں کے لئے اور ان کے لئے جو اللہ کے راستہ میں جنگ کرتے ہیں اور مسافروں کے لئے یہ فرض اللہ کا مقرر کردہ ہے اور اللہ بہت جاننے والا اور بڑی حکمت والا ہے۔"
اس آیت میں زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے گئے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے :-

۱۔ فقراء

فقیر کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ حاجتمند ہے جو اپنا گذارا چلانے کیلئے دوسروں کی مدد کا محتاج ہے اور روزمرہ کی ضروریات کے لئے بھی اس کے پاس کچھ نہیں۔

۲۔ مساکین

مسکین کی جمع ہے اور اس سے مراد وہ ضرورت مند ہے جسے حالات نے بٹھا دیا ہو بے دست و پا کر دیا ہو گویا صورتِ حال کے ہاتھوں وہ بالکل بے کار ہو کر رہ گیا ہو۔ مثلاً ایک اچھا بھلا کاریگر ہے لیکن اپنے فن سے کام لینے کے لئے جن آلات کی ضرورت ہے وہ اُس کے پاس نہیں اور نہ وہ کہیں سے مہیا کر سکتا ہے۔
مسکین کے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ وہ کسی سے اپنی حالت بیان نہیں کرتا اپنی غربت کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیتا گویا آیت قرآنی :-
تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ [1]
کی تصویر ہے۔
اس آیت میں حکومت کو بھی یہ توجہ دلائی گئی ہے کہ اُسے یہ طریق اختیار نہیں کرنا چاہیئے کہ جو داویلا کرے اس کا مطالبہ مان لیا جائے اور جو ضرورت مند ہونے کے باوجود خاموش رہے اُسے نظر انداز کر دیا جائے۔

۳۔ کارکنان وصولی و تقسیم کار

زکوٰۃ کی وصولی اور اُس کی تقسیم کا انتظام کرنے والے کارکنان کو بھی مدّ زکوٰۃ سے گذارہ دیا جا سکتا ہے۔ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا سے یہی لوگ مراد ہیں۔ غرض زکوٰۃ

---

[1] :- البقرۃ : ۲۷۴ ؛

کے نظم ونسق کے کارکن اور محکمہ مال کے کارندے زکوٰۃ کی آمد میں سے گزارا لے سکتے ہیں ۔

۴۔ مؤلفۃ القلوب

حوصلہ افزائی اور سہارا دینے کے لئے کچھ خرچ کرنا خواہ اس کا مقصد کسی کو اسلام سے مانوس کرنا ہو یا ملک وملت کے سیاسی مفاد اس کے مقتضی ہوں مثلاً کسی علاقہ میں کچھ لوگ مسلمان ہوئے ہیں جس کی وجہ سے مخالفوں نے ان کے کاروبار کو برباد کر دیا ہے ۔ یا اسلام کی طرف میلان رکھتے ہوں لیکن اپنی مشکلات سے ڈرتے ہوں ایسے لوگوں کی تالیفِ قلوب کے لئے زکوٰۃ کی مد سے خرچ کرنا بالکل روا اور بجا ہوگا ۔

۵۔ الرقاب

رَقَبَۃٌ کی جمع ہے ۔ اس کے معنے گردن کے ہیں ۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ کسی کی گردن حوادثِ زمانہ کی وجہ سے دوسرے کے قبضہ میں آگئی ہو ۔ وہ اس کی مرضی کے بغیر ہل جل نہ سکتا ہو جیسے دشمن کے ہاتھ میں قید ہو گیا ہو ۔ یا قرض میں اس کا رواں رواں ڈوب چکا ہو اور قرض خواہوں نے اس کا ناطقہ بند کر رکھا ہو ایسے شخص کی زکوٰۃ کی آمدن سے گلو خلاصی کرائی جا سکتی ہے ۔

۶۔ غارمین

غارم کی جمع ہے ۔ یعنی وہ جس پر ناگہانی حادثہ کی وجہ سے چٹی پڑ گئی ہو ۔ غلطی سے وہ کسی کا بھاری نقصان کر بیٹھا ہو اور اس کی ذمہ داری اس پر آپڑی ہو یا اس کے کسی عزیز نے کوئی غلطی کی ہو اور اس کی چٹی اس نے اپنے ذمہ لے لی ہو ۔ ایسے مصیبت زدہ کی مدد زکوٰۃ کی آمد سے کی جا سکتی ہے ۔

۷۔ فی سبیل اللہ

اللہ کی راہ سے مراد ایسے تمام کام جو اسلام اور مسلمانوں کی بہبود ۔ ان کی تنظیم ، حفاظت اور استحکام اور دوسری شہری ضروریات کے لئے حکومت اور جماعت کو کرنے پڑتے ہیں یہ

سب ضرورتیں زکوٰۃ کی مدّ سے بھی پوری کی جاسکتی ہے ۔

۸ ۔ ابن السبیل

ابن السبیل سے مراد مسافر ہے ۔ مسافروں کی فوری اور مستقل ضروریات زکوٰۃ کی مدّ سے پوری کی جاسکتی ہیں ۔ مثلاً سرائیں اور رہائش گاہیں بنانا ۔ راستہ کی حفاظت کیلئے چوکیاں قائم کرنا ۔ سڑکیں اور پل بنانا ۔ دفتر معلومات کھولنا یا کھانا مفت مہیا کرنا ۔ غرض سیر و سیاحت اور تجارتی سفروں کے فروغ کے لئے ضروری اخراجات مذکورہ مدّ سے ادا کئے جاسکتے ہیں ۔

عام ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے یہ آٹھ مصرف بیان فرمائے ہیں ۔ یہ اصولی رہنمائی ہے ۔ ورنہ امام وقت کو یہ اختیار ہے کہ اگر حالات کا تقاضہ ہو کہ ساری کی ساری زکوٰۃ ان میں سے کسی ایک مصرف پر خرچ کی جائے تو ایسا کرنا جائز اور منشاءِ شریعت کے عین مطابق ہے ۔

سیّد کے لئے زکوٰۃ

۱ ۔ سوال ہوا کہ غریب سیّد ہو تو کیا وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق ہوتا ہے یا نہیں ؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ۔ اصل میں منع ہے اگر اضطراری حالت ہو فاقہ پر فاقہ ہو تو ایسی مجبوری کی حالت میں جائز ہے ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْہِ " (الانعام : ۱۲۰)

حدیث سے فتویٰ تو یہ ہے کہ نہ دینی چاہیئے ۔ اگر سیّد کو اور قسم کا رزق آتا ہو تو اُسے زکوٰۃ لینے کی ضرورت ہی کیا ہے ۔ ہاں اگر اضطراری حالت ہو تو اور بات ہے ۔ "[1]

بہر حال اصل یہ ہے کہ زکوٰۃ مرکز کی وساطت سے خرچ ہونی چاہیئے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہد مبارک میں یہی طریق جاری تھا

---

[1] : ۔ الحکم ۲۴ ر اگست ۱۹۰۷ء ۔ فتاویٰ مسیح موعود ص۱۲۷ ؂

ہاں اگر کسی مقامی مستحق کی مدد کرنا مقصود ہو یا کوئی جماعت یا فرد زکوٰۃ کی ساری رقم کو مقامی طور پر خرچ کرنا چاہتا ہو تو پھر پہلے سے اس کی اجازت مرکز سے منگوا لینی چاہیئے۔ غریب سیّد کو زکوٰۃ دینے کی اجازت کا دارومدار خلیفۂ وقت کی مرضی پر ہے۔ سوال مدد کا ہے جو ضروری ہے۔ کس مد سے ہو یہ بالکل الگ امر ہے دراصل آغازِ اسلام میں بیت المال کی آمدن کی مختلف مدّات تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کی مدد مدِّ زکوٰۃ کی بجائے دوسری مدّات سے کی جاتی تھی اور زکوٰۃ کی مدّ اُن پر خرچ نہیں ہوتی تھی لیکن جب یہ انتظام باقی نہ رہا تو پھر یہ تمیز اُٹھ گئی۔ چنانچہ فقہ کے مشہور بزرگ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔" [1]

۲۔ قرآن کی تعلیم دینے والے استاد کو بطور تنخواہ زکوٰۃ کی مد سے رقم دی جا سکتی ہے۔ اسی طرح غریب طالب علموں کو زکوٰۃ کی مدّ سے وظائف دیئے جا سکتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدینؓ کے بعد حالات چونکہ بدل گئے ہیں اس لئے بعض آئمہ نے حالات کی تبدیلی سے مجبور ہو کر اضطرار کے پیشِ نظر جواز کا فتویٰ دیا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام، حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے بھی اضطرار کا پہلو اختیار فرمایا ہے۔ مطلقاً جواز کا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے تفسیر کبیر میں مسلمانوں کی اس غفلت پر ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا ہے اور اسے قومی انحطاط کا ایک اہم سبب قرار دیا ہے [2]

ــــــ تمت ــــــ

---

[1] :- شرح معانی الآثار طحاوی ۲/۱۳ ۔ شامی ۲/۱۰۲ ۔ نیل الاوطار کتاب الزکوٰۃ ۴/۱۷۳ ؎

[2] :- تفسیر کبیر سورۃ البقرۃ صفحہ ۱۳۱ ؎